دجّال۔

یہاں وہ روایت۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں جس نے اپنی قوم کو دجال سے نہ ڈرایا ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی قوم کو دجال سے نہ ڈریا ہو۔یعنی کہ تمام کے تمام انبیاء نے اپنی قوموں کو جس سے ڈرایا وہ دجال ہے۔

روایات میں لفظ " حذر " آیا ہے۔اورحذر کہتے ہیں ایسے خطرے سے ڈر کو جو سامنے موجود ہو۔اس کے برعکس خوف کہتے ہیں پوشیدہ خطرے سے لاحق ہونے والے ڈر کو۔

روایات میں یہ نقطہ بہت ہی قابل غور ہے۔اوراسے ہم قرآں سے بھی سمجھ سکتے ہیں۔

یہاں حذر والی آیت۔۔۔

یعنی تمام انبیاء نے جب اپنی قوموں کو دجّال سے ڈرایا تو اس وقت دجّال ان کے سامنے موجود تھا،اس وقت دجّال موجود تھا۔ اور پھر جب وہ نہیں ڈرے تو ان کا جو انجام ہوا وہ بھی دجّال ہی کے سبب ہوا۔

ہم اس کو قرآن میں غوروفکر کر کے جانیں گے یعنی قرآن سے اس سوال کا جواب حاصل کریں گے کہ وہ کون سی ایسی شیئے ہے یا وہ کیا تھا جس سے تمام کے تمام انبیاء نے اپنی قوموں کو ڈرایا۔پھر جو قومیں تو ڈر گئیں اوراس پر ایمان لانے کی بجائے اللہ کو اپنا

رب بنایا تو وہ بچ گئیں اور جنہوں نے توبہ نہ کی اور اپنی اسی روش پر قائم رہتے ہوئے دجال کو اپنا ربّ بنائے رکھا تو ان کا انجام کیا ہوا۔

جب ان سوالات کے جوابات ہم قرآن سے حاصل کریں گے تو ان شاء اللہ ہم پر نہ صرف دجال کی حقیقت کھل کر واضع ہو جائے گی بلکہ ہمیں اس سوال کا جواب بھی مل جائے گا کہ جس کو محمد رسول اللہ ﷺ نے دجال کہا آیا اس کا ذکر قرآن میں ہے یا نہیں اگر اس کا ذکر قرآن میں کیا گیا تو کن الفاظ میں کیا گیا۔

اِنَّآ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡکَ کَمَآ اَوۡحَیۡنَآ اِلٰی نُوۡحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ۔ النساء ۱۶۳

اس میں کچھ شک نہیں ہم نے وحی کی تیری طرف جس طرح ہم نے وحی کی نوح کی طرف اور جتنے بھی نبی اس کے بعد ہوئے ان کی طرف۔

بلکل یہی بات محمد رسول اللہ ﷺ نے کی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہاں نوح علیہ السلام کے بعد کوئی نبی ایسا نہیں گزرا والی روایت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یعنی یوں سمجھئے کہ قرآن کی یہ آیت اور محمد رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ ایک ہی ہے۔ان کا پس منظر، ان کا بیان ایک ہی ہے۔ ایک ہی بات ہے جو اللہ کے نبی اور قرآں کے الفاظ میں مل رہی ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف کیا وحی کی اور نوح علیہ السلام اور ان کے بعد جتنے بھی انبیاء تھے ان کی طرف کیا وحی کی اللہ سبحان وتعالیٰ نے۔ اس وحی کو سمجھنے کے لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم کسی بھی ایک نبی کی طرف کی گئی وحی کے بارے میں جان لیں تب ہم پر واضع ہو جائے گا کہ تمام کے تمام انبیاء کی طرف یہی وحی کی گئی۔اسے ہم کسی اور نبی کی طرف کی گئی وحی کو جاننے کی بجائے ہم قرآن سے یہ جانتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف کیا وحی کی گئی اور پھر اس وحی کا موازنہ باقی انبیاء کیساتھ کریں گے تا کہ ہم وہ مشترک شئے جان سکیں جس کے بارے میں تمام کے تمام انبیاء نے اپنی قوموں کو ڈرایا۔

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ بِالۡحَقِّ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا ؕ وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیۡہَا نَذِیۡر۔ فاطر ۲۴

اس میں کچھ شک نہیں بھیجا ہم نے تجھے حق کیساتھ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا، اور نہیں امتوں میں سے کوئی

بھی نگران میں ڈرانے والا گزر چکا۔

وَاِنۡ یُّکَذِّبُوۡکَ فَقَدۡ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۚ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ

وَبِالزُّبُرِ وَبِالۡکِتٰبِ الۡمُنِیۡرِ. فاطر ٢٥

اور اگر تکذیب کریں گے تیری پس تحقیق تکذیب کر چکے وہ جو ان سے قبل تھے، آئے ان کے پاس ان کے رسول

بینات کیساتھ اور زبر کیساتھ اور ہر لحاظ سے روشن کر دینے والی کتاب کیساتھ

ثُمَّ اَخَذۡتُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَکَیۡفَ کَانَ نَکِیۡرِ. فاطر ٢٦

پھر پکڑا انہیں جنہوں نے کفر کیا پس کیسا تھا ان کا تکذیب کرنے کا انجام

یہ آیات ایسی ہیں جو ہر رسول میں مشترک ہیں وہ کون سی شئے ہے جس سے تمام کے تمام انبیاء ڈراتے رہے اس کی وضاحت ان شاءاللہ آگے آئے گی اور پھر ان کی تکذیب کی جاتی رہی یعنی ان کے ڈرانے کو کوئی اہمیت نہ دی گئی اور ان کا انجام کیا ہوا سورۃ فاطر کی آیت ٢٦ میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے اس کی بھی وضاحت کر دی۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا

فَاعۡبُدُوۡنِ. الانبیاء ٢٥

اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے قبل رسولوں میں سے مگر ہم نے وحی کیا اس کی طرف کہ بیشک نہیں کوئی بھی ایسی ذات

جس کی غلامی کی جائے جس کی بات مانی جائے مگر میں پس میری ہی غلامی کرو۔

کیوں اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہر رسول کی طرف یہی وحی کی کہ کوئی بھی ایسی ذات نہیں جس کی غلامی کی جائے مگر اللہ۔ تو اس کا

جواب اللہ سبحان وتعالیٰ نے اسی سورت میں اسی آیت سے پہلے ہی دے دیا۔ یعنی پہلے وہ وجہ کھول کر بیان کر دی اس کے بعد یہ حکم دیا۔

لَوۡ كَانَ فِيۡهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الۡعَرۡشِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ . الانبياء ٢٢

اگر تھے ان میں (آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے میں) اللہ کے علاوہ اور الہ یعنی ایسی ذاتیں جن کی بات مانی جاتی، جن کی غلامی کی جاتی جن کے احکامات پر عمل کیا جاتا جن کی ہدایات پر عمل کیا جاتا تو فساد ہو جاتا یعنی نظام بگڑ جاتا آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ بھی ان میں ہے سب میں خرابیاں ہو جاتیں اور تباہیاں آتین، ان میں نقص وعیوب اور خامیاں پیدا ہو جاتیں، سب کچھ درہم برہم ہو جاتا۔ پس پاک ہے اللہ عرش کا ربّ اس سے جو تم کرتے ہو۔

یعنی جو تم اللہ کے علاوہ اوروں کی غلامی کرتے ہو اوروں کی بات مانتے ہو کائنات میں جو کچھ بھی اللہ کی ہدایات کے خلاف کر رہے ہو، مخلوقات میں چھیڑ چھاڑ کر رہے ہو وہ اس سے پاک ہے کیونکہ جب تم اس کے علاوہ اوروں کی غلامی کرتے ہو تو آسمانون اور زمینون اور جو کچھ ان کے درمیان ہے میں خرابیاں پیدا ہوتی ہیں تو اس کا حکم اللہ سبحان وتعالیٰ نے تمہیں نہیں دیا اس لیے اللہ سبحان ہے۔ اسی نے ان سب کو خلق کیا اس لیے صرف اور صرف اسی کو ہی علم ہے کہ یہ نظام کیسے ٹھیک چلے گا اسی کو تمام مخلوقات کی ضروریات کا علم ہے اس لیے وہی عرش کا ربّ یعنی آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کا نظام چلانے کے لیے قانون بنانے اور سب کو حکم دینے کا حق بھی صرف اور صرف اسی کو ہے۔

اللہ کے علاوہ اور الہ ہوتے تو کیوں فساد ہو جاتا؟

اس لیے کیونکہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے سب کچھ حق کیساتھ خلق کیا ہے آیات آگے آئیں گی لیکن اس کی تفصیل کے ساتھ وضاحت پیچھے گزر چکی ہے۔

یہ واضع کرنے کے بعد اسی لیے اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہر قوم کو اس کے نبیوں ورسولوں کے ذریعے یہی حکم دیا کہ صرف اور صرف

اللہ کی غلامی کر وورنہ فساد ہوگا ورنہ تباہی آئے گی لیکن انہوں نے ان کی تکذیب کی اور انجام سے دوچار ہوئے۔تکذیب کی وجوہات کیا تھیں اور فساد کیسے ہوتا ہے یعنی کہ اللہ کی مخلوقات میں فساد ان میں چھیڑ چھاڑ سے ہوتا ہے اور چھیڑ چھاڑ اسی طرح سے ہوسکتی ہے جیسے اللہ نے قانون بنا دیا۔تو پھر اگر اللہ کی مخلوقات میں چھیڑ چھاڑ کرنی ہے تو وہ ذرائع حاصل کرنا لازم ہو جاتے ہیں جن سے اللہ کی مخلوقات میں چھیڑ چھاڑ کی جا سکے یعنی ٹیکنالوجی۔اسی سے تمام انبیاء نے ڈرایا۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے کیوں صرف اور صرف اپنی غلامی کا حکم دیا اور کیسے اللہ کے علاوہ یا اللہ کی ہدایات کے خلاف عمل کرنے سے آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان میں فساد ہوتا ہے اس کا جواب قرآن درج ذیل آیات کی صورت میں دیتا ہے۔یہی وہ دعوت تھی جو تمام کے تمام انبیاء ورسولوں نے اپنی قوموں کو دی اور جس سے ڈرایا اور اس ڈرانے کا نتیجہ کیا نکلا یہاں سے اس کی تفصیل کے ساتھ وضاحت شروع ہوتی۔

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ . الانعام ۷۳

اور وہی ہے جس نے خلق کیا آسمانوں اور زمین کو حق کیساتھ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ . ابراهيم ۱۹

کیا نہیں دیکھا کہ اللہ نے خلق کیا آسمانوں اور زمین کو حق کیساتھ

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ . الحجر ۸۵

اور نہیں خلق کیا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کیساتھ

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ . النحل ۳

خلق کیا آسمانوں اورزمین کوحق کیساتھ

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ. العنکبوت ۴۴

خلق کیا اللہ نے آسمانوں اورزمین کوحق کیساتھ

مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ. الروم ۸

نہیں خلق کیا اللہ نے آسمانوں اورزمین کواور جوبھی ان کے درمیان ہے مگرحق کیساتھ

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ . الزمر ۵

خلق کیا آسمانوں اورزمین کوحق کیساتھ

مَا خَلَقۡنٰهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ . الدخان ۳۹

نہیں خلق کیا ہم نے انہیں (آسمانوں اورزمینوں کو) مگرحق کیساتھ

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ .الجاثیہ ۲۲

اورخلق کیا اللہ نے آسمانوں اورزمین کوحق کیساتھ

مَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ . الاحقاف ۳

نہیں خلق کیا ہم نے آسمانوں اورزمین کواور جوبھی ان کے درمیان ہے مگرحق کیساتھ

ان آیات کی تفصیل پیچھے گزر چکی۔ حق کیساتھ خلق کرنے کا مطلب ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو کسی نہ کسی مقصد کے لیے خلق کیا اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے سب کو ان کے مقام پر رکھ کر اس مقصد کو پورا کرنے پر لگا دیا جس کے لیے انہیں خلق کیا گیا۔ جب تک تمام مخلوقات اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اس مقصد کو پورا کرتی رہیں گی تب تک آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب ٹھیک رہے گا۔ لیکن اگر کسی بھی مخلوق نے کوئی کمی کوتاہی کی تو نظام بگڑ جائے گا جس سے خرابیاں اور تباہیاں آئیں گی۔ اللہ سبحان وتعالیٰ کی پوری کائنات کی مثال ایک گاڑی یا اس کے انجن کی طرح ہے جیسے ہر پرزہ اپنا کام کرے گا تو اس سے متعلقہ دوسرا پرزہ کام کر پائے گا اور پورا انجن ٹھیک رہے گا بلکل ایسے ہی اللہ سبحان وتعالیٰ کی پوری کائنات اور اس میں تمام مخلوقات کی مثال ہے۔ تمام کی تمام مخلوقات اللہ سبحان وتعالیٰ کی غلام ہیں سب نے خود کو اللہ کے حوالے کیا ہوا ہے سوائے جنوں اور انسانوں کے۔ جنوں اور انسانوں کو اللہ سبحان وتعالیٰ نے اختیار دیا ہوا ہے اس لیے اگر کوئی خرابی، نقص یا تباہی آئے گی تو انہی کی وجہ سے آئے گی اس کی ذمہ داری انہی دو مخلوقات پر عائد ہوگی۔

یہی تمام کے تمام نبیوں و رسولوں نے کہا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے انہیں حق کیساتھ خلق کیا۔ یہاں ایک بات سمجھنا بہت ضروری ہے وہ یہ کہ قرآن میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے رسول اور نبی کے دو مختلف الفاظ استعمال کیے۔ ان میں غور نہیں کیا جاتا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ کی ان دو مختلف الفاظ کے استعمال میں حکمت کیا ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے اگر یہ دو مختلف الفاظ استعمال کیے ہیں تو ضرور ان میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہے کیونکہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن کو الحکیم بھی کہا ہے اس لیے ایسا ممکن ہی نہیں کہ ان دو مختلف الفاظ کے استعمال میں کوئی حکمت پوشیدہ نہ ہو۔ ان شاء اللہ جب ہم اسے سمجھیں گے تو ہم پر بہت ہی اہم حقائق سے پردہ اٹھے گا۔

نبی اور رسول میں فرق کو جاننے کے لیے ہم ایک مثال کا سہارا لیں گے لیکن اس سے پہلے جو بات ذہن میں ہونی چاہیے وہ یہ کہ ہر نبی رسول ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر رسول نبی بھی ہو۔ رسول نبی ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔ بہر حال اس کی وضاحت ان شاء اللہ آگے آ جائے گی۔

مثال کے طور پر آپ نے ایک گاڑی بنائی اور اسے کسی کے حوالے کر دیا کہ وہ اس کو آپ کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق استعمال کیساتھ ساتھ اس کی مکمل دیکھ بھال کرے۔ اب وہ شخص آپ سے گاڑی لے کر استعمال کرتا ہے لیکن آپ کی دی ہوئی

ان آیات کی تفصیل پیچھے گزر چکی۔ حق کیساتھ خلق کرنے کا مطلب ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو کسی نہ کسی مقصد کے لیے خلق کیا اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے سب کو ان کے مقام پر رکھ کر اس مقصد کو پورا کرنے پر لگا دیا جس کے لیے انہیں خلق کیا گیا۔ جب تک تمام مخلوقات اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اس مقصد کو پورا کرتی رہیں گی تب تک آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب ٹھیک رہے گا۔لیکن اگر کسی بھی مخلوق نے کوئی کمی کوتاہی کی تو نظام بگڑ جائے گا جس سے خرابیاں اور تباہیاں آئیں گی۔ اللہ سبحان وتعالیٰ کی پوری کائنات کی مثال ایک گاڑی یا اس کے انجن کی طرح ہے جیسے ہر پرزہ اپنا کام کرے گا تو اس سے متعلقہ دوسرا پرزہ کام کر پائے گا اور پورا انجن ٹھیک رہے گا بلکل ایسے ہی اللہ سبحان وتعالیٰ کی پوری کائنات اور اس میں تمام مخلوقات کی مثال ہے۔تمام کی تمام مخلوقات اللہ سبحان وتعالیٰ کی غلام ہیں سب نے خود کو اللہ کے حوالے کیا ہوا ہے سوائے جنوں اور انسانوں کے۔جنوں اور انسانوں کو اللہ سبحان وتعالیٰ نے اختیار دیا ہوا ہے اس لیے اگر کوئی خرابی، نقص یا تباہی آئے گی تو انہی کی وجہ سے آئے گی اس کی ذمہ داری انہی دو مخلوقات پر عائد ہوگی۔

یہی تمام کے تمام نبیوں و رسولوں نے کہا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے انہیں حق کیساتھ خلق کیا۔ یہاں ایک بات سمجھنا بہت ضروری ہے وہ یہ کہ قرآن میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے رسول اور نبی کے دو مختلف الفاظ استعمال کیے۔ان میں غور نہیں کیا جاتا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ کی ان دو مختلف الفاظ کے استعمال میں حکمت کیا ہے۔اللہ سبحان وتعالیٰ نے اگر یہ دو مختلف الفاظ استعمال کیے ہیں تو ضرور ان میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہے کیونکہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن کو الحکیم بھی کہا ہے اس لیے ایسا ممکن ہی نہیں کہ ان دو مختلف الفاظ کے استعمال میں کوئی حکمت پوشیدہ نہ ہو۔ان شاء اللہ جب ہم اسے سمجھیں گے تو ہم پر بہت ہی اہم حقائق سے پردہ اٹھے گا۔

نبی اور رسول میں فرق کو جاننے کے لیے ہم ایک مثال کا سہارا لیں گے لیکن اس سے پہلے جو بات ذہن میں ہونی چاہیے وہ یہ کہ ہر نبی رسول ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر رسول نبی بھی ہو۔ رسول نبی ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔ بہرحال اس کی وضاحت ان شاء اللہ آگے آ جائے گی۔

مثال کے طور پر آپ نے ایک گاڑی بنائی اور اسے کسی کے حوالے کر دیا کہ وہ اس کو آپ کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق استعمال کیساتھ ساتھ اس کی مکمل دیکھ بھال کرے۔ اب وہ شخص آپ سے گاڑی لے کر استعمال کرتا ہے لیکن آپ کی دی ہوئی

ہوتا ہے۔
لیکن اگر اس وقت کا تقاضہ یہ ہو کہ پہلی ہدایات نا قابل فائدہ ہو جائیں یا ان میں کوئی تبدیلی، کمی یا کزیادتی کرنا ناگزیر ہو تو وہ نئی ہدایات لیکر آنے والا نبی ہوگا اور وہ رسول بھی ہوگا۔
الحمدللہ ہم نے مثال کے ذریعے نبی اور رسول میں فرق کو سمجھا۔ ہر نبی رسول تو ہوتا ہے اس وقت کے تقاضے کے مطابق لیکن ہر رسول نبی ہو یہ ضروری نہیں۔ کیونکہ نبی بھیجنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اب پچھلی ہدایات کہ مطابق کام نہیں چلے گا اب مزید ہدایات یا پہلی ہدایات میں ردوبدل کی ضرورت ہے۔ ان نئی ہدایات کی مخلوق کو خبر دینے کے لیے جسے بھیجا جائے گا وہ نبی کہلائے گا جس کے لیے اللہ سبحان وتعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ رکھا۔ یعنی کہ اللہ سبحان وتعالیٰ کہ ایک خاص طریقہ ہے جس کے ساتھ وہ منتخب غلام شخصیت کو دین یعنی دنیا میں زندگی گزارنے کے طریقے میں ردوبدل کے لیے ہدایات سے آگاہ کرتا ہے۔ اور رسول کا کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ نبی کے ذریعے بھیجی ہوئی ہدایات ہی کو آگے مخلوق تک پہنچائے۔ یعنی نبی جو خبریں لایا انہیں آگے دوسروں تک پہنچانے والا رسول کہلائے گا۔
البتہ اگر وقت کا تقاضہ ایسا ہو کہ تباہی سر پر آموجود ہو اور اسے ٹالنے کے لیے پچھلے نبی کے ذریعے بھیجی ہوئی ہدایات نا قابل عمل ہو چکی ہوں یعنی اب صرف اور صرف نئی ہدایات کے مطابق ہی خرابیوں کو دور کیا جا سکتا ہے اصلاح کی جا سکتی ہے تو نبی اور رسول دونوں کو بیک وقت بھیجا جائے گا۔ تاکہ وہ نبی ہونے کے ناطے دین میں جو تبدیلی ردوبدل درکار ہے اللہ سبحان وتعالیٰ کی طرف سے حاصل کر کیا س کی خبر دے اور رسول ہونے کے ناطے آخری تنبیہ کے طور پر حجت پوری کر دے کہ اگر انہوں نے اپنی اسی روش کو قائم رکھا تو عنقریب تباہی آنے ہی والی ہے جس میں وہ سب ہلاک ہوں گے اور آخرت میں بھی شدید عذاب سے دوچار کیے جائیں گے۔
بلکل واضع اور مختصر یہ ہے کہ جو اللہ کی طرف سے خبر لے کر آئے وہ نبی کہلائے گا اور جو اس خبر کو آگے کسی بھی دوسرے تک پہنچائے گا جس کو پہنچائے گا وہ اس کے لیے اللہ کا اور اس کے نبی کا رسول کہلائے گا،
اس علم کی روشنی میں بلکل واضع ہو جاتا ہے کہ نبی اور رسول دو الگ الگ سلسلے ہیں۔ نبی ہونے کے لیے نبوت ہوتی ہے لیکن رسول ہونے کے لیے نبوت لازم نہیں ہوتی۔ رسول، نبی کے لائے ہوئے دین کا پابند ہوتا ہے اور نبی ہی کے لائے ہوئے دین کی طرف دعوت کا پابند ہوتا ہے۔ لیکن نبی وہ ہوتا ہے جو دین لے کر آئے۔
اگر کوئی بھی انسان نبی کے لائے ہوئے دین کے علاوہ کسی اور طرف دعوت دے تو وہ عملاً نبی ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ مثلاً آج اگر کوئی انسان محمد رسول اللہ کی لائی ہوئی خبروں ''قرآن''، یعنی دین کو جان کر آگے دوسروں تک پہنچائے گا تو وہ محمد

رسول اللہ ﷺ کا رسول کہلائے گا اس کے ذریعے سے اللہ سبحان وتعالیٰ کسی کو ہدایت دیں گے یا حجت پوری کریں گے لیکن اگر کوئی شخص محمد رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے قرآن کے برعکس کسی اور طرف دعوت دے گا خواہ وہ کسی بھی سطح پر ہو، وہ کھانا کھانے کا طریقہ ہو یا پینے کا، دوستی کا معیار یا دوشمنی کا، دنیا میں نظام کی بات ہو یا لباس پہننے کی حتیٰ کہ کسی بھی سطح پر اگر کوئی اللہ کے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین کو ان کی سنت کے خلاف دعوت دے گا تو وہ نبوت کا اعلان کر رہا ہوگا۔ جو بھی قرآن کے علاوہ یا قرآن کی اللہ کے نبی کی سنت کے خلاف دعوت دے گا تو وہ نبی ہونے کا دعویٰ کرنے والا ہو گا۔ جو بھی دین اسلام کو بدلے گا وہ نبوت کا دعویٰ کرنے والا ہوگا اور جو اس کی دعوت کو آگے پھیلائیں گے وہ اس کذاب نبی کے رسول کہلائیں گے۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لیے ایک سلسلہ شروع کیا۔ سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو وہ دین دیا یعنی وہ طریقہ بتایا جس پر عمل کر کے وہ مقصد حاصل کیا جا سکتا تھا جس مقصد کے حصول کے لیے ارض پر ایک محدود متعین مدت کے لیے بسایا گیا یعنی تزکیہ کرنے کے لیے۔ انسان اس طریقے پر قائم رہے پھر ایک وقت آیا جب انسانوں نے اس طریقے میں ملاوٹ کرنا شروع کی یعنی خالق و مالک کے علاوہ اوروں کی بھی غلامی کرنا شروع کر دی جس سے زمین میں فساد ہوا، زمین میں خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ جب ایسا ہوا تب اس سے آگے سابقہ طریقے یعنی دین پر عمل کر کے وہ مقصد حاصل کرنا ناممکن تھا جس کے لیے اللہ سبحان وتعالیٰ نے ایک یا ایک سے زائد انسانوں کا انتخاب کر کے انہیں اس دین یعنی طریقے میں جو ردوبدل درکار تھی اس سے آگاہ کر کے مبعوث کیا کہ آئندہ پہلے والے طریقے کی بجائے صرف اس نئے طریقے پر ہی عمل کر کے وہ مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے۔ وہ شخصیت نبی کہلائے۔ نبی نباء سے ہے جس کے معنی خبر کے ہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ کا ایک خاص طریقہ ہے جس کے ذریعے اللہ سبحان وتعالیٰ وقت کے تقاضے کے مطابق ایک یا ایک سے زائد غلاموں کا انتخاب کر کے ان کے ذریعے انسانوں کو دین یعنی دنیا جس مقصد کے لیے بھیجا گیا اس مقصد کے حصول کے لیے طریقے کی خبر دیتے۔

پھر جب تک دنیا میں مزید فساد نہ کیا جاتا یعنی دنیا کے ایسے حالات نہ کر دیئے جاتے کہ پہلا طریقہ ناقابل فائدہ ہو جائے تب تک کوئی نیا نبی نہ بھیجا جاتا۔ یہ سلسلہ بتدریج اس وقت تک چلتا رہتا جب تک کہ دنیا میں انسان خالق کی ہدایات کو یکسر نظر انداز کر کے دنیا کو ایک بڑی تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کرتے یعنی اللہ سبحان وتعالیٰ کی ہدایات کے خلاف عمل کرتے ہوئے زمین میں فساد کبیر برپا کر دیتے جس سے زمین میں اتنی خرابیاں ہو جاتیں کہ ایک بڑی تباہی سر پر آ جاتی تب اللہ سبحان وتعالیٰ حجت پوری کرنے کے لیے آخری تنبیہ کے طور پر وقت کے تقاضے کے مدنظر اگر تو پچھلے نبی کے ذریعے بھیجے گئے دین یعنی طریقے پر عمل کرنے سے اس تباہی سے بچا جا سکتا تو کسی بشر کو بھیجتے جو اتمام حجت کے لیے آخری تنبیہ کے طور پر نبی کی ہدایات

کی طرف دعوت دیتا کہ اللہ کی طرف رجوع کر کے عنقریب آنے والی ہلاکت سے بچ سکتے ہو۔ یا پھر اگر نئی ہدایات کی ضرورت ہوتی تو ایک نبی مبعوث کرتے یعنی نبی ہونے کے ناطے اسے اس طریقے کیساتھ مبعوث کرتے اور ساتھ ہی اسے اس وقت کے انسانوں کے لیے آخری تنبیہ کے طور پر حجت پوری کرنے کے لیے رسول ہونے کے ناطے بھیجتے۔

یہی سلسلہ چلتا رہا بہت سے رسولوں کی تکذیب کی گئی یعنی ان کی دعوت پر ایمان لانے کی بجائے اپنی روش پر قائم رہے اور اپنے ہاتھوں سے کیے فساد کے نتیجے میں ایک بڑی ہلاکت کا شکار ہوتے رہے اور بعض رسولوں پر ایمان لایا گیا اور قومیں تباہی سے بچ گئیں۔ یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ زمین میں فساد اور اصلاح کے کئی مراحل کے بعد زمین اس حد پر پہنچ گئی کہ اب اگر زمین میں فساد کیا جائے گا تو اس کے بعد وہ اصلاح کے قابل نہیں رہے گی یعنی مکمل تباہ ہو جائے گی یعنی اب ایک آخری طریقے کی ہی گنجائش رہ گئی ہے اب دنیا کہ جو حالات ہو چکے ہیں صرف ایک ہی طریقہ کا گر ہے اور اگر اس کے خلاف اعمال کیے گئے تو زمین آخری تباہی کا شکار ہو جائے گی اس لیے اللہ سبحان وتعالیٰ نے ایک آخری نبی محمد ﷺ کو مبعوث کیا نبی ہونے کے ناطے ان کے ذریعے انسانوں کو وہ طریقہ دیا جس پر عمل کر کے وہ اس مقصد کو حاصل کر سکتے ہیں جس کے لیے ارض پر بھیجا گیا، جس کے ذریعے زمین پر اصلاح کی جا سکتی ہے اور ہو سکتی ہے۔ اور رسول ہونے کے ناطے انسانوں کو آخری تنبیہ بھی کر دی کہ اگر تم نے بھی سابقہ تکذیب کرنے والی قوموں کی روش اپنائی تو تمہارا انجام بھی یہی ہوگا۔

محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو چکا کیوں کہ زمین میں اب آخری موقع رہ گیا ہے فساد کا، آخری طریقہ ہے اس کے بعد زمین ہی تباہ ہو جائے گی تو کسی نئے طریقے کی ضرورت کا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے اس لے اللہ سبحان وتعالیٰ نے نبوت کا دروازہ بند کر دیا یعنی نئے طریقے یا پہلے طریقے میں ردوبدل کی اس کے بعد ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔

اگر فساد کیا گیا تو زمین ناقابل استعمال ہو جائے گی یعنی اب مکمل تباہ ہو جائے گی اس لیے پھر کسی نئے طریقے کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہتی جس وجہ سے نبوت کا دروازہ بند ہو گیا۔ اب جو بھی بھیجے جائیں گے وہ رسول تو ہو سکتے ہیں یعنی وہ وہی دعوت آگے پہنچائیں گے جس کی خبر اللہ سبحان وتعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے دی لیکن نبی نہیں یعنی اس کے علاوہ کسی اور طریقے کی طرف دعوت نہیں دے سکتے یا اس میں کوئی ردوبدل نہیں کر سکتے۔

جو محمد رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین کو آگے پہنچائیں گے بلکل اسی طرح جیسے محمد رسول اللہ ﷺ نے عملی طور پر کر کے دیکھا دیا تو وہ اللہ کے نبی محمد ﷺ کے رسول ہوں گے۔ وہ اسی طریقے یعنی دین کی طرف دعوت دینے کے پابند ہوں گے جو دین محمد رسول اللہ ﷺ لیکر آئے۔ اگر تو کوئی اسی دین کی طرف دعوت دے گا جیسا کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے دی تو حق ادا ہوگا اور اگر کسی نے ایسے دین کی طرف دعوت دی جو محمد ﷺ کا لایا ہوا نہیں تو گویا کہ اس نے نبی ہونے کا دعویٰ واعلان کیا۔

دین کہتے ہیں دنیا میں زندگی گزارنے کے طریقے کو۔ کہ جس طریقے سے زندگی گزارنے سے وہ مقصد پورا ہوگا جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے ارض پر بھیجے گئے۔ اسی طرح جمہوریت ہو یا کیپٹل ازم، سوشل ازم ہو لبرل ازم یا دین میں ردوبدل جیسا کہ آج تمام کے تمام فرقے کر رہے ہیں اور اپنے اپنے فرقے کی طرف دعوت دے رہے ہیں یہ سب کے سب محمد نبی اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین کے مقابلے پر ادیان ہیں جس کسی نے ان کی طرف دعوت دی تو اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی اور ان ادیان پر ایمان لایا اور انہیں ادیان کی دعوت دینے سے ان ادیان کے بانیوں کا رسول کہلائے گا جو کہ ابلیس کے نبی تھے یوں ایسا انسان رسول ابلیس کہلائے گا۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ۔ الانبیاء ۲۵

اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے قبل رسولوں میں سے مگر ہم نے وحی کیا اس کی طرف کہ بیشک نہیں کوئی بھی ایسی ذات جس کی غلامی کی جائے جس کی بات مانی جائے مگر میں پس میری ہی غلامی کرو۔

اب رسول کے فرق کو ضرور ذہن میں رکھنا ہوگا۔ کہ جہاں اللہ سبحان وتعالیٰ نے رسول بھیجنے کا ذکر کیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ فساد انتہا کو پہنچ چکا اب اتمام حجت کے لیے آخری تنبیہ کی جا رہی ہے اگر رسول کی تکذیب کر دی یعنی جو دعوت رسول لیکر آیا اگر اس پر ایمان نہ لائے تو انجام وہی ہوگا جو اس سے قبل رسولوں کی تکذیب کر چکے۔

رسول صرف اس مقوع پر بھیجا جاتا ہے جب یا تو انسان ہدایت پا کر دنیا و آخرت یں فلاح پا جاتا ہے یا پھر اس پر اتمام حجت ہو کر دنیا و آخرت میں اس پر اللہ کا عذاب حلال ہو جاتا ہے۔ خواہ ایسا انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی سطح پر۔

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ بِالۡحَقِّ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا۔ البقرۃ ۱۱۹

اس میں کچھ شک نہیں بھیجا تم کو ہم نے حق کیساتھ بشارت دینے کے لیے اور ڈرانے کے لیے۔

یہاں تم سے مراد محمد ﷺ قرآن کے نزول کے اعتبار سے تھے اس کے علاوہ یہاں ہر وہ مومن مراد ہے جس کے ذریعے اللہ سبحان وتعالیٰ باقی انسانوں تک یہ پیغام پہنچا رہے ہیں۔ اگر مجھ تک اللہ کا پیغام کسی کے ذریعے آتا ہے تو یہاں میرے نزدیک وہ شخصیت ہوگی۔

قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۔ الحج ۴۹

کہو اے انسانوں اس میں کچھ شک نہیں میں تم کو ڈرانے والا ہوں کھلم کھلا

کتاب میں پیچھے تفاصیل کیساتھ گزر چکا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے تمام کی تمام مخلوقات کو کسی نہ کسی مقصد کے لیے خلق کیا ہے اور جس جس مقصد کے لیے خلق کیا اسے پورا کرنے کے لیے ہر ایک کو اس کے مقام پر رکھ دیا اس کی لائن پر لگا دیا۔ جس سے اللہ سبحان وتعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے میں ہر سطح پر میزان قائم کر دیا۔ جب تک تمام مخلوقات اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کریں گی تب تک وہ میزان یعنی توازن قائم رہے گا اور کسی قسم کی کوئی خرابی نہیں ہوگی لیکن جیسے ہی کسی مخلوق نے اپنی ذمہ داری ترک کی تو فساد ہوگا اور اس سے میزان میں خسارہ ہوگا جس کا نتیجہ تباہی کی صورت میں نکلے گا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ کا قائم کیا ہوا میزان صرف اور صرف اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے کہ صرف اور صرف اللہ کی غلامی کی جائے ورنہ فساد ہوگا اور تباہی آئے گی۔ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے سب کا سب اللہ کی آیات ہیں۔ اللہ کی آیات کا کفر نہیں کرنا۔ جیسا کہ آج کیا جا رہا ہے اور دنیا آخری اور بڑی تباہی کے دہانے پر آ چکی ہے۔ اس لیے میں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں اگر تم نے خالق و مالک اللہ سبحان وتعالیٰ کی طرف رجوع نہ کیا تو عنقریب ایک بڑی ہلاکت کا شکار ہونے والے ہو۔ جس کی تفاصیل بھی کتاب میں جگہ جگہ موجود ہیں۔

میزان میں خسارہ کیسے ہوتا ہے، فساد کیسے ہوتا ہے اللہ کی آیات کی تکذیب کیسے ہوتی ہے اس کی تفصیل پیچھے بھی گزر چکی اور ان شاء اللہ آگے بھی گزشتہ کے علاوہ اس کی تفصیل آ جائے گی۔

یہ ڈرایا تھا رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کو یعنی ہمیں۔ اور اللہ سبحان وتعالیٰ نے کہہ دیا کہ تمہاری طرف بھی اسی طرح وحی کی گئی جیسے تم سے قبل رسولوں کی طرف کی گئی۔

اِنْ يُّكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ج جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ. فاطر ۲۵

اور اگر تکذیب کریں گے تیری پس تحقیق تکذیب کر چکے وہ جو ان سے قبل تھے، آئے ان کے پاس ان کے رسول بینات کیساتھ اور زبر کیساتھ اور ہر لحاظ سے روشن کر دینے والی کتاب کیساتھ

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ. ص ۱۲

تکذیب کر چکے ان سے قبل قوم نوح اور عاد اور فرعون اوتاد والا۔

وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ ط اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ . ص ۱۳

اور ثمود اور قوم لوط اور اصحاب الایکہ، یہی تھے گروہوں والے

یہ تھے جو ہم سے پہلے اپنے رسولوں کی تکذیب کر چکے۔ ان کی طرف بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے ایسے رسول بھیجے جنہوں نے سب کچھ کھول کھول کر بیان کر دیا۔ کہیں بھی کوئی رائی برابر شک نہیں چھوڑا۔ ان کے اعمال کے سبب کائنات میں جو فساد ہو چکا تھا اور جو تباہی ان پر آنے والی تھی اس کو ہر لحاظ سے کھول کر بیان کر دیا اور انہوں نے رسولوں کی باتوں پر بلکل بھی توجہ نہ دی۔ انہیں جھٹلا دیا اپنی انہی روشوں پر قائم رہے تو ان کا انجام کیا ہوا وہ بھی آج ہم پر اللہ سبحان وتعالیٰ نے واضع کر دیا۔ اب ان شاء اللہ جب ہم ان قوموں کے بارے میں غور و فکر کر کے جانیں گے تو ہم پر کھل کر واضع ہو جائے گا کہ ان کے انبیاء نے انہیں کس شئے سے ڈرایا تھا اور وہ ڈرنے کی بجائے اپنی روش پر قائم رہے یہاں تک کہ رسول بھیج کر اتمام حجت اور عذاب کی نوبت آ گئی۔ پھر جو شئے سامنے آئے گی جس سے ان قوموں کو ان کے انبیاء نے ڈرایا وہی دجّال تھا اور ہے۔ دجّال ہی سب کی سب قوموں کی تباہی کا سبب بنا اور آج بھی دجّال کی وجہ سے ہی انسان ایک بڑی تباہ کن تباہی کے دہانے پر پہنچ چکا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖۤ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ. هود ۲۵

اور تحقیق کہ بھیجا ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف، اس میں کچھ شک نہیں میں تمہارے لیے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ. هود ۲۶

کہ نہ غلامی کرو مگر اللہ کی، اس میں کچھ شک نہیں مجھے خوف ہے تم پر عذاب یوم الیم کا۔

عذاب. کہتے ہیں ایسے اعمال کا انجام جن سے منع کیا گیا۔ یعنی برے اعمال کی سزا۔

یومٍ. یوم کہتے ہیں پِریڈ، مدت یا متعین وقت کو۔ میم کے نیچے دو زیروں کے آنے سے پھیلاؤ آ جاتا ہے۔ یعنی ایک لمبے پِریڈ، مدت پر محیط وقت۔

الیم. کہتے ہیں غرق کرنے، انتہائی تباہی و بربادی سے دوچار کرنے کے۔ جیسے پتھروں کی بارش، گندھک یعنی بارود کی بارش، جلانے اور اس جیسے سخت تکلیف سے دوچار کرنے والے عوامل کو، اس کے علاوہ پریشانی، بے چینی، بے سکونی، بے اطمینانی، طرح طرح کی تکالیفات و بیماریوں وغیرہ میں ہر وقت مبتلا رہنے کو بھی الیم کہتے ہیں۔

قرآن نے نوح علیہ السلام کے حوالے سے بھی بلکل وہی الفاظ استعمال کیے جو محمد رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے استعمال کیے۔ دونوں انبیاء و رسل کے حوالے سے بیان بلکل ایک جیسا ہے۔ جیسے کہ کوئی ایک ہی واقعہ بیان کیا جا رہا ہے۔ اگر اس میں غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ ہمیں نوح علیہ السلام کی قوم کے انجام کی صورت میں ہمارا مستقبل ہمیں دیکھا رہے ہیں۔ کہ جو قوم نوح کیساتھ ہوا عنقریب وہ تمہارے ساتھ ہونے والا ہے۔ یا یہ سمجھ لیں کہ تاریخ میں ایک ہی واقعہ دوبارہ دیکھایا جا رہا ہے ایک قوم نوح کی صورت میں اور دوسرا بلکل وہی قوم محمد ﷺ کی صورت میں۔

پھر یہ کہ نوح علیہ السلام نے کس سے ڈرایا تو جب قرآن میں غور و فکر کریں تو پتا چلتا ہے کہ بلکل ایسے ہی جیسے محمد رسول اللہ ﷺ نے ڈرایا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے سب کچھ حق کیساتھ خلق کیا ہے اللہ کے علاوہ اوروں کو الٰہ نہ بناؤ اور زمین میں فساد نہ کرو ورنہ ایک بڑی تباہی کی صورت میں اپنے ہی کرتوتوں کی وجہ سے عذاب کا شکار ہو گے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ. القمر ۹

جھٹلایا ان سے قبل قوم نوح نے، پس جھٹلایا گیا ہمارے غلام کو اور کہا انہوں نے اسے دیوانہ پاگل اور انتہائی برا سلوک کیا

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّی مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ. القمر ۱۰

پس پکارا اس نے اپنے ربّ کو کہ میں مغلوب ہو گیا ہوں پس میری مدد کر

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ. القمر ۱۱

پس کھول دیئے ہم نے آسمان کے دروازے پانی کیساتھ انتہائی تیز بارش

وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓی اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ . القمر ۱۲

اور پھاڑ کر زمین سے چشمہ نکال دیا پس چڑھا پانی امر پر تحقیق جو قدر میں تھا

اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ . القمر ۴۹

اس میں کچھ شک نہیں ہر شیئے کو خلق کیا ہم نے قدر کیساتھ یعنی بہت باریکی سے علم وحکمت کیساتھ خلق کیا ہر مخلوق کو دوسری کے ساتھ مشروط کر دیا۔

فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنَٰهُ وَمَن مَّعَهُۥ فِى ٱلْفُلْكِ وَجَعَلْنَٰهُمْ خَلَٰٓئِفَ وَأَغْرَقْنَا ٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا ۖ فَٱنظُرْ كَيْفَ كَانَ عَٰقِبَةُ ٱلْمُنذَرِينَ . یونس ۷۳

پس جھٹلایا گیا اسے پس نجات دی ہم نے اسے اور جو اس کیساتھ تھے فلک میں اور کر دیا ہم نے انہیں خلیفہ یعنی جنہیں بچایا ان کو زمین پر اختیار دے دیا ان کے بعد، اور غرق کیا ہم نے انہیں جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی، پس دیکھو کیسا تھا انجام ان کا جنہیں ڈرایا گیا۔

قرآن میں نوح علیہ السلام کی قوم کا واقعہ بہت سے جگہوں پر ہر لحاظ سے پھیر پھیر کر بیان کیا گیا۔ تمام مقامات پر سے واقعہ کو یہاں درج کرنا موضع کو بہت زیادہ طوالت دے دے گا اس لیے ہماری کوشش صرف یہی ہوگی کہ اصل جو شئے سمجھنے والی ہے اسے سمجھا جائے۔ سورت نوح اور اس کے علاوہ باقی مقامات پر نوح علیہ السلام نے جو دعوت دی اس سے نوح علیہ السلام کی تکالیف و آزمائشوں کا ادراک کرنا آج ہمارے بس سے باہر ہے لیکن آخر وہ کون سی وجوہات تھیں جن کی بنا پر اللہ سبحان وتعالیٰ نے پوری روئے زمین پر چند ایمان والوں اور تمام جانداروں کے جوڑے جوڑے کے علاوہ سب کچھ غرق کر دیا؟ اگر وہ بت پرست تھے تو پھر باقی ان تمام مخلوقات کا کیا قصور تھا جن کو اللہ سبحان وتعالیٰ نے غرق کر دیا حالانکہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن میں بہت سے مقامات پر کھول کھول کر بیان کیا ہے کہ تمام کی تمام مخلوقات مسلم ہیں سب اللہ سبحان وتعالیٰ کے لیے سجدے میں ہیں یعنی صرف اور صرف وہی کرتی ہیں جس کا حکم انہیں اللہ سبحان وتعالیٰ نے دیا۔ اس کے علاوہ وہ اپنی مرضی نہیں کرتیں۔ تو جب تمام کی تمام مخلوقات سوائے جنوں اور انسانوں کے اللہ کی غلام ہیں تو پھر وہ کون سی وجوہات تھیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے پوری روئے زمین پر تمام جانداروں اور درختوں وغیرہ کو بھی ہلاک کر دیا؟

اگر قوم نوح بت پرست تھی تو ان کو ہلاک کرنے کے اور بھی تو بہت سے طریقے ہو سکتے تھے جن سے باقی مخلوقات بچ سکتی تھیں؟

ایسے ہی لاتعداد سوالات پیدا ہوتے ہیں؟

لیکن اگر قرآن میں غور وفکر کیا جائے اللہ کی آیات میں غور وفکر کیا جائے تو کوئی بھی سوال ایسا نہیں کہ جس کا جواب قرآن نہ دے۔ اللہ سبحان ہے۔ وہ پاک ہے اس سے کہ وہ اپنے کسی خالص غلام کو ہلاک کرے۔ قرآن میں جب غور وفکر کریں تو بلکل واضع ہو جاتا ہے کہ قوم نوح کسی بھی لحاظ سے بت پرست نہیں تھی بلکہ وہ انتہائی غیر معمولی ٹیکنالوجی کی حامل قوم تھی۔ انہوں نے زمین پر اللہ کی کوئی خلق ایسی نہیں چھوڑی تھی جس میں فساد نہ کردیا ہو۔ زمین پر فطرت کو تبدیل کر دیا گیا۔

آسمان سے شدید بارش کے ذریعے پانی کی نہروں کا جاری ہونا اور زمین سے چشموں کا جاری ہونا کس وجہ سے تھا اس کا جواب اللہ سبحان وتعالیٰ نے اس آیت میں دے دیا۔

اِنَّا كُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰهُ بِقَدَرٍ ۔ القمر ۴۹

اس میں کچھ شک نہیں ہر شئے کو خلق کیا ہم نے قدر کیساتھ یعنی بہت باریکی سے علم وحکمت کیساتھ خلق کیا۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہر شئے کو قدر کیساتھ خلق کیا ہے۔ جیسے ایک گاڑی کا انجن ہوتا ہے اگر اس میں چھیڑ چھاڑ کی جائے گی تو وہ خراب ہو جائے گا، جیسے انسان اپنی ذات کو ہی لے لے۔ انتہائی پیچیدہ تخلیق ہے۔ تمام کے تمام اعضاء کو بہت باریک بینی اور علم وحکمت سے خلق کیا گیا۔ خلق کر کے انہیں ان کے مقام پر لگا دیا گیا اگر ان کے مقام میں تبدیلی کی جائے گی یعنی اگر جسم سے خون نکال لیا جائے تو کیا ہوگا؟ دل نکال لیا جائے تو کیا ہوگا؟ اس طرح جسم میں کوئی بھی ایسی تبدیلی کی جائے جو اس نقشے میں نہ ہو جس نقشے کے مطابق انسان کو اللہ سبحان وتعالیٰ نے خلق کیا تو جسم کا نظام بگڑ جائے گا اور خرابیوں یعنی بیماریوں کا شکار ہو کر بڑی تباہی یعنی موت کا شکار ہو جائے گا۔ بلکل اسی طرح اللہ سبحان وتعالیٰ نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسی طرح خلق کیا ہے، تب تک یہ سب ٹھیک رہے گا جب تک کہ ہر شئے فطرت پر رہے اگر کسی شئے کو فطرت سے ہٹا دیا جائے گا یعنی اللہ سبحان وتعالیٰ کی مخلوقات میں تبدیلیاں کی جائیں گی تو نظام بگڑ جائے گا پھر تباہیاں ہی آئیں گی۔

قوم نوح نے ٹیکنالوجی کے ذریعے بادلوں کے نظام میں فساد کر دیا، زمین میں فساد کر دیا، زمین سے وہ کچھ نکال لیا جس سے اللہ سبحان وتعالیٰ زمین کو مزین کرتے ہیں جسے آج ہم خام تیل کا نام دے کر نکال رہے ہیں تو زمین میں بھی فساد ہو گیا۔ حتیٰ کہ بیجوں، فصلوں اور ان سے وجود میں آنے والے تمام جانداروں اور انسانوں میں فساد کر دیا گیا۔ ٹیکنالوجی کے ذریعے اللہ

سبحان وتعالیٰ کی ہر مخلوق میں چھیڑ چھاڑ کر کے اس کا نظام بگاڑ دیا۔ جس کے نتیجے میں وہ تباہی آئی۔
اللہ سبحان وتعالیٰ کا قانون یہ نہیں کہ وہ کسی ایسی شئے کو تباہ کرے جس میں کوئی نقص نہ ہو۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں جو نظام بنا دیا اگر اس میں کوئی چھیڑ چھاڑ کی جائے گی تو اسی کے مطابق ردعمل بھی ظاہر ہوگا۔ انسان جتنا جی چاہے دعوے کرے کہ وہ علم واسباب میں بہت ترقی کر چکا ہے اس کے باوجود اگر وہ کوئی بھی عمل کرتا ہے تو ردعمل اس کے اختیار میں نہیں ہوتا ردعمل وہی ظاہر ہوتا ہے جو اللہ سبحان وتعالیٰ نے قدر میں کر دیا۔
یہ وہ وجوہات تھیں جن کی وجہ سے زمین پر سب کو غرق کر دیا گیا۔ ان شاء اللہ میں اللہ سبحان وتعالیٰ کے فضل سے کوشش کروں گا کہ پچھلی اقوام پر قرآن کی روشنی میں تمام تفاصیل کیساتھ کتاب مرتب کروں۔ ان شاء اللہ اس میں ہر شئے کا ہر لحاظ سے احاطہ کیا جائے گا۔

قوم نوح کے بارے میں چونکا دینے والی حقیقت کو اللہ سبحان وتعالیٰ نے اس آیت میں بیان کر دیا۔

اَلَمۡ يَرَوۡا كَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ مَّكَّنّٰهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مَا لَمۡ نُمَكِّنۡ لَّـكُمۡ وَاَرۡسَلۡنَا السَّمَآءَ عَلَيۡهِمۡ مِّدۡرَارًا ۖ وَّجَعَلۡنَا الۡاَنۡهٰرَ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهِمۡ فَاَهۡلَـكۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ وَاَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِيۡنَ ۔الانعام ٦

کیا نہیں دیکھتے کیسے ہلاک کیا ہم نے ان سے قبل زمانوں سے اختیار، حکومت، مضبوطی، قوت دی تھی انہیں زمین میں جو بلکل نہیں دیا گیا اختیار، حکومت، مضبوطی وغیرہ تم کو اور بھیجا ہم نے ان پر بلندی سے لگا تار مینہ، اور کر دیا ہم نے نہروں کو جاری ان کے تختوں سے پس ہلاک کیا ہم نے انہیں ان کے ذنوب کے سبب۔ اور ہم نے اپنے قانون سے ان کے بعد زمانے کو دوسرے کر دیا۔

قوم نوح سمیت جتنی بھی قومیں پہلے گزری ہیں جو مکن یعنی زمین پر اختیار انہیں دیا گیا تھا جو اسباب ووسائل ان کے پاس تھے وہ آج ہمارے پاس بھی نہیں ہیں حالانکہ آج ہم بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں کہ آج انسان چاند اور مریخ پر پہنچ چکا

ہے۔جدید ترین ٹیکنالوجی حاصل ہوگئی ہے اب ہمیں کوئی زوال نہیں۔بہر حال آج جو کچھ بھی انسان کے پاس ہے اللہ سبحان وتعالیٰ کہہ رہے ہیں کہ قوم نوح یا ان کے علاوہ جتنی قومیں پہلے گزر چکی ہیں ان کے پاس تم سے کئی گناہ بڑھ کر تھا۔اس کے باوجود ان کا انجام کیا ہوا۔

جو ٹیکنالوجی انہیں حاصل تھی اسی ٹیکنالوجی سے انہوں نے اللہ سبحان وتعالیٰ کے ساتھ اس کے کاموں میں شرک کیا یعنی اللہ سبحان وتعالیٰ کے امور میں مداخلت کی۔اللہ سبحان وتعالیٰ خالق ہیں وہ بھی خالق بن بیٹھے۔اللہ سبحان وتعالیٰ کے خلق کرنے کے نظام میں ہی فساد کر دیا، زمین کے پیدا کرنے کے نظام میں ہی فساد کر دیا، بادلوں کے نظام میں اسی طرح اللہ کی زمین پر تمام مخلوقات میں اس ٹیکنالوجی کیساتھ فساد کر کے انہیں بھی تباہی سے دوچار کیا اور خود بھی ہلاک ہوئے۔

قَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ لا فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ . آل عمران ۱۳۷

تحقیق کر لو گزر چکے تم سے پہلے ایسے ہی کرنے والے جو تم کر رہے ہو، پس سیر کرو زمین میں پس دیکھو کیسا تھا انجام تکذیب کرنے والوں کا۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ط كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ. النحل ۳۳

کیا دیکھنا چاہ رہے ہیں مگر یہ کہ ان کے کرتوتوں کے سبب آئیں ملائکہ یا آجائے امر ان کے رب کا، بلکل اسی طرح کرتوت کیے انہوں نے جو ان سے پہلے تھے، اور نہیں ظلم کرتا انہیں اللہ اور لیکن تھے خود ہی ظلم کرنے والے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءْيًا . مریم ۷۴

اور کیسے ہلاک کیا ہم نے ان سے پہلوں کو زمانوں سے، ان کے سب سے بہتر تھے اثاثا اور رءیا۔

اَثَاثًا . اردو میں اثاثے کہتے ہیں، یعنی وہ سب جو انسان زندگی بھر تگ و دو کر کے حاصل کرتا اور بناتا ہے۔ جیسے آج انسان نے جو کچھ بنالیا۔ جسے ہم ٹیکنالوجی کا نام دیتے ہیں۔

یہاں ٹیکنالوجی اشیاء کی تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

رِءْ يًا . جو عام انسانی آنکھ سے نہ دیکھا جا سکے یعنی آلات کی مدد سے اللہ سبحان وتعالیٰ کے غیب کی اشیاء اور کائنات کی وسعتوں کو براہ راست دیکھنے کی صلاحیت۔ دیکھنے والے جدید ترین آلات۔

جیسے آج انسان کے پاس ایسی ٹیکنالوجی ہے کہ وہ بڑے بڑے دعوے کرتا ہے کہ وہ سمندروں کی گہرائیوں، زمین کے اندر، انسانی خلیے کے اندر کی دنیا، اور خلا میں دور دور تک دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ایسے تمام آلات کی تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سیٹلائیٹ، کیمرے، تھرمل کیمرے، مائیکروسکوپ، سمندروں اور زمین میں دیکھنے والے آلات، ریڈیو ایکٹیو ڈیٹیکٹرز وغیرہ کی تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

آج ہمارے پاس یہ سب ہے جس کی مدد سے ہم وہ کچھ دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جو عام انسانی آنکھ سے دیکھنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن قرآن کہہ رہا ہے کہ ہم سے پہلی قوموں کے پاس ہم سے بھی بہتر آلات تھے لیکن ان کا انجام کیا ہوا۔

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى . طٰہٰ ۱۲۸

کیا پس نہیں راہنمائی ان کے لیے کیسے ہلاک کردیا ہم نے ان سے پہلوں کو زمانون سے، چلتے پھرتے ہیں ان کی رہائشوں میں، اس میں کچھ شک نہیں ان میں آیات ہیں اولی النھی کے لیے۔

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۔ الروم ۹

کیا نہیں سیر کی زمین میں پس دیکھیں کیسا تھا انجام ان کا جو ان سے پہلے تھے، تھے وہ بہت شدید ان سے کہیں بڑھ کر طاقت میں، زمین کے نوادرات میں یعنی جو زمین کے اند اللہ سبحان وتعالیٰ نے چھپا کر زمین کے خزانے رکھے ہیں ان میں، اور انہوں نے زمین پر ایسی تعمیرات کیں جو ایسی تھیں جیسے نا ختم ہونے والی مضبوط اور لمبے عرصے تک قائم رہنے والی جتنی زیادہ سے زیادہ وہ کر سکتے تھے دوسروں کے مقابلے میں، اور آئے ان کے پاس ان کے رسول بینات کیساتھ، پس نہیں تھا اللہ ظلم کرنے والا ان کے لیے اور لیکن تھے خود ہی ظلم کرنے والے۔

اَثَارُوا الْاَرْضَ ۔ زمین کے نوادرات یعنی ایسی قیمتی اشیاء جو اگر سامنے ہوں تو ہر کسی کے دل میں لالچ پیدا ہو اور انہیں چرانے کی کوشش کرے۔ اس طرح کی وہ تمام اشیاء جن کو زمین کے اندر یا باہر کہیں بھی انسان سے چھپا کر رکھ دیا اللہ سبحان وتعالیٰ نے۔

اس کے علاوہ زمین پر پچھلی قوموں کے نشانات یعنی جو آثار ان قوموں کے آج زمین پر نظر آتے ہیں۔

عَمَرُوْهَا ۔ زمین کو آباد کرنا خواہ عمارتیں تعمیر کر کے، شہر بسا کر، زیادہ سے زیادہ مختلف اقسام کی فصلیں اگا کر، کسی بھی

لحاظ سے زمین کو آباد کرنا۔

قُوَّةً. زور و طاقت، جیسے آج انسان کے پاس ایسی مشینری ہے یعنی ٹیکنالوجی ہے جس سے وہ قوت والے کام لیتا ہے۔

وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ قف فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ . سبا ۴۵

اور کذب کیا انہوں نے جو ان سے پہلے تھے اور نہیں پہنچے یہ ان کے دسویں حصے کو بھی جو کچھ انہیں دیا تھا ہم نے پس تکذیب کی انہوں نے میرے رسولوں کی پس کیسا تھا تکذیب کرنے کا نتیجہ؟

آج ہم بہت بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں، آج جو بھی ٹیکنالوجی و وسائل سمیت جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے یعنی آج جو کچھ انسان حاصل کر چکا ہے یہ ان قوموں کو حاصل ہونے والے کا دس فیصد بھی نہیں جو قومیں ہم سے پہلے گزر چکیں۔ یعنی وہ آج کے انسان سے نوے فیصد سے بھی زیادہ ٹیکنالوجی کے حامل تھے۔ یہی وجہ ہے جس وجہ سے قرآن نے بار بار یہ کہا ہے کہ وہ تم سے قوت میں بہت زیادہ سخت اور بڑھ کر تھیں۔ اس کے باوجود ان کا انجام کیا ہوا؟
جب اتنا قوت و وسائل میں زیادہ ہونے کے باوجود انہیں جائے پناہ کی کوئی جگہ نہیں ملی تو آج کے انسان کا کیا انجام ہونے والا ہے جو بڑے بڑے دعوں کے باوجود پہلی تباہ شدہ قوموں کے دس فیصد کو بھی نہیں پہنچا، یہ سب کچھ کیا اس اس عذاب سے بچا سکے گا جو بلکل سر پر آ کھڑا ہے اور انسان بلکل غافل ہے۔ اور دوسری بات جن کو کمزور سمجھا جاتا تھا یعنی مومنوں کو ان کی عاقبت کا بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے واضع کر دیا۔ اصل کامیابی دنیا و آخرت میں انہیں ملی اور اب بھی انہی کو ملے گی۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ . ص ۳

کیسے ہلاک کیا ہم نے ان سے پہلوں کو زمانون سے، پس اعلانات کرنے لگے مواصلاتی نظام کے ذریعے اس وقت بچنے کے لیے متبادل کے لیے۔

ویسے تو پچھلی آیات میں بھی لیکن بلخصوص اس آیت میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے بہت ہی عجیب وغریب الفاظ کا استعمال کیا۔ آج کے دور سے پہلے ان الفاظ کے وہ مطالب جو حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں کو جاننا تقریباً ناممکن تھا انہیں سمجھنا آج اس لیے ممکن ہوا کیوں کہ آج تقریباً وہ کچھ موجود ہے جو گزری ہوئی ہلاک کی گئی قومون کے پاس تھا۔

فَنَادَوْا. پس اعلانات کرنے لگے۔

وَّلَاتَ. مواصلاتی نظام، ٹیلی کمیونکیشن سسٹم

حِيْنَ. وقت

مَنَاص. متبادل، بچنے کے لیے، پرواز، بھاگنے کے لیے یا بھاگے، فرار ہوئے، دور ہوئے، انتخاب، نجات کا رستہ، پناہ، پیچھے ہٹے وغیرہ۔

ہلاکت زمین پر تھی تو ممکن ہے جن کے پاس اختیار تھا وہ زمین کے متبادل کی طرف بھاگے یعنی کہ کسی اور سیارے کی طرف، خلاء کی طرف پرواز کی۔ آج انسان جس ٹیکنالوجی سے چاند اور مریخ پر پہنچ چکا ہے تو جو آج کے انسانوں سے نوے فیصد ہر طرح سے بڑھ کر تھے تو کیا وہ زمین سے باہر نہیں گئے تھے؟
کیا انہوں نے چاند، مریخ اور ان کے علاوہ سیاروں پر بستیاں یا خلاء میں بستیاں قائم نہیں کی ہوں گی جو آج انسان عنقریب آنے والے سالوں میں ایسا کرنے کے دعوے کر رہا ہے؟ یقیناً انہوں نے یہ سب تو کیا وہ سب بھی کیا جس کا آج کا دجالی

انسان تصور بھی نہیں کرسکتا اور یہ سب قرآن کہہ رہا ہے۔اس کے باوجود جب ان کے اپنے ہی کرتوتوں یعنی جس ٹیکنالوجی کو وہ اپنے لیے مسیحا اور فائدہ مند سمجھ رہے تھے اسی ٹیکنالوجی ہی کی وجہ سے آسمان و زمین میں کیے ہوئے فساد کے نتیجے میں آنے والی تباہی سے بچنے کے لیے خلا میں، مختلف سیاروں کی طرف بھاگے، جس جس کو جو جو بچاؤ کا رستہ نظر آیا اسی طرف بھاگا، فرار ہوئے لیکن کچھ بھی ان کے کام نہ آیا۔کیونکہ اگر وہ زمین کے متبادل کسی اور سیارے کی طرف بھی گئے تو وہاں صرف اتنی ہی مدت زندہ رہ سکیں گے جتنی مدت تک زندہ رہنے کے لیے تمام وسائل پاس موجود ہوں گے۔یا زیادہ دیر تک زندہ رہنے کے لیے زمین پر رابطہ ضروری تھا لیکن زمین پر تو تباہی تھی۔ ہر طرف پانی سب کچھ غرق ہو چکا تھا تو نتیجتاً وہاں فرار ہونے والے زیادہ عبرت ناک موت مارے گئے اور اگر آج انسان کا یہ دعویٰ سچا ہے کہ وہ مریخ پر پہنچ گیا ہے تو یقیناً ضرور عنقریب اسے وہاں ان بھگوڑوں کی باقیات ملیں گی۔وہاں بھی انہیں انسان کے آثار ملیں گے اور ضرور ملیں گے اور عنقریب جلد ہی ملیں گے۔

نوح علیہ السلام کے دور میں آنے والے سیلاب کا پانی تقریباً تیرہ مہینے تک زمین پر ٹھہرا رہا۔تیرا مہینے بعد پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آئیں۔جب اتنا عرصہ پانی کھڑا رہا تو پھر جو فرار ہوئے یعنی کسی دوسرے سیارے پر وہاں اور بھی زیادہ اذیت ناک ہلاکت کا شکار ہوئے۔جو جہازوں وغیرہ میں فرار ہوئے ایندھن ختم ہونے کی صورت میں مارے گئے۔اسی طرح جو بحری جہازوں میں سوار ہوئے اس وقت کوئی ایک بھی بہری جہاز ایسا نہیں تھا سوائے نوح علیہ السلام کے بحری جہاز کے جو طوفان میں بچ سکتا تھا کیوں کہ قرآن میں ہے اللہ سبحان وتعالیٰ کہتے ہیں کہ پہاڑوں کی طرح بلند موجیں تھیں اس سیلاب میں۔اور نوح علیہ السلام نے جو بحری جہاز بنایا وہ خالص اللہ سبحان وتعالیٰ کی ہدایات کے مطابق بنایا جو اس سیلاب میں محفوظ رہا۔

اَوَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ کَانُوۡاھُمۡ اَشَدَّ مِنۡھُمۡ قُوَّۃً وَّاٰثَارًا فِی الۡاَرۡضِ فَاَخَذَھُمُ اللّٰہُ بِذُنُوۡبِھِمۡ ؕ وَمَا کَانَ لَھُمۡ مِّنَ اللّٰہِ مِنۡ وَّاقٍ . المومن/غافر ۲۱

کیا نہیں گھومے پھرے، سیر کی زمین میں پس دیکھا کیسا تھا انجام ان کا جو ان سے قبل تھے، تھے وہ قوت میں بہت بڑھ کر ان سے اور آثار زمین میں پس پکڑا انہیں اللہ نے ان کے ذنوب کے سبب اور نہیں تھا ان کے لیے اللہ سے

کوئی بچانے والا، حفاظت کرنے والا، نجات دلانے والا، ان کے کچھ کام آنے والا۔

اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ
کَانُوۡۤا اَکۡثَرَ مِنۡهُمۡ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الۡاَرۡضِ فَمَاۤ اَغۡنٰی عَنۡهُمۡ مَّا کَانُوۡا
یَکۡسِبُوۡنَ ۔ المومن/غافر ۸۲

کیانہیں گھومے پھرے، سیر کی زمین میں پس دیکھا کیسا تھا انجام ان کا جو ان سے قبل تھے، تھے زیادہ ان سے اورقوت یعنی ٹیکنالوجی میں ان سے زیادہ تھے، اور زمین میں ان کے آثار ان سے زیادہ تھے یعنی جیسے آج زمین پر جو کچھ انسان نے بنایا ہوا ہے، پس نہ کافی ہوا، انہیں بچاسکا، ان کے کچھ کام آسکا جو کچھ انہوں نے کرتوتوں سے بنایا ہوا تھا یعنی ٹیکنالوجی اور جسے بھی آج انسان ترقی کا نام دیتا ہے خواہ وہ عمارتیں ہوں، مشینری ہو یا جو کچھ بھی انسان بنا چکا ہے اور جو کچھ تباہی آنے تک بنا چکا ہوگا۔

اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ
دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ ۫ وَلِلۡکٰفِرِیۡنَ اَمۡثَالُهَا ۔ محمد ۱۰

وَکَاَیِّنۡ مِّنۡ قَرۡیَةٍ هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنۡ قَرۡیَتِکَ الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَتۡکَ ۚ اَهۡلَکۡنٰهُمۡ
فَلَا نَاصِرَ لَهُمۡ ۔ محمد ۱۳

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِى الْبِلَادِ ط
هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ. ق ٣٦

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ط
فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِىْ خَاضُوْا ط اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ
فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ج وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ. التوبه ٦٩

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۵ لا وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ
وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ط اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ج فَمَا كَانَ اللّٰهُ
لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ . التوبه ٧٠

اسْتِكْبَارًا فِى الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ط وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا
بِاَهْلِهٖ ط فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ج فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۵ ج
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا . فاطر ٤٣

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ط وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَىْءٍ فِى السَّمٰوٰتِ
وَلَا فِى الْاَرْضِ ط اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا . فاطر ۴۴

قوم عاد

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ط اَوَلَمْ
يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ط وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ.

السجدہ / فصلت ۱۵

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْىِ فِى
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ط وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ . فصلت ۱۶

آگے پچھلی قومون کے زمین میں آچار کی تصاویر اور تفاصیل...............

یہاں اشدوالی اوران کے دسویں حصے کوبھی نہیں پہنچے والی آیات-----

یہاں قوم نوح کے آثار کی تصاویر-------------

اینٹیں، بلاکس وغیرہ سمیت باقی بھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

عنقریب تمہیں آفاق اور تمہاری اپنی ہی ذاتوں میں تمہیں اپنی نشانیاں دیکھائیں گے والی آیت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یہ دریافتیں ماضی کی نہیں بلکہ موجودہ دور کی ہیں اور یہ اللہ سبحان وتعالیٰ کی طرف سے بڑے بڑے راز اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج ہی یہ سب دریافتیں کیوں ہو رہی ہیں؟ اس سے پہلے جو صدیاں گزریں ان میں یہ دریافتیں کیوں نہ ہوئی؟ تو اس کو جواب بہت آسان ہے لیکن یہ اللہ سبحان وتعالیٰ کی حکمت کا مظہر ہے۔موجودہ دور سے قبل یہ دریافتیں ہونا اللہ کے قانون میں ناممکن تھیں جس کی وجہ یہ دریافتیں ممکن ہی اس ٹیکنالوجی سے تھی جو آج موجود ہے اور پہلے نہیں تھی اور یہ دریافتیں اس سے قبل ہوتیں بھی تو شاید ہی لوگ انہیں سمجھ سکتے کیوں کہ ان کے پاس جو وسائل تھے اور جس وقت میں وہ زندگی گزار رہے تھے ان کے لیے انہیں سمجھنا ناممکن تھا۔آج کے دور کا ہر خاص وعام انسان ان کے ذریعے ہلاک شدہ اقوام کی قوت کا اندازہ لگا سکتا ہے۔اسی لیے یہ موجودہ دور میں دریافتیں ہوئیں اور اس سے بھی بڑا راز اس میں یہ ہے کہ موجودہ دور میں یہ سب دریافت ہونا موجودہ انسانوں کے لیے اللہ کی طرف سے انہیں ان کا انجام دیکھایا جا رہا ہے کہ اب تم بھی اس انجام کے دہانے پر پہنچ چکے ہو جو کہ آیا ہی چاہتا ہے۔جو عقل والے ہوئے تو ایمان لا کر اصلاح کرنے والے اعمال کریں گے اور اس آنے والے عذاب کا ادراک کرتے ہوئے اپنی دنیا وآخرت کو محفوظ بنالیں گے لیکن جو بے وقوف ہوں گے حالانکہ وہ بڑے عقل مند ہونے کے دعوے کرتے ہیں اس کے باوجود کہ جس شاخ پر بیٹھے ہیں اسی کو کاٹ رہے ہیں ان کا انجام بلکل ایسا ہی ہونے والا ہے جو ہلاک شدہ اقوام کا ہوا اور ہم ان کے آثار سے دیکھ رہے ہیں۔

تصاویر میں نظر آنے والی اینٹوں کی لمبائی، چوڑائی اور موٹائی سمیت حجم پر غور کریں تو یہ چونکا دینے والے آثار ہیں قوم نوح کے۔آج انسان بڑے بڑے دعوے کرتا ہے کہ وہ بہت ترقی کر چکا ہے اس کے باوجود ایسی اینٹیں بنانا تو دور کی بات موجودہ ٹیکنالوجی سے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔پھر ایسی اینٹوں کو اٹھانا اور ان سے عمارات کی تعمیر بھی انسان کے وہم وگمان سے باہر ہے۔یہی وہ ہلاک شدہ قوموں کے آثار ہیں جن سے عبرت حاصل کرنے کے لیے قرآن میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے بار بار کہا کہ کیا زمین میں سیر نہیں کی؟۔

سیر کے لیے ضروری نہیں کے ذاتی طور پر پوری زمین کا سفر کیا جائے بلکہ آج کے دور میں تو انسان گھر میں اپنے کمرے میں اپنے بستر پر بیٹھ کر زمین کے کونے کونے کی سیر کر سکتا ہے۔اصل مقصد ہے گزری ہوئی قوموں کے آثار کو دیکھنا اور پھر اندازہ

لگا نا کہ وہ ہم سے حقیقت میں کتنی آگے تھیں جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

ان اینٹوں کو سامنے رکھ کر قرآن کی اوپر بیان کردہ اس آیت پر نظر دوڑائیں کہ ایسی اینٹوں سے کیسے کیسے مضبوط محلات تعمیر کیے ہوئے تھے ان قوموں نے۔لیکن جب ساعت آئی، اللہ کا امر آیا تو ان کا یہ کسب یعنی ان کی یہ کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی اللہ کے امر سے نہ بچا سکی۔

آج انسان نے آسمانوں کو چھوتی عمارتیں تعمیر کر لیں جن کو وہ بہت مضبوط تصور کرتا ہے حالانکہ یہ ان قوموں کے مقابلے پر کچھ بھی نہیں۔ ذرا تصور کیجئے کہ اگر آج ایسا طوفان آئے جیسا قوم نوح کے وقت آیا تو موجودہ انسانوں کے کوئی آثار پیچھے باقی رہیں گے؟

حالانکہ ایسی کسی بھی تباہی کے بعد کسی بھی قوم کے جو آثار پیچھے بچتے ہیں وہ صرف ان کی تعمیر کردہ عمارتوں کے آثار ہوتے ہیں اور انہی عمارتوں سے ہی کسی قوم کی قوت و ''فساد میں'' ترقی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ. هود ۴۲

اور وہ 'نوح علیہ السلام کا بحری بیڑہ'' بہہ رہا تھا ان کیساتھ پہاڑوں جیسی لہروں میں۔

قوم نوح جس سیلاب میں غرق ہوئی اس سیلاب کا پانی تقریباً تیرہ ماہ سے زائد عرصے تک زمین پر ٹھہرا رہا۔ تیرہ مہینے بعد چند پہاڑوں کی چوٹیاں ننگی ہوئیں۔ تصور کریں کے زمین پر کتنا پانی تھا کہ پانی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا اور اس میں طوفان کے دوران پہاڑوں جیسی لہریں تھیں۔

دنیا میں سب سے بلند ترین پہاڑ جو تسلیم کیا جاتا ہے اس کی اونچائی آٹھ کلومیٹر اور آٹھ سو اڑتالیس میٹر ہے یعنی تقریباً نو کلومیٹر بلند۔ اس کے علاوہ سات، آٹھ کلومیٹر اونچے بھی بہت سے پہاڑ ہیں اور اگر بات کی جائے پانچ سے چھ کلومیٹر اونچے پہاڑوں کی تو وہ لاتعداد ہیں۔

قوم نوح پر آنے والے سیلابی طوفان میں آٹھ، نو، نو کلومیٹر بلند لہریں تھیں۔ جن کا تصور کرنا بھی انسان کے بس سے باہر ہے۔ ان لہروں کے آگے کیا ٹھہر سکتا ہے؟ آج کے انسان کی تعمیرات کے تو نام و نشان ہی مٹ جائیں اور سیلاب کے ختم ہونے کے بعد جو کئی میٹر مٹی کی تہہ اوپر چڑھ جاتی تو شہروں کے شہروں کا ملبا اسی مٹی میں دب کر غائب ہو جائے اور یہی قوم نوح کیساتھ ہوا۔

پھر ایسا بہری بیڑا جو ایسی لہروں میں نہ صرف قائم رہا بلکہ اس میں سوار تمام مخلوقات بلکل محفوظ واپس زمین پر اتریں تو تصور کریں کہ وہ کیسا عظیم بحری بیڑہ تھا جو نوح علیہ السلام نے خلق کیا۔ اور پھر اس کی خلق کیا پتھر کے دور میں رہنے والا کوئی انسان کر سکتا ہے؟

ایسا بحری بیڑہ تو آج کی موجودہ ٹیکنالوجی سے بھی بنانا ناممکن ہے بلکہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تو پھر قوم نوح کس قدر ٹیکنالوجی کی حامل تھی اسی سے اندازہ ہو جاتا ہے۔

پھر اس میں تمام کے تمام جانداروں کا جوڑا جوڑا سوار کیا نہ صرف تمام کے تمام جانداروں کا جوڑا جوڑا بلکہ تمام اقسام کے بیج بھی اس میں محفوظ کیے۔ آج اگر ہم زمین پر رہنے والے جانداروں کا اندازہ لگائیں تو ان کی تعداد اگر اربوں نہیں تو کروڑوں میں ضرور بنتی ہے۔ پھر ہر جاندار کی خوراک الگ، رہن سہن کا ماحول الگ، موسم یعنی درجہ حرارت الگ، شیر اور بکری اکٹھے نہیں رہ سکتے، سانپ انسانوں میں نہیں رہ سکتے، پانی کے جاندار الگ ہیں جو پانی میں ہی رہ سکتے ہیں، خشکی کے الگ، زمین کے اندر سرنگیں کھود کر رہنے والے الگ، پرندے الگ۔ پھر کم از کم تیرہ ماہ تک کی ہر ایک کی خوراک کا ذخیرہ، خوراک کو محفوظ کرنے کے انتظامات۔ اگر تھوڑا سا بھی غور و فکر کریں تو وہ بحری بیڑہ نہ صرف انتہائی غیر معمولی ٹیکنالوجی سے تیار کیا گیا بلکہ انتہائی غیر معمولی ٹیکنالوجی کا حامل تھا۔

اس طوفان سے بچنے کے لیے قوم نوح میں سے جو اپنی غیر معمولی قوت اور مضبوطی کے حامل بحری بیڑوں میں سوار ہوئے وہ ان موجوں کا سامنا نہ کر سکے اور تباہ و برباد ہو گئے۔ آج دنیا میں سمندر کا بہت سا حصہ ایسا ہے جو اس سے قبل سمندر نہیں بلکہ خشکی تھا لیکن اس سیلاب کے بعد سمندر میں تبدیل ہو گیا۔ جیسے کے آپ نیچے تصویر میں ظاہر کیے گئے سمندر دیکھ سکتے ہیں۔

یہاں گوگل ارتھ سے یورپ اور افریقہ کے درمیان والے سمندر کی تصویر، تصویر پر اردو سے خطوں کے نام بھی تحریر کرنے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اسی طرح دنیا کے مختلف خطوں میں بھی ایسے سمندر موجود ہیں جو سیلاب نوح کے بعد وجود میں آئے اور اگر ان سمندروں کی سکیننگ کی جائے تو ان میں سے پورے کے پورے غرق شدہ شہر ملیں گے۔

پوماپنکو والے بلاکس کی تصاویر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تصاویر میں نظر آنے والے یہ بلاک بھی قوم نوح علیہ السلام کے وقت کے ہیں۔ آج کے تمام بڑے بڑے سائنسدان ان بلاکس پر تحقیقات کر چکے ہیں اور وہ ناکام رہیں ہیں یہ جاننے میں کہ آیا یہ بلاک کس طرح پتھروں کو تراش کر بنائے گئے۔ اس ڈیزائننگ میں موجودہ دور میں پتھر سے ایل بلاک تراشنا ناممکن ہے دوسری بات یہ کہ جس صفائی کے ساتھ ان کی کٹائی کی گئی ہے آج کے تمام کے تمام ذرائع سے پتھر کو کاٹ کر ان کا مائکروسکوپ سے معائنہ کیا گیا ہے لیکن اس صفائی سے نہیں کاٹا جاسکا جس صفائی سے یہ بلاکس کاٹے گئے۔ بالآخر جو نتیجہ اخذ کیا گیا وہ یہ کہ جس قوم نے بھی انہیں کاٹا وہ موجودہ ٹیکنالوجی سے کئی گناہ بڑھ کر غیر معمولی ٹیکنالوجی کی حامل تھی۔

پھر تحقیقات سے پتہ چلا کہ جس مقام پر یہ بلاکس دریافت ہوئے یہاں کوئی بڑی بڑی عمارتیں تھیں اور ممکنا طور پر جیسے آج ریلوے یا بس اسٹیشن ہیں اسی طرح کسی جدید ٹرانسپورٹ کے نظام کا کوئی اسٹیشن تھا جو آج سے پانچ ہزار سال پہلے کسی غیر معمولی بہت بڑے سیلاب کی وجہ سے تباہ ہوا۔ یہ بلاکس بلکل ایسے ہی زمین میں دھنسے ہوئے ہیں جیسے سیلاب کے بعد رہ جانی والی مٹی میں کوئی شئے دھنس جاتی ہے۔ یعنی شئے تو اپنی جگہ پر پڑی ہوتی ہے پانی کا دباؤ اسے الٹ پلٹ کرتا ہے اور جب پانی اترتا ہے جو پیچھے مٹی کی تہہ میں شئے دھنسی رہ جاتی ہے۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ تاریخ میں اگر کوئی ایسا سیلاب آیا تو وہ قوم نوح پر آیا تھا۔

اس کے علاوہ قوم نوح کے اور بھی بہت سے آثار ہیں موضع لمبا ہونے کے ڈر سے ان کو یہاں بیان نہیں کیا جس سکتا۔ اس لیے اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

اللہ سبحان وتعالیٰ کی یہ آیات عقل والوں کے لیے ہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے اسی لیے غور وفکر کرنے پر بار بار زور دے کر حکم دیا۔

اس مختصر سے غور وفکر کرنے کے بعد اگر یہ نتیجہ اخذ کیا جائے کے وہ کون سے شئے تھی جس نے قوم نوح کو دھوکے میں ڈال کر اللہ کی آیات کا کفر کرنے پر آمادہ کیا۔ تو بلکل واضع ہو جاتا ہے کہ وہ ٹیکنالوجی ہی تھی جس کے حصول کے بعد قوم نوح سمجھتی تھی کہ ان سے بڑھ کر قوت میں کوئی بھی نہیں اس کے باوجود کے وہ یہ جانتے تھے کہ انہیں موت آنی ہے اس سے نہیں بچ سکتے۔ وہ اسی ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر وہ سب کام کر رہے تھے جو اللہ سبحان وتعالیٰ کے کرنے والے ہیں یعنی وہ اس ٹیکنالوجی سے ہر سطح پر اللہ کی مخلوقات میں شریک بنے ہوئے تھے۔ بادلوں کے نظام میں چھیڑ چھاڑ سے لیکر فصلوں کے بیجوں اور انسان کے ڈی این

اے تک میں مداخلت کر کے سب کچھ فساد زدہ کر دیا جس کی وجہ سے اللہ سبحان وتعالیٰ نے ان کے اپنے کرتوتوں کے نتیجے میں آنے والے طوفان میں زمین پر تمام مخلوقات کو ہلاک کر دیا۔

ٹیکنالوجی کے دجل کا شکار ہو کر اللہ، اس کی آیات اور اس کے غیب کیساتھ انہوں نے کفر کیا۔

نوح علیہ السلام کے بعد جو دوسری قوم تباہ ہوئی وہ قوم عاد تھی۔ قوم عاد کے بارے میں قرآن یہ کہتا ہے۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ.

فصلت ۱۵

پس جو قوم عاد نے پس تکبر کیا ارض میں بغیر حق کے اور کہا کون ہے ہم سے قوت میں شدید (بڑھ کر)، کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ، وہی ہے جس نے خلق کیا انہیں، وہی ہے قوت میں ان سے شدید (بڑھ کر)، اور تھے وہ ہماری آیات کے ساتھ بار بار واضح ہونے کے باوجود ان کا کفر کرنے والے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْىِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ . فصلت ۱۶

پس بھیجا ہم نے اچانک ان پر شدید دھاکے سے پیدا ہونے والی ہوا کی لہروں

قوم عاد کے آثار پیرو میں. کارال پیرو ان گوگل سرچ یا لاسٹ پیرامیٹ

قوم ثمود والی آیات اور

قوم ثمود. جورڈن پیٹرا سٹی ان گوگل سرچ..

مدین قوم صالح کے پہاڑوں میں گھر ھیں.

سب کی سب ہلاک شدہ قوموں میں جو مشترکات پائی جاتی ہیں ان میں ٹیکنالوجی سب کے پاس ایک جیسی تھی مگر کسی کے پاس زیادہ اور کسی کے پاس کم یہ بات الگ ہے۔اور دوسری شئے جو مشترک تھی وہ اہرام ہیں یعنی پیرامیڈ اور ابلیس کا نشان، حیران کن طور پر یہ وہی نشان ہے جو مکہ میں منا میں واقع ہے جسے رجم کیا جاتا ہے یعنی پتھر مارے جاتے ہیں اور پھر اس سے بھی حیران کن بات یہ کہ قرآن میں بھی اسے ابلیس کہا گیا ہے اور آج بھی اسے انگلش میں اُبلس یعنی ابلیس کہا جاتا ہے۔

یہاں ابلیس کو رجیم والی آیت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سب قوموں کی مشترکات کی تصاویر۔۔۔۔۔۔۔ ٹیکنالوجی، پیرامیڈ، ابلیس کا نشان۔۔۔۔۔۔

اہرام یعنی پیرامیڈ ایک عالمی نظام کی عکاسی کرتے ہیں۔اور ابلیس کا نشان اس نظام کے سربراہ کی عکاسی کرتا ہے اور ٹیکنالوجی وہ دجل ہے جس کی بنیاد پر انسان اللہ کے علاوہ اسے اپنا رب بناتا ہے یعنی ہر وہ کام جو اللہ سبحان وتعالیٰ کے کرنے والا ہے انسان اسی ٹیکنالوجی کے ساتھ خود کرتا ہے یعنی اللہ کا شریک بن جاتا ہے۔اور اس یعنی ٹیکنالوجی کے پیچھے یاجوج اور ماجوج ہیں جیسے اللہ سبحان وتعالیٰ کی کائنات میں نظام کو چلانے والی فوجیں اللہ کے ملائکہ ہیں۔
ان مشترکات سے جو چونکا دینے والی بات سامنے آتی ہے وہ یہ کہ پچھلی چھ ہلاک شدہ اقوام اور آج کے انسان کا ان کے نقش قدم پر جن ذرائع سے چلنا یعنی ٹیکنالوجی اس کے پیچھے ایک ہی مشترکہ علم ہے۔یعنی جیسے اللہ کے ملائکہ ہیں اسی طرح اس دجل کے پیچھے جنات میں سے شیاطین کا ایک مخصوص گروہ ہے جسے پہلی قوم سے اب تک ابلیس اپنے ان مخصوص مقاصد کے لیے استعمال کر رہا ہے۔اور جنات کا یہ وہی گروہ ہے جو یاجوج ہیں جنہیں ذالقرنین سلیمان علیہ السلام نے قید کیا تھا اور یہ کھلے محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے تھوڑے ہی عرصے بعد۔اور انسانوں میں سے شیاطین یاجوج کے اولیا ہیں یعنی اس مشن میں یاجوج کے معاون ہیں۔انسانون میں یہی شیاطین موجو ہیں۔ماجوج یعنی مفسد جنات کے اس مخصوص گروہ کے علم کو عملی پاجامہ پہنا کر اس دجل کو تخلیق کرتے ہیں۔یاجوج کا تو شروع سے ایک ہی گروہ ہے لیکن ماجوج یعنی مفسد انسانوں کا گروہ ہر دور کا الگ تھا اور ہے کیونکہ جنات کے مقابلے انسان کی عمر بہت کم ہے۔اور جب بھی زمین پر اس دجل کے نتیجے میں تباہی آتی ہے تو اس کا شکار انسان ہی ہوتے ہیں نہ کہ جنات۔

یہ وہ ٹیکنالوجی تھی جس کے دھوکے میں آ کر انسان اللہ کا شریک بن بیٹھا اور یہ دعویٰ کر دیا کہ کون ہے جو اس سے قوت میں بڑھ کر ہے، اور اسے کوئی زوال نہیں پھر اس کا انجام کیا ہوا۔ اور کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ انسان نے ایسا دعویٰ اپنی زبان سے کیا ہوا بلکہ قرآن اعمال کی زبان کی بات کرتا ہے۔ انسان اپنے اعمال سے دعوے کرتا رہا اور آج بھی کر رہا ہے۔ یہ سب اسی ٹیکنالوجی کی وجہ سے ہوا انسان اس دجل کا شکار ہو گیا۔ جس کا جواب اللہ سبحان وتعالیٰ درج ذیل آیات میں اس طرح دیتے ہیں کہ پیچھے کسی بھی قسم کے شک وشبے کی گنجائش نہیں رہتی۔

پچھلی قوموں کیساتھ یہ جو سب کچھ ہوا کیوں ہوا اس کا اللہ سبحان وتعالیٰ ایک اور زاویے سے بھی بیان کرتے ہیں

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوا لَهُم مَّا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيٓ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خٰسِرِينَ.

السجدہ / فصلت ۲۵

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيٓ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خٰسِرِينَ . الاحقاف ۱۸

جو کچھ ان کے ہاتھوں کے درمیان یعنی ان کی پہنچ میں تھا اور جو کچھ پیچھے یعنی ان کی پہنچ میں نہیں تھا ان سے چھپا ہوا تھا سب ان کے لیے مزین کر دیا گیا. جب یہ سب ان کے لیے مزین کر دیا گیا تو وہ اس کے دھوکے میں آگئے یعنی اس کے دجل کا شکار ہو گئے.

"دابہ والے باب میں قول واقع ہونا کیا ہے اس کی وضاحت میں یہ آیت درج کرنی ہے اور اور دابہ والے باب کو بھی کوشش یہی کرنی ہے کہ اس کے فوراً بعد درج کیا جائے. قول واقع ہونا یہی ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے کہا کہ سب کچھ حق کیساتھ خلق کیا اس کا کفر نہیں کرنا

ورنہ ساعت آئے گی لیکن اسنا نے وھی کیا . بھر حال اس کی مزید تفصیل..“

اسی باب کے آخر میں دجال کی صفات آحدیث کی روشنی مین اوردلال بیان کرنے ہیں ان شاءاللہ کہ وہ کیا کیا اور کیسے کرے گا وغیرہ-------------------

احادیث کی روشنی میں دجّال کون ہے

احادیث کی روشنی میں دجّال کو سمجھنے اور اس کے علاوہ کتاب میں آگے آنے والے ابواب سے پہلے ہمارے لیے عربی کے بارے میں جاننا بہت ضروری ہے کیونکہ اگر ہم نے عربی کی اہمیت، اصولوں، قواعد وضوابط کو نہ جانا تو ہم کبھی بھی قرب قیامت کے حالات وواقعات اور فتنوں کے بارے میں نہیں جان سکیں گے۔اور ہم احادیث کو اپنے ظن اور اندازوں سے سمجھنے کی کوشش کرتے رہیں گے جس سے نہ صرف خود گمراہ ہوں گے بلکہ دوسروں کی بھی گمراہی کا سبب بنیں گے۔اس لیے آگے بڑھنے سے پہلے عربی کے بارے میں چند بنیادی باتیں سمجھ لیں۔

عربی اور دنیا کی باقی تمام زبانوں میں فرق

دین کو سمجھنے اور بلخصوص فتنہ دجّال سمیت قیامت سے متعلق تمام معاملات کو سمجھنے کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم سب سے پہلے عربی کی اہمیت کو جان لیں۔عربی دنیا کی واحد ایسی زبان ہے جس کا ترجمہ دنیا کی کسی بھی زبان میں نہیں کیا جا سکتا۔عربی دنیا کی واحد زبان ہے جو ہر وقت اور ہر شئے کا احاطہ کرتی ہے۔یعنی مثال کے طور پر آج کوئی ایسی شئے جس کا وجود نہیں ہے اور کل کو وہ وجود میں آتی ہے تو اس شئے کا کوئی نہ کوئی نام تجویز کیا جائے گا جو پہلے سے اس زبان میں موجود نہیں ہوگا۔جیسے کہ ہم گاڑی کو ہی لے لیں۔اردو میں لفظ گاڑی، گاڑی کے وجود سے پہلے کوئی وجود نہیں رکھتا تھا۔جیسے انگلش میں کار کا لفظ کار کی تخلیق سے پہلے اپنا کوئی وجود نہیں رکھتا تھا۔جب شئے وجود میں آئی اس کے بعد یہ لفظ بھی وجود میں آیا۔

لیکن عربی اس خامی سے بلکل پاک ہے۔عربی دنیا کی واحد ایسی زبان ہے جس کا ہر لفظ بہت ہی وسعتوں کا حامل ہے۔کوئی بھی شئے جو پہلے وجود نہیں رکھتی تھی اور بعد میں وجود میں آئے عربی میں اس کا نام پہلے سے ہی طے کر دیا ہے۔یعنی عربی میں آپ کسی بھی لفظ کا اضافہ نہیں کر سکتے۔جو بھی نئی ایجاد آپ کریں گے اس کے لیے پہلے سے ہی عربی میں نام موجود ہوگا البتہ اس شئے کی الگ سے نشاندہی کے لیے آپ کو لفظ ایجاد کر سکتے ہیں لیکن وہ عربی زبان کا حصہ نہیں ہوگا نہ ہی وہ عربی کا لفظ کہلائے گا بلکہ وہ کسی اور زبان کا لفظ عربی لہجے کیساتھ روزمرہ کے استعمال میں لایا جائے گا۔ جیسے لفظ فیس بک یا ٹویٹر کو ہی لے لیا جائے جب عربی کے اصل سے ان کے لیے کوئی لفظ استعمال کیا جائے گا تو وہ لفظ استعمال کیا جائے گا جن فیس بک اور ٹویٹر وغیرہ کی صفات کا احاطہ کرے لیکن موجودہ دور کے تقاضے کو سامنے رکھتے ہوئے یہی الفاظ عربی لہجے کیساتھ استعمال کیئے

جائیں گے جو کہ وقت کی ضرورت ہے جیسے فیس بک اور ٹویٹر، لیکن یہ عربی زبان میں داخل نہیں ہو سکتے نہ ہی یہ عربی کا حصہ بن سکتے ہیں۔

عربی کو سمجھنے کے لیے ہم چند الفاظ کو سامنے رکھ کر سمجھ لیتے ہیں۔

مثلاً لفظ "راس" کو لے لیں۔ جس کا ترجمہ "سر" کیا جاتا ہے جسے انگلش میں ہیڈ کہا جاتا ہے۔ اب جب ہم نے عربی کے لفظ راس کا ترجمہ سر کر دیا تو اس کا نقصان کیا ہو گا ہم اسے سمجھ لیتے ہیں۔

مثال کے طور پر اگر آپ کے سامنے آپ کا دشمن موجود ہو اور آپ اپنے بھائی کو کہیں کہ وہ سامنے موجود دشمن کے راس پر گولی مارے۔ تو وہ اس کے سر میں گولی مارے گا۔ لیکن اگر آپ کے سامنے اونٹ ہو اور آپ اپنے بھائی کو کہیں کہ وہ اونٹ کے راس میں گولی مارے تو وہ اونٹ کے سر میں گولی مارے گا۔ کیونکہ اس کو بتایا گیا کہ راس کا اردو ترجمہ سر ہے۔

لیکن اگر آپ کسی عرب کو یہ کہیں کہ وہ اس دشمن کے راس میں گولی مارے تو وہ اس کے سر میں گولی مارے گا لیکن جب آپ اسے کہیں گے کہ اونٹ کے راس میں گولی مارے تو وہ اونٹ کے سر میں نہیں بلکہ اونٹ کی کوہان یعنی جو اونٹ کی اوپر چوٹی نکلی ہوتی ہے اس میں گولی مارے گا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ نے اپنے بھائی کو حکم دیا کہ اونٹ کے راس میں گولی مارے تو اس نے اس کے سر میں گولی ماری لیکن جب وہی حکم آپ نے ایک عرب کو دیا تو اس نے اونٹ کے سر کی بجائے اس کی کوہان میں گولی ماری۔ ایسا کیوں؟

کیا وہ عرب آپ کی بات نہیں سمجھ پایا؟ یا اس کے علاوہ کوئی اور وجہ بنی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب ہم نے راس کا ترجمہ سر کر دیا تو اس سے مراد سر ہی ہو گا خواہ وہ کسی کا بھی ہو۔ لیکن عربی میں راس سر کو نہیں کہتے بلکہ عربی میں راس کہتے ہیں کسی بھی شئے کے بلند مقام یعنی اس کی جو چوٹی ہوتی ہے اسے راس کہتے ہیں۔ جب یہ لفظ کسی انسان کے لیے استعمال کیا جائے گا تو اس سے مراد انسان کی بلند ترین چوٹی ہو گا۔ انسان کے جسم کی سب سے بلند چوٹی اس کا سر ہوتا ہے اس لیے اسے راس کہا جاتا ہے۔

اسی طرح انسان کے برعکس اونٹ کی چوٹی اس کا سر نہیں بلکہ اس کی کوہان ہوتی ہے اس لیے اسے راس کہتے ہیں نہ کہ اونٹ کے سر کو۔

اب ذرا تصور کریں کہ انسان یا ایسے جانور موجود نہ ہوں جن کے سر ہوتے ہیں اس کے علاوہ باقی مخلوقات ہوں تو بھی عربی

کے لفظ راس کا وجود ہے لیکن سر کا کوئی وجود نہیں۔ جب کوئی ایسی مخلوق خلق کی گئی جس کا سر ہے تو اس کا الگ سے کوئی نام نہیں رکھا گیا یا رکھا جائے گا بلکہ اس کو راس کہا جائے گا۔ راس کہتے ہیں کسی بھی شئے کی چوٹی والے مقام کو۔

اسی وجہ سے عربی کا ہر لفظ تمام کی تمام مخلوقات کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ عربی کے علاوہ دنیا کی کوئی بھی زبان ایسی نہیں جس کے ایک ہی لفظ کو تمام مخلوقات کے لیے استعمال کیا جاسکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عربی کا جو لفظ جس وقت اور جس شئے کے لیے استعمال کیا جائے گا وہ اسی وقت کا آحاطہ کرے گا اور اس شئے کی صفات کے مطابق ڈھل جائے گا۔

جیسے اگر لفظ راس کو ہم مخلوقات میں سے کسی بھی شئے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ مثلاً اگر ہم اسے درخت کے لیے استعمال کریں گے تو اس کا مطلب ہوگا درخت کا بلند ترین مقام یعنی درخت کی چوٹی۔ اسی طرح پہاڑ کے لیے یا کسی بھی شئے کے لیے۔ لیکن جب اس کا ترجمہ کر دیا جائے۔ کہ اس کا ترجمہ سر ہے تو نہ صرف اس کا استعمال محدود ہو جائے گا یعنی صرف انہی مخلوقات کے لیے استعمال کیا جاسکے گا جن کا سر ہوتا ہے بلکہ اس سے نقصان یہ ہوگا کہ جیسے اگر اونٹ کے لیے یہ لفظ استعمال کیا جائے تو اس سے مراد اس کی چوٹی ہوگا مگر ترجمہ کی رو سے اس سے مراد اس کا سر لے لیا جائے گا۔

اسی طرح لفظ "یعد" کو لے لیں۔ جس کا ترجمہ ہاتھ کیا جاتا ہے۔ جب اس کا ترجمہ ہاتھ کر دیا جائے تو یہ لفظ صرف انہیں مخلوقات کے لیے استعمال کیا جاسکے گا جن کے ہاتھ ہوتے ہیں۔ اور اگر جب یہ لفظ کسی ایسی مخلوق کے لیے استعمال کیا جائے گا جس کے ہاتھ ہوتے ہی نہیں تو بات سمجھ نہیں آئے گی۔

"ید" کہتے ہیں اس کو جس میں قوت ہوتی ہے جس سے کوئی کام کیا جاسکے۔ یعنی اگر یہ لفظ عالم مادہ یعنی مادی دنیا کی اشیاء کے لیے استعمال کیا جائے گا تو اس سے مراد کوئی ایسا آلہ ہوگا جس میں قوت ہوتی ہے جس سے کچھ کیا جاسکتا ہے، پکڑا جاسکتا ہے، اٹھایا جاسکتا ہے، کچھ بنایا جاسکتا ہے، کوئی بھی کام کیا جاسکتا ہے۔

انسان کے جسم میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے ان حصوصیات کے حامل جو اعضاء خلق کیے وہ ہاتھ ہیں اس لیے ہاتھوں کو بھی ید کہا جاتا ہے۔ جب یہ لفظ مادی اشیاء کے لیے بولا جائے گا تو اس سے مراد مادے کا کوئی ایسا آلہ ہوگا جس سے پکڑا جاسکے، کوئی کام کیا جاسکے، وزن اٹھایا جاسکے وغیرہ یعنی جو صفات ہاتھ میں پائی جاتی ہیں اسے عربی میں ید کہتے ہیں اور اگر یہ لفظ عالم نور میں استعمال کیا جائے تو وہاں اس سے مراد مادے کا کوئی آلہ نہیں بلکہ نور کی وہ قوت ہوگی جس میں ایسی صفات ہو پائی جائیں۔

اسی طرح لفظ **اذان** کو لے لیں۔جس کا ترجمہ کیا جاتا ہے کان۔ عربی میں اذان کہتے ہیں لہروں کو موصول کرنے کا آلہ۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے انسان کو لہروں کو موصول کرنے کے لیے جو آلہ دیا اسے ہم کان کہتے ہیں۔جب ترجمہ کان کر دیا جائے گا تو یہ محدود ہو جائے گا۔اور جس کے لیے بھی استعمال کیا جائے گا پھر ہم اس شئے میں ایسے ہی کان تلاش کریں گے جیسے ہمارے کان ہوتے ہیں۔حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام مخلوقات کو اللہ سبحان وتعالیٰ نے لہروں کو موصول کرنے کا آلہ لگایا ہے اور وہ کس کس نوعیت اور کس طرح کا ہے اس کا ہمیں تمام مخلوقات کے بارے میں شعور نہیں۔اور نہ ہی اللہ سبحان وتعالیٰ نے تمام مخلوقات کو ہماری طرح کا آلہ یعنی کان کی شکل میں لگایا ہے۔

کان کو اذان اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ جسم میں لہروں کو موصول کرنے والا آلہ ہے۔

لسان . لہروں کو پیغام میں ڈھالنے والا آلہ

عربی میں ہر اس شئے کو جس میں لہروں کو پیغام میں ڈھالنے کی صلاحیت ہوتی ہے اسے لسان کہتے ہیں۔اور جب ہم اس کا ترجمہ زبان کر دیں گے تو یہ نہ صرف محدود ہو جائے گا بلکہ اگر یہ کسی ایسی شئے کے لیے استعمال کیا جائے گا جس میں ہماری زبان کی طرح کی زبان نہیں ہوتی تو ہمیں اس کی کچھ سمجھ نہیں آئے گی۔

صوت . تھرتھراتی لہروں کو کہتے ہیں

جس کا ترجمہ آواز کیا جاتا ہے۔آواز ہمارے دماغ کا ادراک ہوتا ہے آواز کا ہمارے دماغ سے باہر اپنا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ آواز کی حقیقت لہریں ہیں جنہیں ہم اپنی زبان سے پیدا کرتے ہیں۔جو لہریں ہمارے کانوں سے ٹکرا کر دماغ میں منتقل ہوتی ہیں اور ہمیں ان سے آواز کا ادراک ہوتا ہے۔اور اگر ہم صوت کا ترجمہ آواز کر دیں تو نہ صرف یہ بہت محدود ہو جاتا ہے بلکہ اگر یہ لفظ درختوں، پہاڑوں وغیرہ کے لیے استعمال کیا جائے گا تو ہم سمجھنے سے قاصر رہیں گے۔

الشعر . اس کا ترجمہ بال کیا جاتا ہے۔حالانکہ الشعر کہتے ہیں ان اجزاء کو جن سے بال بنتے ہیں۔جسے آج ہم پلاسٹک، نائیلون، لک ''کول'' وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔کسی بھی شئے پر پائے جانے والے فلیکسی بل پلاسٹک یا نائیلون کو عربی میں الشعر

کہتے ہیں۔ اگر یہ لفظ پرندوں کے لیے استعمال کیا جائے گا تو ان کے پروں پر موجود بالوں کو کہا جائے گا۔ اگر بھیڑ کے لیے استعمال کیا جائے تو اس سے مراد اس کے جسم پر موجود پلاسٹک، نائیلون، لک کو کہا جائے گا جسے ہم اردو میں اون کہتے ہیں۔ قرآن میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے کہا کہ انسان کو طین سے خلق کیا گیا۔ طین کہتے ہیں کالے رنگ کے کیچڑ کو جو زمین میں پایا جاتا ہے۔ اس کیچڑ میں وہ تمام عناصر جن سے جسم پر بال بنتے ہیں ان عناصر کو الشعر کہا جاتا ہے۔ آج موجودہ دور میں ٹیکنالوجی نے اس سے پردہ ہٹا دیا جس سے اللہ سبحان وتعالیٰ نے انسان کو خلق کیا جو اس سے پہلے اللہ سبحان وتعالیٰ کا غیب تھا۔ جسے آج ہم خام تیل کا نام دیتے ہیں۔ خام تیل میں تیل کے علاوہ وہ عناصر جن سے فلیکسی بل پلاسٹک اور نائیلون بنایا جاتا ہے انہیں الشعر کہا جاتا ہے۔ اس کے برعکس عربی میں سخت پلاسٹک کو ''ظفرۃ'' کہا جاتا ہے۔ جو کہ جانداروں میں ناخنوں، چرند، پرند وغیرہ میں پنجوں کی شکل میں پایا جاتا ہے اور کھروں والے جانوروں جیسے بکری، گائے، گدھا، گھوڑا اور سور وغیرہ کے کھروں پر موجود خول جو کہ پلاسٹک کا ہوتا ہے اسے ظفرۃ کہتے ہیں۔ یعنی کسی بھی شئے پر موجود سخت پلاسٹک کو ظفرۃ کہتے ہیں۔

اسی لیے قرآن میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے بار بار انسان کو اپنی ہی ذات میں غور وفکر کرنے کا حکم دیا۔ کہ وہ یہ جانیں کہ اسے کیسے اور کس سے خلق کیا۔ اور ساتھ ہی اللہ سبحان وتعالیٰ نے مکمل راہنمائی بھی کر دی یعنی کہ کھول کر بیان کر دیا کہ اسے کیسے اور کس سے خلق کیا۔

یہاں اپنی ہی ذات میں غور وفکر کرنے والی آیات۔۔۔۔

سورت نوح میں انسانوں کو زمین سے اگانے والی آیات۔۔۔۔۔

اسی طرح تم پہلے موت تھے والی آیات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے انسان کو سبزیوں، پھلوں، پھولوں، گھاس پھوس، فصلوں وغیرہ کی شکل میں زمین سے اگایا۔ گھاس پھوس کو دودھ اور گوشت وغیرہ میں تبدیل کیا۔ پھر دودھ اور گوشت وغیرہ سے ہمیں خلق کیا۔ اسی طرح پھل، سبزیوں وغیرہ کو ہمارے جسم کا حصہ بنایا۔ یہ سب زمین میں خام تیل سے ہی خلق ہوتا ہے۔ یعنی ہم جو کچھ بھی زمین پر دیکھتے ہیں، چاہے وہ رنگ ہوں، پھل، سبزیاں، پھول، جڑی بوٹیاں یعنی زمین سے نکلنی والی تمام نباتات ہوں، پرندے، کیڑے مکوڑے یعنی حشرات ہوں یا کسی بھی قسم کے جاندار سب کے سب کو اللہ سبحان وتعالیٰ نے خام تیل کی شکل میں زمین کے اندر رکھ دیا۔ یہ خام تیل اُس

خام مال کا ذخیرہ ہے جس سے اللہ سبحان وتعالیٰ زمین پر حیات وجود میں لاتے ہیں۔
خام تیل سے (Naphtha, Co) وغیرہ نکالا جاتا ہے جسے عربی میں الشعر کہتے ہیں۔
Naphtha سے لاتعداد کیمیکلز بنتے ہیں جن سے پلاسٹک، نائیلون، ربڑ، رنگ وغیرہ سمیت لاتعداد مصنوعات بنائی جاتی ہے۔اور کول سے سڑکیں اور گھروں وغیرہ کی چھتیں بنائی جاتی ہیں۔

کول اور نافتھا کو عربی میں الشعر کہا گیا ہے۔جس شئے میں بھی ان دونوں میں سے کچھ فلیکسی بل پایا جاتا ہے اسے الشعر کہتے ہیں۔

عین. عین عربی میں رنگوں کا ادراک کرنے والے آلے کو کہتے ہیں۔یعنی ہر وہ شئے جس سے دیکھا جا سکتا ہے جو رنگوں کا ادراک کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اسے عین کہا جاتا ہے۔انسان جسم میں اور مختلف جانداروں میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے دیکھنے کو جو آلہ لگایا ہے اسی وجہ سے اسے عین کہا جاتا ہے۔
عین کا ترجمہ آنکھ کیا جاتا ہے جو کہ بلکل غلط ہے۔اس لیے کہ جب اس کا ترجمہ آنکھ کر دیا جائے گا تو آنکھ کے علاوہ ہر وہ شئے جو رنگوں کے ادراک کی حصوصیت کی حامل ہے اس پر اس کا اطلاق نہیں ہوگا۔یعنی مختصر یہ کہ آنکھ میں جو صلاحیت وخصوصیات پائی جاتی ہیں جس شئے میں بھی وہ خصوصیات پائی جائیں اسے عربی میں عین کہا جاتا ہے

طیر. فضا میں تیرنے والی شئے۔ ہر وہ شئے جو فضا میں اڑتی ہے اسے عربی میں طیر کہا جاتا ہے۔ پرندے ہوا میں اڑتے ہیں اسی لیے انہیں بھی طیر کہا جاتا ہے۔

دجّال کا پس منظر

کتاب کے شروع میں اس باب کو یہاں ریلپیس کرنا ہے

رسول اللہ ﷺ نے دجّال کے بارے جس طرح راہنمائی کی اس کو نظرانداز کر کے اپنے اپنے ظن کے مطابق دجّال کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آج تک دجّال کے بارے میں جو عقائد و نظریات تخلیق کیے گئے ان میں حقیقت کا رائی برابر بھی عنصر شامل نہیں وہ محض ظن کے علاوہ کچھ بھی نہیں ان کا علم سے دور دور تک کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر ان میں سے کسی ایک عقیدے کو بھی مان لیا جائے تو نہ صرف قرآن کا انکار ہوتا ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کی بہت سی وہ باتیں جو روایات کی صورت میں ہم تک پہنچی مشکوک بن جاتی ہے۔ جنہیں طرح طرح کی تاویلات پہنا کر، عربی متن کو چھپا کر، روایات کو من گھڑت قرار دے کر تسلی کرنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن پھر بھی ایسا کرنے والے اپنے نظریے کو تقویت پہنچانے میں ناکام رہتے ہیں بلکہ الٹا ان کے نظریات کی بنیادیں مزید کھولی اور واضع ہو جاتی ہیں۔

ان شاء اللہ ہم ہر لحاظ سے اس موضوع کا احاطہ کریں گے تا کہ ہم پر حق واضع ہو جائے۔ کسی بھی معاملے کو سمجھنا آسان ہو جائے ہمیں کسی بھی روایت جو کہ صحیح ہو جھوٹا قرار دینے کی جرأت ہو نہ ہی بے ہودہ قسم کی تاویلات کرنے کی ضرورت پیش آئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فتنہ دجّال کے ضمن جس حکمت کا مظاہرہ کیا وہ کسی بھی طور پر غیر معمولی معجزے سے کم نہیں۔ اور ایسا صرف اور صرف ایسا انسان ہی کر سکتا ہے جس کا براہ راست خالق و مالک والہ اللہ سبحان وتعالیٰ کے ساتھ رابطہ ہو۔ یہ صرف اور صرف اللہ سبحان وتعالیٰ کی راہنمائی ہی سے ممکن تھا اس کے علاوہ یہ ناممکن تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس ضمن میں جو الفاظ استعمال کیے وہ بلکل ایسے ہی ہیں جیسے قرآن میں ہیں جو وقت کی قید سے آزاد اور ہر وقت کا احاطہ کرتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ چاہتے تو ایسے الفاظ استعمال کرتے جو صرف اسی وقت کا احاطہ کرتے جس وقت دجّال نکلتا مگر اس کا کسی بھی سطح پر فائدہ نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اگر رسول اللہ ﷺ ایسے الفاظ استعمال کرتے تو پھر ہر ایک پر واضع ہو جاتا کہ دجّال تو تیرہ صدیوں بعد قیامت کے قریب ہی نکلنا ہے لحاظ تیرہ صدیاں تک کے ایمان لانے والے سے نظر انداز کر دیتے اور کوئی بھی اہمیت نہ دیتے۔ کیونکہ ظاہر ہے اگر آپ آج سے ہزار سال پہلے موجود ہوتے تو آپ دجّال کے حوالے سے بلکل بے فکر ہو جاتے۔

اور دوسری بات یہ کہ آج جب دجّال موجود ہے سب پر اس کی حقیقت عیاں ہوتی اس کے باوجود اگر کوئی اس کے فتنے کا شکار

ہوتا تو اس پر اتمام حجت ہو جاتی لیکن جبکہ یہ فتنہ اتنا سخت ہے کہ دنیا کا کوئی بھی انسان اس سے بچ نہیں سکتا تو پھر اس کا ذکر صرف اسی انداز میں کرنا ہی ہر صورت مفید تھا کہ کسی پر اگر اتمام حجت ہو تو صرف تب ہی جب کہ وہ اس کا حق دار ہو۔
پھر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دجالی قوتیں ایسے واضع علم کو دنیا کے انسانوں تک پہنچنے دیتیں؟
اس کے علاوہ اور بھی بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں اور سب کا جواب صرف اور صرف اسی میں تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ سبحان وتعالیٰ کی طرف سے ایسے الفاظ استعمال کیے کہ دنیا کا کوئی بھی انسان اس فتنے ے ڈر اور خوف سے خالی نہ رہے جس تک اس کی بھنک بھی پڑے۔ اور سب اپنے اپنے وقت میں اس کو سمجھنے اور اس سے بچنے کی فکر میں رہیں یوں ہر وقت کے مومن دجّال سے بچنے کے لیے حق سے چمٹے رہیں۔ دنیا میں ہر وقت کے مومن دجّال کے خروج سے پہلے تک اس وقت کے اعتبار سے ہر اس شئے کو دجّال قرار دیتے اور اس سے بچتے رہے جو شئے بھی انہیں آخرت سے غافل اور دنیاوی مال ومتاع کے قریب کرتی، ہر اس شئے کو دجّال قرار دیتے رہے جس سے دنیا مزین نظر آئے۔ جو دنیا کو مزین بنا دے جس سے انسان آخرت سے غافل ہوں جائیں۔ اور یہی وہ وجہ تھی جس وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ایسے الفاظ استعمال کیے کہ دنیا میں ہر وقت کے مومن دجّال کے فتنے کے ڈر اور خوف کی وجہ سے دنیا کو لات مارتے اور آخرت سے حب کرتے رہے۔
بلا شبہ ہر وہ شئے دجّال ہے جو ایسا دھوکہ ہو جس سے دنیا مزین ہو جائے اور انسان اس زینت کے دھوکے کا شکار ہو کر آخرت کا عملاً انکار کر بیٹھے خواہ زبان سے وہ لاکھوں دعوے کرتا رہے ایمان کے۔
ہر وقت کا دجّال الگ تھا یہ وہ یہ دجّال نہیں تھا جس کا خروج قیامت کے قریب ہونا تھا جو قیامت یعنی دنیا کی تباہی کا باعث بنتا تھا۔ یہ دجّال نہ انسان ہے نہ جن۔ لیکن جو اس سے پہلے دجّال گزرے ہیں وہ ضرور انسانوں میں سے تھے۔ وہ کھانے پینے اور بازاروں میں چلنے کے محتاج تھے۔ جو جنسی حاجات کو پورا کرنے کے محتاج تھے۔ یعنی ہر اس شئے کے محتاج تھے جس کا کوئی بھی انسان محتاج ہو سکتا ہے لیکن وہ دجّال اپنے زمانے کے لحاظ سے اس دجّال سے الگ اور مختلف تھے۔
ان تمام دجّالوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے جو الفاظ استعمال کیے اس سے واضع کر دیا کہ وہ انسان ہوں گے۔ جیسا کہ ہم درج ذیل روایات میں دیکھ سکتے ہیں۔

دجالوں کے حوالے سے روایات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی صفات سے بھی آگاہ کر دیا۔ یہ دین کو بدلیں گے۔ ان دجّالوں کے بارے میں قطعاً یہ نہیں کہا کہ یہ بارش برسائیں گے، یہ زمین سے اگائیں گے یا یہ زمین کو اپنے خزانے نکالنے کا حکم دیں گے۔

لیکن ان کے برعکس جو دجّال قیامت کے قریب ظاہر ہوگا اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے جو ہماری رہنمائی کی ہمیں اسے الگ رکھ کر سمجھنا پڑے گا۔قربِ قیامت کے دجّال جو قیامت کا سبب بنے گا کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ روایات کو کسی بھی صورت اس سے پہلے گزرنے والے دجّالوں کے حوالے سے روایات کو خلط ملط نہیں کیا جا سکتا۔اگر ہم ایسا کریں گے تو لامحالہ گمراہی کا شکار ہوں گے۔

ہمیں ہر بات کو سمجھنے سے پہلے یہ ضرور ذہن میں رکھنا ہوگا کہ ہمارے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ۱۴۰۰ سالوں سے زائد مدت کا فرق ہے۔اور جو رویات ہم سے پہلے گزرنے والے زمانوں کے لیے تھیں ہمیں ان کو الگ رکھنا پڑے گا۔ایسا ہرگز نہیں کہ سب کی سب رویات صرف قربِ قیامت کے انسانوں کے لیے تھیں باقی جو ان سے پہلے تھے ان کی راہنمائی کے لیے کچھ تھا ہی نہیں۔ہر وقت کے تقاضے الگ الگ ہوتے ہیں۔انہیں بھی ضرور ذہن میں رکھنا ہوگا۔

یہاں ابن صیاد والی روایات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن صیاد کے بارے میں قسمیں کھاتے کہ یہی دجّال ہے نہ صرف عمر فاروق رضی اللہ عنہ بلکہ بہت سے اصحاب رسول رضوال اللہ اسے دجّال سمجھتے اور کہتے تھے۔اس کی وجہ صرف اور صرف یہی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے دجّال کے بارے میں راہنمائی ہی اسی طرح کی جو ہر وقت کا احاطہ کرے۔ہر وقت کا انسان خود کو قیامت کے قریب تصور کرے اور دجّال سے بچنے کے لیے فکر مند رہے۔

رسول اللہ ﷺ کے سامنے ابن صیاد کو دجّال کہا جانا اور رسول اللہ ﷺ کا خاموش رہنا قطعاً اس بات کا ثبوت نہیں کہ ابن صیاد ہی وہ دجّال تھا اور خود اللہ کے نبی کو اس وقت اس کا علم نہیں تھا اور پھر اس سے یہ ثابت کیا جا سکے کہ ابن صیاد چانک انسان تھا تو دجّال بھی انسان ہی ہوگا۔

کسی بھی معاملے میں رسول اللہ ﷺ کی خاموشی اس بات کا ثبوت نہین کہ وہ کام حلال یا جائز ہو جاتا ہے یا حلال یا جائز ہے۔ بلکہ جب ہم ایسا نظریہ قائم کریں گے تو لامحالہ ہم رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کا انکار کر رہے ہوتے ہیں۔نبی کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ سبحان و تعالیٰ کی مرضی کے مطابق گزرتا ہے۔نبی ہر لمحے نبوت کی پوری زندگی اللہ کی ہدایات کا محتاج ہوتا ہے۔نبی کو خود علم نہیں ہوتا کہ اس نے اگلے لمحے کیا کرنا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے نبی کو باقیوں کے لیے بہتر نمونہ یعنی اسوہ حسنہ بنانا ہوتا ہے۔

ہم شراب اور سود کی ہی مثال لے لیتے ہیں۔شراب کی حرمت کا اعلان ہجرت کے چوتھے سال کیا گیا۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے

کہ کیا رسول اللہ ﷺ کو اس سے پہلے شراب کی حرمت کا علم نہیں تھا؟

رسول اللہ ﷺ کو شراب کی حرمت کا علم تھا اسی لیے تو انہوں نے خود نہ پی لیکن انہیں اس بات کا بھی علم تھا کہ وہ اللہ کے نبی ہیں۔ بے شک شراب حرام ہے لیکن اس کی حرمت کا اعلان تب ہی کیا جائے گا جب اس کا وقت آئے گا اور وہ وقت کب آئے گا اس کا سب سے بہتر علم اللہ سبحان وتعالیٰ کو ہی ہے۔ جب اللہ سبحان وتعالیٰ نے شراب کی حرمت کا اعلان کرنے کو کہا تب اعلان کیا نہ کہ اس سے پہلے۔

لیکن اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے ذریعے اللہ سبحان وتعالیٰ اس وقت کے مومنوں کو اس مقام پر لے کر آئے جہاں پر آ کر شراب کو بھی ترک کرنا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی پوری زندگی میں شراب سونگھی تک نہیں بچپن میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے اس سے محفوظ رکھا اور جب باشعور ہوئے تو انہیں خود اس بات کا علم تھا کہ شراب حرام ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے بہت سے اصحاب ایسے تھے جنہوں نے پہلے شراب نہ پی۔ اور بہت سے ایسے تھے جو شراب کی حرمت کے اعلان سے پہلے ہی اسے ترک کر چکے تھے۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ اس مقام پر پہنچ چکے تھے جہاں پر شراب انسان کے لیے اس طرح حرمت والی ہو جاتی ہے کہ پھر اگر وہ فعل انجام دیا جاء گا تو سزا ملے گی۔ لیکن یہ انفرادی سطح پر معاملہ تھا نہ کہ مجموعی سطح پر۔

اب ایسے ہی اصحاب رسول میں سے کچھ اگر کسی ایسے موقعہ پر سوال کرتے یعنی کہ ابھی شراب کی حرمت کا اعلان نہیں ہوا لیکن انہیں اس کا علم ہو چکا ہے کہ شراب حرام ہے لیکن جب وہ عام سطح پر لوگوں کو شراب پیتا دیکھتے تو رسول اللہ ﷺ سے اگر عام لوگوں کے سامنے سوالکرتے تو رسول اللہ ﷺ خاموش رہتے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی کہ وہ اللہ کے حکم کے محتاج ہیں۔ اس سے پہلے اگر ہاں کریں گے تو فائدے کی بجائے الٹا نقصان ہوگا کیونکہ ابھی معاشرہ اس سطح پر نہیں پہنچا کہ شراب کی حرمت کا عام اعلان کر دیا جائے اور اگر ایسا کیا گیا تو فائدے کی بجائے نقصان، یعنی اصلاح کی بجائے الٹا فساد ہوگا اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ خاموش رہتے۔ اور پھر ایسے اصحاب رسول اس خاموشی سے سمجھ جاتے اور اپنے سوال پر اصرار نہ کرتے۔

پھر نہ ہی رسول اللہ ﷺ انکار یعنی نہ کرتے کیونکہ جو شئے حرام ہے اس کو حلال کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس لیے اللہ سبحان وتعالیٰ کے نبی نہ ہاں اور نہ ہی ہاں کرتے خاموش رہتے۔ لیکن جب ایسے کسی معاملے میں کسی ایسے شخص کی طرف سے سوال ہوتا جو براہ راست رسول اللہ ﷺ کی بجائے اصحاب رسول سے ایسی بات سنتا اور یقین نہ ہونے کی وجہ سے وہ سوال کرتا اور رسول اللہ ﷺ خاموش رہتے اور اس کے بار بار اصرار کرنے پر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ بھی ہو جاتا۔ اور ایسا ہو بھی کیوں نہ۔

جب کہ آپ کو اس بات کا علم ہے کہ جو کام آپ کی آنکھوں کے سامنے کیا جا رہا ہے وہ نقصان دہ ہے اور پھر سوال کرنے والا اس غرض سے سوال کر رہا ہے کہ جب اللہ کے نبی کے سامنے ایک کام کیا جاتا ہے اور وہ منع نہیں کر رہے لیکن ان کے علاوہ کوئی اور یہ کہتا ہے کہ وہ کام حرام ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ حرام نہیں اسی اطمنان کے لیے سوال کرتا ہے تو پھر انسان کوئی بھی ہو وہ بشر ہے اسے غصہ آئے گا۔ کہ ہاں نہیں کی جاسکتی کیونکہ ابھی ہاں کرنے کا وقت نہیں اور نہ ہی نہ کی جاسکتی ہے کیونکہ جو شئے حرام ہے اس کے حرام ہونے کا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے۔ اور سامنے والا اصرار پر اصرار کرے تو غصہ ہی آتا ہے۔

اسی طرح سود کا معاملہ ہے۔ نبوت کے آکری سال سود کی باقاعدہ حرمت کا اعلان کیا گیا۔ اس سے پہلے ۲۳ سال تک سود کھایا جاتا رہا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ کے نبی ﷺ کو اس کا علم نہیں تھا؟

اللہ کے نبی کو اس کا علم تھا لیکن رسول اللہ ﷺ کو یہی بھی علم تھا کہ ہر کام کا اپنا ایک وقت ہوتا ہے جب تک کہ اس کا وقت نہیں آجاتا تب تک وہ کام نہیں کیا جاسکتا اس لیے اس سے پہلے سود اللہ کے نبی کے سامنے کھایا جاتا رہا لیکن وہ معاشرتی سطح پر کسی کو منع نہیں کرتے تھے الا یہ کے انفرادی سطح پر جو اس مقام تک پہنچ جاتا کہ اس کے بعد اگر وہ سود کھائے گا تو اس کی پکڑ ہوگی۔

لیکن جب عام معاشرتی سطح پر اللہ کے نبی سے سود کے بارے میں سوال کیا جاتا تو اللہ کے نبی خاموشی اختیار کرتے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ کے نبی محمد رسول اللہ ﷺ جانتے تھے کہ سود کی حرمت کا اعلان کرنے سے پہلے جو کام کرنے درکار ہیں جب تک وہ نہیں کر لیے جاتے تب تک سود کی حرمت کا اعلان نہیں کیا جاسکتا۔ اور اللہ سبحان وتعالیٰ کو ہی اس کا بہتر علم ہے اور وہ الحکیم بھی ہے۔

یہ اللہ کا قانون ہے کہ علم کو اگر حکمت سے استعمال نہیں کیا جائے گا تو وہی علم انسان کے لیے تباہی کا باعث بنتا ہے۔ اور حکمت کہتے ہیں ہر شئے کو اس کے مقام پر رکھنا۔ صرف علم کا ہونا ہی انسان کے لیے کافی نہیں ہے جب تک کہ حکمت نہ ہو۔ ورنہ اس کی مثال بلکل ایسے ہی ہوگی جیسے کہ بندر کے ہاتھ میں ماچس۔ اسے یہ تو علم ہے کہ اس کے ہاتھ میں جو شئے موجود ہے اس سے آگ لگائی جاتی ہے لیکن یہ علم نہیں کہ کس شئے کو، کب اور کہاں آگ لگائی جاتی ہے اس لیے وہ ہر شئے کو جلا کر راکھ کر دے گا۔

بلکل اسی طرح دو قسم کے اصحاب رسول ہی ابن صیاد یا اس کی طرح اوروں کی طرح کے سوالات کرتے رہے ایک وہ جو سمجھتے تھے کہ دجّال انہی کی زندگیوں میں آئے گا اور دوسرے وہ جو جاتے تھے یہ ہر دور کا دجّال الگ ہے۔ ان تمام دجّالوں میں قرب قیامت کا دجّال بلکل مختلف ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ کا ابن صیاد کے بارے میں یہ کہنا کہ ابن صیاد ہی دجّال ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا عمر رضی اللہ عنہ کو اس

بات کاعلم نہیں تھا کہ دجّال تو مدینہ میں داخل ہی نہیں ہوسکتا لیکن ابن صیاد پیدا ہوا، پلا بڑا اور رہ بھی اس وقت کے مدینہ میں رہا تھا۔اگر انہیں اس بات کا علم تھا تو پھر اس کے باوجود انہوں نے ایسا سوال کیوں کیا؟

کیوں کہ جب انہیں اس بات کا علم تھا کہ دجّال مدینہ میں داخل نہیں ہوسکتا اور ابن صیاد ہی دجّال ہے تو وہ دجّال کیسے ہوسکتا ہے وہ تو مدینے میں ہے۔

اس کا جواب بھی روایات کا بغور مطالعہ کرنے سے ہوجاتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کو اس وقت اس بات کا علم نہیں تھا کیونکہ اگر اس وقت اس بات کا علم ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ایسا ہرگز نہ کہتے کہ اگر یہ وہی ہے تو اسے عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ہی قتل ہونا ہے تم اسے نہیں پاسکتے۔اور اس سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس وقت یہ علم تھا کہ دجّال کون ہے اور کیا ہے۔اسی لیے تو رسول اللہ ﷺ نے ایسا کہا۔

لیکن اس علم کے باوجود جو اصحاب رسول ابن صیاد کے دجّال ہونے کی قسمیں کھاتے تو اس سے مراد وہ قرب قیامت والا دجّال نہیں بلکہ اس وقت کا دجّال ابن صیاد تھا۔جس کا شمار ان دجّالوں میں تھا جو قرب قیامت کے دجّالوں سے پہلے ظاہر ہوں گے۔کیونکہ اگر یہ مان لیا جائے کہ اصحاب رسول ابن صیاد کو قرب قیامت والا دجّال ہی سمجھتے تھے تو کیا اس سے پہلے، تیس، ستر، چھہتر، چالیس، تین یا اس سے زائد دجّال ظاہر ہو چکے تھے؟

نہیں تو پھر وہ کیسے ابن صیاد کو قرب قیامت والا دجّال کہہ سکتے ہیں؟

بات کو مختصر کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ہر وقت کا دجّال الگ تھا۔اس وقت کے تقاضے کے مطابق ابن صیاد دجّال تھا لیکن ابن صیاد وہ دجّال نہیں جو قرب قیامت والا دجّال اکبر ہے۔اس وقت کے تقاضے کے مدنظر اگر کسی میں ایسی صلاحیت تھی جو انہیں آخرت سے غافل کرکے دنیا میں مگن کردے تو وہ ابن صیاد میں بخوبی موجود تھی۔اس پر شیاطین جنات کا غلبہ رہتا تھا۔ اس وقت کا غیر معمولی ذہانت کا حامل انسان ابن صیاد ایسی باتیں بتاتا تھا کہ سامنے والے جن کو علم نہ ہوتا ان کو بہکانا، گمراہ کرنا اس کے لیے کوئی مشکل نہیں تھا۔ہم آج ہی کی مثال لے لیتے ہیں۔آج جو کچھ بھی نہیں کرسکتے ان کے بارے میں یہ مشہور کر دیا جاتا ہے کہ فلاں شخص بہت پہنچا ہوا ہے پیر صاحب بہت کامل ہیں تو جاہل تو دور کی بات خود کو پڑھے لکھے کہلانے والے دور جدید کے بڑے بڑے عقل مند بھی اس کے سامنے سجدہ ریز ہوجاتے ہیں۔تو ابن صیاد کا تو معاملہ ہی بلکل الگ تھا۔وہ لوگوں کو ان کے اکیلے انفرادی کیے جانے والے کاموں سے آگاہ کردیتا۔اور اگر آپ نے کوئی کام کیا ہو یا جس کا آپ کے علاوہ انسانوں میں سے کسی کو علم نہیں اور کوئی انسان آپ کو بتادے کہ آپ نے فلاں وقت ایسا کام کیا تو یہ غیر معمولی بات ہوجاتی ہے۔ابن صیاد کو ایسی باتوں کا علم شیاطین جنات اس کی طرف وحی کرتے تھے۔

اس وقت کے تقاضوں کوسامنے رکھتے ہوئے قرآں کی یہ آیت بہت صراحت سے اس کا ذکر کرتی ہے۔
شیاطین کا اپنے اولیا کو وحی کرنے والی
آیت--------------------------

دجالوں کی تعداد والی روایات-------------

اسی طرح وقت گزرتا گیا ہر وقت کے تقاضوں کے مطابق دجال بھی گزرتے رہے۔ وہ چہتر تھے، ستر تھے، چالیس تھے، تیس تھے، تین تھے، اس سے زائد یا اس سے کم وہ سب گزر چکے۔ آج ہم اس وقت میں موجود ہیں جس وقت میں اس دجّال کی موجودگی ناگزیر ہے جس سے تمام کے تمام انبیاء اور محمد رسول اللہ ﷺ نے بہت شدت سے ڈرایا۔
دجال اکبر۔
جس کو سمجھنے کے لیے ہمیں رسول اللہ ﷺ کی اس راہنمائی کو قبول کرنا ہوگا۔ اس پر عمل کرنا ہوگا۔

دجال کھاپی چکا، بازاروں میں گھوم چکا------------------------والی روایت

یعنی وہ دجّال جو کھاتے پیتے تھے پھر جب کھاتے تھے تو کھانے سے جو حاجات لاحق ہوتی ہیں انہیں بھی پورا کرتے تھے، بازاروں میں تمہاری ہی طرح گھومتے پھرتے وہ دجّال گزر چکے۔ اب ایسا ہر گز نہیں کہ تم آج بھی اسی دجّال کی صفات کو سامنے رکھ کر دجّال کو سمجھنے اور پہچاننے میں لگے رہو۔ جان لو اگر تم نے ایسا کیا تو تم دجّال کو نہ صرف کبھی بھی جان نہیں پاؤ گے بلکہ الٹا اس کو اپنا رب بنائے ہوئے ہو گے۔

دجّال کو جنم نہیں دیا جائے گا-------------------
وہ دجّال جو کسی کی اولاد تھے وہ گزر چکے لیکن جو دجّال اکبر ہے جس کی وجہ سے قیامت آئے گی جو ربّ بنے گا لوگوں کو اپنی غلامی کی دعوت دے گا۔
دجال کا کہنا کہ میں تمہارا رب ہوں والی روایات------------

دجّال کہے گا کہ میں تمہارا ربّ ہوں۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیسے کہے گا کہ میں تمہارا ربّ ہوں اور پھر اس پر ایمان کیسے لایا جائے گا یا اس کا کفر اللہ کے ربّ ہونے پر ایمان کیسے لایا جائے گا؟

اس میں سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ وہ کہے گا کہ میں تمہارا ربّ ہوں۔یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارا ربّ کون ہے؟

ہمارا ربّ اللہ سبحان وتعالیٰ کی ذات ہے۔

ہمارا ربّ اگر اللہ سبحان وتعالیٰ کی ذات ہے تو ضرور اللہ سبحان وتعالیٰ نے بھی کہا ہو گا کہ میں تمہارا ربّ ہوں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ ہمارے ربّ کس طرح ہیں۔اللہ سبحان وتعالیٰ کا یہ دعویٰ کرنا کس طرح سے ہے؟ جب تک ہمیں ان سوالات کے جوابات نہیں ملیں گے تب تک ہم دجّال کو نہیں پہچان سکتے۔تب تک ہم اللہ کے علاوہ اوروں کو جانے یا انجانے میں اپنا ربّ بنا بیٹھیں گے خواہ ہم کتنے ہی مخلص کیوں نہ ہوں۔

آپ اگر اپنی زندگی میں غور وفکر کریں کہ کبھی ایسا ہوا ہو کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے آپ کو براہ راست آپ کی زبان میں یہ کہا ہو کہ میں تمہارا ربّ ہوں؟ تو کیا کبھی ایسا ہو؟

ایسا کبھی نہیں ہوا۔ہمیں سب سے پہلے یہ جاننا ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ ہمارے ربّ کس طرح ہیں۔اس کے لیے ہم لفظ ربّ کے معنی کو جان لیتے ہیں۔

ربّ۔ربّ کہتے ہیں ایسی ذات جو خلق کرے، خلق کر کے مخلوق کو اس کی تمام ضروریات بھی خلق کر کے اسے مہیا کرے اور جس مقصد کے لیے اسے خلق کیا اس پر وہ مقصد واضع کو کے اسے اس مقصد کو پورا کرنے کا حکم دے۔اگر مخلوق وہ مقصد پورا کرے تو اس کو اس کا بدلہ حسن دے اور اگر اس میں کوئی کمی، کوتاہی، سستی، لاپرواہی کرے یا سرے سے ہی انکار کر دے تو اس کو اس کی سزا بھی دے۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے جب ہمارا وجود نہیں تھا تو ہمیں خلق کیا۔

کیسے خلق کیا؟ اس کے لیے قرآن میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے بار بار غور وفکر کرنے کا حکم دیا۔جب ہم اپنی ہی خلق میں غور وفکر کریں تو ہم پر باقاعدہ واضع ہو جاتا ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے ایک منظّم نظام کے تحت ہمیں خلق کیا۔یعنی اس نظام کے تحت

جو نظام اللہ سبحان وتعالیٰ نے کسی بھی مخلوق کو خلق کرنے کے لیے وضع کیا اگر کوئی مخلوق اس نظام کے تحت خلق ہو گی تو اس کا ربّ اللہ سبحان وتعالیٰ کی ذات ہے۔ اور اگر اس کے علاوہ کسی اور نظام، طریقے یا ذریعے سے کوئی شئے خلق کی ہوتی ہے جو اللہ کا وضع کردہ نہیں تو اس کا ربّ اللہ کی بجائے کوئی اور ہو گا۔

پھر اللہ سبحان وتعالیٰ ہمیں خلق کر کے ہمیں ہماری تمام ضروریات مہیا کرتے ہیں۔ ہمیں کھانے پینے کو جو بھی چاہیے وہ اللہ سبحان وتعالیٰ خلق کر کے ہمیں مہیا کرتے ہیں جب ہم اس میں بھی غور و فکر کریں تو ہم پر واضع ہو جاتا ہے کہ کیسے اللہ سبحان وتعالیٰ ہماری ضروریات خلق کر کے ہمیں مہیا کرتے ہیں۔

اس کے لیے اللہ سبحان وتعالیٰ نے ایک نظام وضع کر دیا۔ جس کے مطابق زمین میں بیج بویا جاتا ہے اس میں سے فصل نکلتی ہے اور ایک نظام کے تحت ہم تک پہنچتی ہے۔ کوئی بھی شئے خلق کرنے کے لیے اللہ سبحان وتعالیٰ نے مختلف مخلوقات کو ان کی ذمہ داری سونپ دی جس میں انسان کو یہ ذمہ داری دی گئی کہ اس نے صرف اور صرف زمین میں ہل چلا کر اس میں بیج بونا ہے اور اس کے بعد جب فصل تیار ہو جائے گی تو اسے کاٹ کر محفوظ کر لینا ہے۔

اسی طرح باقی ضروریات کے لیے بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے ایسا ہی نظام وضع کر دیا۔ جس کے مطابق ایک لوہار اوزار بنائے، جولاہا کپڑا بنے، ترکھان لکڑی وغیرہ سے ضرورت کا سامان تیار کرے، کمہار برتن بنائے اسی طرح انسانوں کو مختلف قبیلوں میں تقسیم کر دیا ہر قبیلہ اپنا اپنا کام کرے اس کے بعد وہ آپس میں ایک دوسرے سے لین دین کر کے دنیا میں جس مقصد کے لیے بھیجا اسے پورا کریں۔ کسی نے بھی اپنی حد سے تجاوز نہیں کرنا۔ اس طوح تمام انسانوں کا اپنا اپنا معاش ہو گا وہ ایک دوسرے کے محتاج ہوں گے۔ ان کا ایک دوسرا کا اس طرح محتاج ہونا ہی گویا کہ اللہ کا محتاج ہونا ہے کیونکہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے اپنے ربّ ہونے کا یہی نظام وضع کر دیا۔

اسی طرح اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہمارے سواری کے ذرائع خلق کیے۔ جن میں گدھا، گھوڑا، اونٹ وغیرہ ہیں۔

ہماری خوراک کے لیے مختلف پھل، سبزیاں، پھولو غیرہ فطرت پر اگائے۔ ہمارے رہن سہن کے طور طریقے وضع کر دیئے۔ اسی طرح اللہ سبحان وتعالیٰ نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی عذاب دیں گے ہر ایک کا حساب کتاب ہو گا۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے انسانوں کی راہنمائی کے لیے اپنے انبیاء بھیجے۔ انبیاء، نبی کی جمع ہے اور نبی نبا سے ہے نبا کہتے ہیں خبر کو اور نبی کہتے ہیں خبر دینے والے کو۔ کہ تمہارے لیے کیا فائدہ مند ہے کیا نقصان دہ ہے، کیا کھانا ہے اور کیا پینا ہے، کیس کھانا ہے اور کیسے پینا ہے، کیا اگانا ہے اور کیسے اگانا ہے، معاش کیسا ہو گا اور کا طریقہ کیا ہو گا، حتیٰ کہ اٹھنے بیٹھے سمیت دنیام میں کس

مقصد کے لیے بھیجے گئے سب کے سب کی خبر دے۔

اب اللہ کے علاوہ کوئی بھی ایسی ذات جو ایسے کام کرتی ہے، کرے گی یا کر رہی ہے وہی دجّال اکبر ہے۔ کیونکہ جو صفات دجّال اکبر کی ہیں وہ اس کے علاوہ باقی کسی دجّال کی نہیں ہیں۔

یہ ہے اللہ سبحان وتعالیٰ کا ربّ ہونا۔

آج ہم اپنی زندگی میں نگاہ دوڑائیں اگر تو ہم ان شرائط پر پورا اترتے ہیں تو واقعتاً ہمارے ربّ اللہ ہیں اور اگر نہیں تو ہمارا ربّ اللہ نہیں بلکہ ہم نے اللہ کے علاوہ کسی اور کو اپنا ربّ بنایا ہوا ہے خواہ ہمیں اس کا اندازہ ہو یا نہ ہو۔ خواہ ہم اسے تسلیم کریں یا نہ کریں۔ خواہ ایسا جان بوجھ کر کر رہے ہیں یا انجانے میں وجہ کوئی بھی ہو زبان سے ہم بے شک رات دن ایک کیے رہیں کہ ہمارا ربّ اللہ ہے لیکن ہم اللہ کو دھوکہ نہیں دے سکتے وہ سبحان ہے۔ ہم خود کو دھوکا دے سکتے ہیں اور دے رہے ہوں گے۔

وصفته أنه افحج، اصهب، مختلف الخلق، مطموس العين المنى، احدى يديه أطول من الاخرى، يغمس الطويلة منها فى البحر، فيبلغ قعره، فتخرج من الحيتان، يسير اقصى الارض وادناها فى يومين، خطوته مد بصره، وتسخر له الجبال والأنهار والسحاب، وياتى الجبل فيقوده يدرک زرعه فى يوم، ويقول للجبال: تنحى عن الطريق فتفعل، ويحىء الى الأرض فيقول: اخرجى ما فيک من الذهب، فتلفظه كاليعاسيب وكأاعين الجراد، ومعه نهر ماءٍ، ونهر نارٍ، وجنة حضراء، ونار حمراء، فناره جنة، وجنة نار، وجبل من خبز، من ألقاه ماره لم يحترق. نعيم بن حماد

....

بين أذنى حمار الدجال اربعون ذراعاً، وخطوة حماره مسيرة ثلاثة أيام، يخوض البحر على حماره كما يخوض احدكم الساقية على فرسه. نعيم بن حماد

....

اذن حمار الدجال تظل سبعين ألفاً. نعيم بن حماد

دجال کے کانوں کا سایہ ستر ہزار ہوگا۔

صرف ستر ہزار کا ہندسہ آیا ہے ساتھ فٹ یا گز کا لفظ نہیں۔عربی کا اصول ہے جب کسی شئے کے قل کا ذکر کرنا مقصود ہوتا ہے تو اسی طرح کہا جاتا ہے جس سے مراد اس سے متعلق سب کے لیے حکم یا بات ہوتی ہے۔اسی اصول کے تحت اس شئے کے اول تا

آخر میں جس سطح پر بھی ستر ہزار کا ہندسہ پایا جائے گا وہ سب مراد ہوگا۔اس کے علاوہ پہلے ادوار میں ستر ہزار سے مراد بہت بڑی مقدار یا تعداد مراد ہوتی تھی جیسے آج ہم لاکھوں،، کروڑوں، اربوں یا کھربوں جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

اگر دجال کا گدھا کھڑا ہوگا تو اس کا سایہ ستر ہزار ملی میٹر جو کہ ستر میٹر بنتا ہے ہوگا۔اور پھر جیسے جیسے وہ آسمان میں بلند ہوتا جائے گا سایہ بھی بڑھتا جاتا ہے اور جب وہ سفر کرے گا تو اس کے ایک قدم سے دوسرے قدم کے فاصلے کا سایہ ہزاروں کلومیٹر میں بن جائے گا۔

یعنی ہر لحاظ سے یہ روایت ہوائی جہاز پر صادق آتی ہے۔

درج ذیل روایت بہت گہری ہے۔ ابوداؤد جلد۴ صفحہ ۳۰۷ حدیث ۴۳۲۰

رسول اللہ ﷺ نے کہا اس میں کچھ شک نہیں تحقیق کہ میں نے تمہیں دجال کے بارے میں تمام واقعات جو پیش آئیں گے بتا دیئے اس کے باوجود مجھے خشی ہے (خشی ایسے پیش آنے والے خطرے کو کہتے ہیں جس کے پیش آنے میں کوئی شک نہ ہو جو ضرور ہو کر رہے گا) کہ وہ تمہاری عقل میں نہ آئے۔اس میں کچھ شک نہیں مسح کرے گا دجّال مرد ہوں گے قصیر ہوگا، جوڑوں و ہڈیوں وغیرہ میں ٹیڑھ پن، خرابیاں، معذوری ہوگی،۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس روایت میں رسول اللہ ﷺ نے جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ انتہائی حیران کن اور چونکا دینے والے ہیں۔اس روایت میں رسول اللہ ﷺ کے استعمال کیے گئے تمام الفاظ انتہائی وسیع المعنی الفاظ ہے۔اور پھر دوسری بات جو اس سے بھی بڑھ کر چونکا دینے والی ہے وہ یہ کہ اگر ان الفاظ پر تحقیق کریں تو آپ کے سامنے جو معنی آئیں گے وہ اگر انسان میں ایمان کی رائی بھی ہو تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکال دینے والے ہیں۔ہم ان الفاظ کے معنی اور پھر ان کی تفصیل بیان کریں گے۔

مسیح الدجّال مسیح کے معنی مسلسل مسح کرنے کے ہیں۔مسح کہتے ہیں چھو کر اثر انداز ہونے کے۔عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مسیح کہا گیا ہے اس وجہ سے کے وہ بھی چھو کر اثر انداز ہوتے تھے۔یعنی ان کے مسح کرنے سے جس کو مسح کرتے اس میں خامی دور ہو جاتی۔مسح کیسے کیا جاتا ہے اس کو بھی کھول کر سمجھنا بہت ضروری ہے۔مثال کے طور پر آپ کو کوئی شخص کچھ کھانے کو دے جب آپ نے وہ کھانا کھایا اس کھانے سے جو آپ کے جسم پر اثرات مرتب ہوں گے وہ اس شخص کا آپ کو مسح کرنا کہلائے گا۔ اسی طرح اگر آپ کو کوئی شخص کوئی شئے پہننے کے لیے دے اس کے پہنے سے آپ کے جسم پر جو اثرات مرتب ہوں اسی طرح

آپ کو کوئی شخص کوئی بھی شئے دے جسے استعمال کرنے سے آپ پر کوئی اثرات مرتب ہوں یہ مسح کرنا کہلاتا ہے۔

دجّال کے معنی پیچھے گزر چکے۔عیسیٰ علیہ السلام جب کسی کو مسح کرتے تو اس میں موجود خامی وخرابی دور ہو جاتی۔ وہ جو اصل رب ہیں اللہ ان کے مسیح تھے لیکن ان کے کے برعکس اس دجّال کے مسح کرنے سے جس شئے کو بھی مسح کرے گا اس میں خامی وخرابی پیدا ہو گی کیونکہ یہ اصل رب نہیں یہ دجل رب ہے۔

یهاں مسح کے معنی تفصیل سے . المعنی ویب سائٹ سے .... پھر اسی کے مطابق مزید وضاحت..........

رجل قصیر.

رجل". زیادہ مرد

قصیر . یہ لفظ بہت وسیع المعنی ہے۔اس کے چند معنی جو باقی معنوں کی وضاحت کر دیں ان کو یہاں بیان کرتے ہیں۔

کسی بھی طرح سے کسی بھی سطح پر کمی یا کم کر دینا۔ مثلا ایک کام جو ایک دن میں ہو اس کا وقت ایک دن کی بجائے کم کر دینا، لمبا سفر چھوٹا کر دینا۔یعنی جو سفر سال مین ہو وہی مہینے، ہفتے یا دن میں کرنا۔

پوری کوشش کے باوجود کام کا جو معیار درکار ہو کے مطابق کام نہ کر پانا، معیار میں کمی ہو جانا۔

جو بھی کام کرنا اس میں خامی، خرابی، کمی، نقص یا عیب وغیرہ کا لازم ہونا۔

کام کرنے والے حصوصاً نوجوان یعنی قوت والے مردوں کا خلاف قانون کام کرنا جس سے مالک کی املاک میں کمی، خرابی و نقصان واقع ہو۔

جس میں خامی وخرابی سے پاک خلق کرنے کی صلاحیت سرے سے ہی موجود نہ ہو۔یعنی بغیر کسی عیب ونقص کے نہ خلق کر سکنا۔

جس شئے میں بھی چھیڑ چھاڑ کی جائے اس کو عیب، نقص، خامی وخرابی زدہ کر دینا۔

شئے کے معیار و خالص پن میں کمی کر دینا۔

کسی بھی شئے میں کسی نہ کسی سطح پر کمی کر دینا۔خرابی، نقص یا عیب وغیرہ پیدا کر دینا۔

جو بھی بنانا وہ ہر طرح سے مکمل نہ ہونا اس میں کسی نہ کسی کمی کا ضرور رہ جانا۔

افحج. کسی بھی شئے میں ٹیڑ پن کا ظاہر ہونا یا معذوری کا پیدا ہونا۔مثلاً ہڈیوں، ہاتھ، پاؤں، ٹانگوں وغیرہ میں ٹیڑ پن ہونا یا کوئی معذوری ہونا۔

دجّال جسے بھی مسح وہ اپج ہوجائے گی یعنی جس شئے میں بھی چھیڑ چھاڑ کرے گا اس میں معذوری یا ٹیڑ پن وغیرہ ظاہر ہوگا۔

اپج کی تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اپج فولڈر سے

تصاویر کے بعد دنیا میں ڈس ایبل، ابنارمل انسانوں کی تعداد۔

دنیا کی مجموعی آبادی کا ۹۶ فیصد سے زیادہ لوگ کسی نہ کسی بیماری کا شکار ہیں۔ دنیا کی مجموعی آبادی کا پندرہ فیصد آبادی یعنی ایک ارب سے زائد انسان کسی نہ کسی معذوری کا شکار ہیں۔ چھ ارب سے زائد انسان موٹاپے یا پیٹ بڑھنے کی بیماری کا شکار ہیں۔ اور اس سب کی وجہ دنیا میں فضاء کی آلودگی اور خوراک ہے۔

امریکہ میں مجموعی آبادی کا تقریباً ۱۹ فیصد لوگ معذور ہیں۔ اور تقریباً پوری آبادی ہی کسی نہ کسی بیماری کا شکار ہے۔

آسٹریلیا کی سرکاری دستاویزات کے مطابق آسٹریلیا میں معذور انسانوں کی تعداد چالیس لاکھ سے زیادہ ہے۔ جن میں ۳۴ لاکھ سے زیادہ جسمانی طور پر معذور ہیں۔ ہر چھ میں سے ایک آسٹریلوی شہری بہرے پن کا شکار ہے۔ اور تیس ہزار سے زیادہ شہری مکمل طور پر بہرے ہیں جو کچھ بھی نہیں سن سکتے۔ مجموعی آبادی کا دس فیصد لوگوں کو سیکھنے، پڑھنے اور الفاظ کو سمجھنے میں مشکل کا سامنا ہے۔

جعد. اس میں آسمان پر جو بادل لہروں کی شکل میں نظر آتے ہیں وہ بھی بتاتا ہے کہ وہ بھی دجال کا ہی کام ہے موسموں میں مداخلت ہارپ کے ذریعے۔ لفظ جعد کی تفصیل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اعور. ایک آنکھ سے اندھا ہونا۔ کسی بھی شئے کا دونوں کی بجائے ایک ہی رخ دیکھ پانا۔ کوئی بھی کام ایک رخ سے کرنا اور دوسرے رخ سے مکمل طور پر نہ کر پانا۔ جو کام بھی کرنا اس میں فائدے کی بجائے نقصان بھی ہونا۔ اگر دائیں آنکھ سے اندھا ہو تو اس کے معنی جو کام کرنا اس میں فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہونا۔ بائیں آنکھ سے اندھا ہونا کے معنی جو بھی کام کرنا اس میں نقصان کم اور فائدے زیادہ ہونا۔

لیس باعور. ایک آنکھ کے ساتھ نہیں۔ یعنی جو بھی کام کرنا وہ دونوں طرف سے مکمل کرنا۔ ہر لحاظ سے فائدہ مند، نقص سے پاک، بے عیب ہو جس میں صرف حمد ہی حمد ہو۔ ہر شئے کے دونوں رخ دیکھنا وغیرہ۔

مطموس العین.

مطموس. چھاپہ سازی، کتاب سازی، پبلشنگ، پرنٹنگ، لیتھوگرافی، ویڈیوگرافی، نشر و اشاعت۔

العین. رنگوں کا ادراک کرنے والا آلہ، دیکھنے والا آلہ۔

مطموس العین. ایسے دیکھنے کے آلات جنہیں جو دکھایا جائے اسے چھاپ دیں، مصوری کی صورت میں محفوظ کر

دیں، ایسے آلات جن سے دیکھ کر جو دیکھا جائے اسے کتب کرنا یعنی اسی حالت میں چھاپ لینا۔ ایسے آلات جو کسی بھی شئے کو دیکھ کر انہیں مصوری میں تبدیل کردیں یعنی ویڈیو، تصاویر اور پرنٹنگ کی صورت میں محفوظ کردیں۔

یہاں کیمروں اور ان کی آنکھ کی تصاویر، تھری ڈی گوگلز، عینکوں کی تصاویر، پرنٹرز اور لیتھوگرافی کی تصاویر وغیرہ۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس روایت کے ایک ایک لفظ کے معنی تفصیل سے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

احدى عينيه مطموسة، والاخرى ممزوجة بالدم، كأنها الزهرة. نعيم بن حماد

ایک دیکھنے کا آلہ اس کا مطموسہ اور دوسرا خون سے مختلف مکس شدہ جیسے وہ چمکتا ہوستارہ

مطموس کی وضاحت پچھلی روایت میں گزر چکی اس روایت کے دوسرے حصے کو سمجھیں گے۔

ممزوجة. ایک سے زیادہ اشیاء کا آپس میں احتلاط ہونا، مکس ہونا

دم کہتے ہیں رنگدار محلول جیسے انسان میں جو اس طرح کا رنگدار محلول پایا جاتا ہے جس میں مختلف اجزاء موجود ہوتے ہیں اس کا رنگ سرخ ہوتا ہے جسے خون کہتے ہیں اسی طرح درختوں میں مختلف رنگوں کا ہوتا ہے، زمین میں کالے رنگ کا ہوتا ہے اسی طرح مختلف مخلوقات میں خون کا رنگ مختلف ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کا دوسرا دیکھنے کا آلہ مختلف رنگدار محلولوں والا ان کا آپس میں احتلاط کرنے والا جیسے چمکتا ہوا ستارہ ہوتا ہے ہوگا۔

اس روایت کے پہلے حصے میں **عينيه مطموسه** کا ذکر ہے اور مطموس کے معنی درج ذیل ہیں۔

مطموس. چھاپہ سازی، کتاب سازی، پبلشنگ، پرنٹنگ، لیتھوگرافی، ویڈیوگرافی، نشر و اشاعت۔

دوسری آنکھ بھی اس کی چھاپہ سازی، پرنٹنگ، لیتھوگرافی، اشاعت کی ہوگی لیکن اس میں حصوصیت یہ ہوگی کہ اس میں ایک تو مختلف رنگوں کے خون مکس شدہ موجود ہوں گے اور دوسرا وہ چمکتے ہوئے سفید ستارے کی طرح ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ کے ان الفاظ سے رائی برابر بھی شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ یہ جدید الیکٹرانگ پرنٹرز کا ذکر کیا گیا ہے۔
جن میں بغیر کسی شک وشبے کے مختلف رنگوں کا خون ڈلتا ہے اور وہ اس میں اس وقت مکس ہوتا ہے جب وہ رات کو نظر آنے والے سفید ستاروں میں سے ستارے کی طرح چمکتا ہے۔
جب کوئی بھی کاغذ اس میں رکھا جاتا ہے فوٹو کاپی کے لیے تو اس کے نیچے سے ایکس ریز گزرتی ہیں جو بلکل چمکتے ہوئے ستارے کی طرح نظر آتی ہیں اس کے بعد اس میں ممزوج بالدم ہوتا ہے یعنی ایک سے زیادہ خون، رنگ دار محلولوں کا آپس میں احتلاط ہوتا ہے۔

تصویری معنی

یهاں پرنٹرز والا فولڈرمیں سے.

ممزوجة بالدم. سیاهیوں کی تصاویر.

....

الزهرة چمکتا هوا سفید ستاره. ایکس ریز گزرنے والی تصویر.

....

پرنٹروں کی تصاویر.

....

....

الدجال اعور العین الیسری جفال الشعر معه جنة و نار ، فناره جنة و جنة نار. کنزل اعمال ٣٨٧٤٨

دجّال ہے ایک آنکھ یک طرفہ دیکھنے والا، دیکھنے کا آلہ بائیں طرفہ. جفال الشعر دجّال ہے جفال الشعر دجّال کے ساتھ ہوگی اس کی جنت اور آگ، پس آگ اس کی جنت اور جنت آگ ہوگی۔
اس روایت کو کھول کر سمجھنے کے لیے اس کے متن میں غور کرتے ہوئے اس کو تقسیم کر کے سمجھتے ہیں۔

۱. الدجال اعور

دجال ھے کسی بھی کام کو صرف اس کے ایک ھی رخ سے کرنا اور دوسرا رخ ادھورا چھوڑ دینا. یعنی نامکمل، عیب دار، نقص والا کام کرنا.

۲. الدجال العین الیسری

دجّال ہے بائیں طرف یک طرفہ دیکھنے کا آلہ

۳. الدجال جفال الشعر

دجّال ہے جفال الشعر

۴. جفال الشعر معه جنة ونار

جفال الشعر کے ساتھ ہوگی جنت اس کی اور جہنم

جفال الشعر کیا ھے؟ اس کے معنی کیا ھیں؟

جفال. جس مواد سے اللہ سبحان وتعالیٰ زمین کا دابہ خلق کرتے ہیں یعنی جو کچھ اللہ سبحان وتعالیٰ نے پانی سے خلق کیا جس مواد سے جن عناصر، اجزاء سے وہ سب خلق کیا ان تمام عناصر، اجزاء ومواد کا پانی کی طرح کا غیر معمولی مقدار میں محلول۔

غیر معمولی مقدار میں ایسا محلول جس میں گیسیں اور مختلف کیمیائی عناصر پانی کی شکل میں موجود ہوں۔

جفال کو انگلش میں فروتھ (Froth) کہتے ہیں۔ جس کے معنی۔۔۔۔۔۔۔۔۔

الشعر.

ال جمع شعر. ال کے معنی تمام کے تمام، سب کے سب اور شعر بالوں کو کہتے ہیں

الشعر. زمین پر تمام مخلوقات کے بال، جن میں انسان ہیں، پرندے، جانور ہیں یعنی بکریاں، گھوڑے، گائے بھینسوں سمیت تمام وہ جاندار جن پر بال ہوتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ کہ بال میں جب غور فکر کریں تو بال بنیادی طور پر ایک ایسا مواد ہوتا ہے جسے آج ہم نائیلون اور پلاسٹک کا نام دیتے ہیں۔ عربی میں نائیلون اور پلاسٹک کے ترجمے کے لیے کوئی بھی لفظ موجود نہیں سوائے ان الفاظ کے جن کو ایسی فطرتی اشیاء کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جن میں نائیلون اور پلاسٹک پایا جاتا ہے۔ ہم انسان ہیں اس لیے ہم یہ دیکھیں گے کہ

ہمارے جسم میں نائیلون اور پلاسٹک اگر پایا جاتا ہے تو وہ کس صورت میں پایا جاتا ہے؟ جب ہم غور کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ نائیلون اور پلاسٹک ہمارے جسم پر صرف بالوں اور ناخنوں کی صورت میں پایا جاتا ہے اس لیے اگر نائیلون کا عربی میں کوئی نام ہوسکتا ہے تو وہ صرف اور صرف بال یا ناخن ہی ہو سکتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ نائیلون اور پلاسٹک کو اللہ سبحان وتعالیٰ نے اپنی کن کن مخلوقات میں استعمال کیا ہے۔ جب ہم یہ جان لیں گے تو نہ صرف ہمیں نائیلون اور پلاسٹک کی فطرت میں موجودگی کا علم حاصل ہوگا بلکہ یہ بھی علم حاصل ہو جائے گا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے نائیلون اور پلاسٹک کو کن مقاصد کے لیے اپنی مخلوقات میں استعمال کیا ہے۔اس سے ہمیں نائیلون اور پلاسٹک کی اہمیت اور استعمال کا علم ہو جائے گا۔

جسم میں ناخنوں کی نسبت بال زیادہ پائے جاتے ہیں یوں ناخنوں کی بجائے بال جسم پر زیادہ واضع ہوتے ہیں جنہیں دور سے بھی دیکھا جاسکتا ہے اس لیے عربی میں اگر پلاسٹک اور نائیلون وغیرہ کا نام الشعر ہی کیا جاسکتا ہے جس کے معنی بال ہیں۔

یہاں ان تمام جانداروں میں پائے جانے والے پلاسٹک کی تصاویر،

پرندوں کے پر، چونچیں، جانوروں کے بال، اون وغیرہ اور ان کا مقصد کیا ہے سب کو دیکھنا ہے کہ وہ پلاسٹک اور نائیلون سے بنی اشیاء کا استعمال کیا کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(اسے آگے ترتیب میں دینا ہے۔ جفال الشعر ہی سے جنت اور آگ بنتی ہے۔ جو اس دجل کو رب بنائے گا تو اس سے جفال الشعر سے بنے والی اشیاء جنت اور جو اسے اپنا رب نہیں بنائیں گے ان کے لیے جفال الشعر سے ہی بننے والی آگ یعنی بارود ہوگا۔سبحٰن اللہ اس کی تفصیل۔۔۔۔)

تصیحات۔۔۔۔ اعور، افحج، جعد، مطموس العین والی روایت میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کنزالعمال ۳۸۷۸۱۔ علیهم اللعنة دائبة فی فتنة. یہاں لفظ دابة کو دائبة لکھا گیا ہے جو کہ یقینی طور پر غلطی سے لکھا گیا۔اور ممکن ہے یہ غلطی ان سے ہوئی ہو جنہوں نے روایات کو لکھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ غلطی بعد میں جا کر اس وقت ہوئی ہو جب اول وقت پرنٹنگ وغیرہ کے لیے کمپوزنگ کی گئی۔ کیونکہ جب روایات جمع کرنے والوں نے روایات کو جمع کیا تو اس وقت صرف ایک ہی ذریعہ تھا تحریر کو محفوظ کرنے کا اور وہ بھی چمڑے، درخت کی چھال وغیرہ پر ہاتھ سے لکھا جاتا تھا۔یا مٹی کی تختیاں بنا کر ان پر تنکے سے لکھ کر ان تختیوں کو آگ میں پکا کر مٹی کے برتنوں کی طرح سخت حتیٰ کہ پتھر بنا دیا جاتا تھا۔ہاتھ سے لکھی جانے والی پرانی تحریروں کو سمجھنا اور انہیں بلکل انہیں الفاظ میں جدید طرز تحریر میں ڈھالنے مشکل ترین کام تھا کیونکہ ہاتھ سے کی گئی لکھائی میں بہت سے الفاظ کو سمجھنا بہت مشکل تھا۔

جیسے اس مقام پر دابۃ کو دائبۃ لکھا گیا بلکل اسی طرح دجّال والی باقی روایات میں لفظ بناتئۃ تحریر ہے جو کہ عربی لغت میں ہی نہیں پایا جاتا اور نہ ہی اس لفظ کا کوئی وجود ہے جب وجود ہی نہیں تو پھر معنی کا تصور ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ یہ ضرور ممکن ہے کہ اس لفظ کو لکھنے میں ضرور غلطی ہوئی ہے اور اگر اس لفظ میں غور کیا جائے کہ کہاں اس لفظ لکھنے اور سمجھنے میں فرق پیش آیا تو دو الفاظ اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

ا . بنائیۃ

۲ . نباتیۃ، نباتئۃ

عربی لغت میں اگر ہمیں انہیں حروف پر مشتمل اس لفظ کے مشابہ الفاظ اگر ملتے ہیں تو وہ یہی دو الفاظ ہیں۔ اگر روایت والے لفظ اور ان دو میں سے پہلے لفظ دونوں کا آپس میں موازنہ کیا جائے تو بہت کم فرق نظر آتا ہے اور ایسی معمولی سی غلطی انسان سے نہ چاہتے ہوئے بھی ہو جاتی ہے۔

دونوں الفاظ کو دیکھئے۔

روایت میں لفظ۔ بناتئۃ

عربی لغت میں اس کے مشابہ لفظ۔ بنائیۃ

دونوں میں صرف ایک حرف کے آگے پیچھے ہونے کا فرق ہے جو نہایت ہی معمولی سا فرق ہے۔ اس لیے ممکنا طور پر یہ لفظ ہو سکتا ہے۔ لیکن جب ہم دوسرے لفظ کو دیکھیں تو اس میں بھی بہت ہی معمولی سا فرق نظر آتا ہے۔

روایت میں لفظ۔ بناتئۃ

عربی لغت میں لفظ۔ نباتیۃ اور اگر فارسی زبان بولنے والوں کے طرز پر لکھا جائے تو یوں لکھا جائے گا نباتئۃ.

بناتئۃ اور نباتئۃ یا نباتیۃ ان میں بھی بہت معمولی فرق ہے جو کہ ہاتھ کی لکھائی میں عام پایا جاتا ہے۔ جس سے نبی، بنی بن جاتا ہے اور بنی نبی بن جاتا ہے اسی طرح ممکن ہے اس لفظ میں ن کو ب اور ب کو ن سمجھ لیا گیا ہو۔ یہ فرق بھی نہایت معمولی اور نظر انداز کیا جانے والا ہے۔

اور حیران کن طور پر عربی لغت میں ملنے والے دونوں الفاظ ہی حدیث کے متن میں غیر معمولی طور پر پورے اترتے ہیں۔

دونوں الفاظ کے معنی کو سامنے رکھتے ہوئے روایت میں غور کرتے ہیں۔

بنایۃ یا بنائیۃ. ہر قسم کی جدید تعمراتی کاموں اور علوم کا ماہر ہونا، حیات کے خلیوں، مالیکیول میں زیادہ قوت بھرنے کے علوم

وکام کا ماہر ہونا۔

ان معنوں کو تصاویری زبان میں دیکھ سکتے ہیں۔

یہاں تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بنایات والا فولڈر

کسی بھی کام میں مہارت اسے کہا جاتا ہے جس کام میں کوئی خامی، عیب یا نقص وغیرہ نہ ہو۔ یہی رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ دجال (ٹیکنالوجی) کے دعوے تو ہوں گے کے وہ ان کاموں میں ماہر ہے اور دیکھنے والوں کو بھی ایسا ہی نظر آئے گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا نہیں اس کے ان کاموں میں بھی عیوب ونقائص اور خامیاں ہوں گی۔ دجّال قطعاً ماہر نہ ہوگا۔ نظر تو ایسا ہی آ رہا ہوں گا لیکن یہ تصویر کا صرف ایک رخ ہوگا اس کے برعکس تصویر کے دوسرے رخ کی حقیقت یہ ہے کہ یہ سب دجل ہوگا۔ فساد ہوگا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے اس میں رائی برابر بھی شک نہیں۔ الحمدللہ ہم کتاب میں پیچھے تفصیلات دیکھ چکے ہیں کہ یہ سب کرنے سے اللہ سبحان وتعالیٰ کے آسمانوں اور زمین میں کتنے بڑے پیمانے پر فساد ہو رہا ہے۔

۲ . نباتية، نباتئة. فصلیں، پھل، پھول یعنی نباتات اگانے کا ماہر ہونا۔ جسے انگلش میں جینیٹکلی موڈیفائیڈ اوگانزم (genetically modified organisms)۔ ٹیکنالوجی سے نبابات اگانا، اللہ سبحان وتعالیٰ کے مقابلے پر مصنوعے ذرائع یعنی ٹیکنالوجی سے نباتات اگانا۔

اس کی مزید صراحت کیساتھ تفصیلات کے لیے ہماری کتاب ''حلال طیب اور فتنہ دجال'' کا ضرور مطالعہ کریں۔

تصاویر کی زبان میں دیکھیں.

یہاں جینیٹکلی موڈیفائی طریقے سے اگائے جانے والی اشیاء کی تصاویر۔ بیجوں وغیرہ کی بھی۔ ڈی ایچ گیٹ ڈاٹ کام سے بھی سیٹرز میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

دونوں الفاظ کے معنی بنیادی طور پر ایک ہی ہیں۔ دو الفاظ کی صورت میں ایک ہی شئے کی ہر سطح پر وضاحت ہو جاتی ہے۔ اس لیے میری پوری تحقیق کے مطابق الحمدللہ روایت میں اصل لفظ یہی تھا۔

....

احدی عینیه عنبة یعنی الدجال کانها زجاجة خضراء، و نعوذوابالله من عذاب القبر. کنز العمال ۳۸۷۸۳

عینیه. اس کا دیکھنے کا آلہ

عنبة . یہ لفظ بہت وسیع اور بہت سے معنوں کا حامل ہے ان میں سے غالب معنوں کو ہم بیان کریں گے۔

ا۔ انسانوں، جانوروں، درختوں، چرند پرند سمیت تمام جاندار مخلوقات میں مداخلت کرنے، خود خلق کرنے، پیدا کرنے کی غرض سے انہیں چیر پھاڑ کر ان کی ساخت، خلق ہونے کی معلومات سمیت زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کے لیے ان کی گہرائیوں تک دیکھنے کی صلاحیت رکھنے والا آلہ۔

درج ذیل تصویر اس کی حقیقت کی عکاسی ہے۔

۲۔ فصلوں، درختوں، پھلوں، پھولوں اور سبزیوں وغیرہ میں مداخلت کی غرض سے، خود پیدا کرنے، اگانے کی غرض سے انہیں چیر پھاڑ کر گہرائی تک علم حاصل کرنے کے لیے باریکی اور گہرائیوں تک دیکھنے کی صلاحیت رکھنے والا آلہ۔

تصویر میں مائیکرو سکوپ اور ایسے آلات کی تصاویر، الٹرا ساونڈ، انفرا ریڈ یعنی تھرمل کیمرے.........

۳. آنکھ کا اس طرح مفلوج ہو جانا که انگور کے دانے کی طرح پھول کر باہر آ جائے.

آسانی سے سمجھنے کے لیے تصاویر دیکھئے۔

عنبة والا فولڈر........

زجاجة. سورۃ نور آیت ۳۵ میں زجاجۃ کا لفظ آیا ہے۔

صاف ستھرا چمکدار شیشه.

خضراء. سبز، سبزہ، خوشحالی، ترقی

احدی عینیه عنبة یعنی الدجال کانها زجاجة خضراء

اس کا دیکھنے کا ایک آلہ انگور کی طرح باہر کو نکلا ہوا یعنی دجال بلکل جیسے کہ وہ صاف ستھرا چمکدار شیشہ ہے سبز، سبزہ، ترقی و خوشحالی۔

دجال کا دیکھنے کے آلے کا وہ حصہ جو پھول کر انگور کے دانے کی طرح باہر کو نکلا ہوا ہے وہ شیشے کا ہے۔ سبز ہے، دیکھنے کا وہ آلہ جو شیشے کا ہے وہ سبزہ، ترقی و خوشحالی دیکھتا اور دیکھاتا ہے۔

تصاویر میں دیکھئے.

کیمروں کی تصاویر..........

سبز لینز کیساتھ.

آنکھ کے ساتھ موازنہ کرنا ھے. یعنی آنکھ کا پھولا ھوا حصہ کاٹ کر وہ لینز کے مشابہ ھو گا اور آنکھ لینز کے پیچھے کیمرہ ھو گا............... عنبة فولڈر میں موازنے والی تصویر

آگے اللہ سے عذاب قبر کی پناہ کا ذکر ہے جس سے واضع ہوتا ہے کہ وہ آنکھ خوشحالی دیکھے گی جس سے اس کی اتباع کرنے والے وہی کچھ دیکھیں گے جو وہ آنکھ دیکھ رہی ہوگی۔ کیمرہ دجال کی آنکھ ہے وہ دیکھتی ہے اور اس کی اتباع کرنے والے دیکھتے ہیں سکرین پر وہی جو وہ آنکھ دیکھ رہی ہوتی ہے، اور وہ آنکھ جو دیکھتی ہے وہ صرف اور صرف تصویر کا ایک رخ ہوتا ہے۔ جو کہ سبز یعنی خوشحالی دیکھاتی ہے۔ نہ کہ جب سبزہ گل سڑ جاتا ہے تو پھر جو وہ نظر آتا ہے وہ دیکھاتی ہے۔ یہاں وہ آیت بھی درج کرنی

ہے دنیا کی کھیتی کی مثال جو سرسبز ہوتی ہے اور پھر گل سڑ جاتی ہے اور ہوائیں اسے اڑاتی پھرتی ہیں

والی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ان الدجال ممسوح العين اليسرى، عليها ظفرة، مكتوب بين عينه كافر. كنز العمال ۳۸۷۶۰

ممسوح. بلکل سپاٹ،

بلکل صاف،

اتنا چمکدار کے بیچ سے عکس نظر آئے۔

گھِس کر ایسے صاف کیا ہوا جیسے چمکتا ہوا شیشہ،

کچھ مٹا ہوا،

کسی شئے کو بہت باریک بینی سے اور اس کے چپے چپے کو دیکھ کر نقشہ بنانے کی صلاحیت ہونا، یا جو دیکھنا اسے حفظ (ریکارڈ) کرنے کی صلاحیت صلاحیت ہونا۔

پوشیدہ اشیاء یا کسی بھی شئے کی تلاش کے لیے کسی جگہ یا کسی کا بھی انگ انگ بہت ہی باریک بینی سے چھان مارنا۔

سکین کرنے والا۔

العين. رنگوں کے ادراک کرنے یعنی دیکھنے کا آلہ۔

ظفرة. ناخن، تمام کھروں والے جانوروں کے کھروں پر خول، درندوں کے پنجے، سیپ وغیرہ۔

ناخن، پنجے، کھروں کے خول، سیپ وغیرہ سمیت تمام مخلوقات میں اس طرح کی شئے کو ظفر کہا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر یہ سخت پلاسٹک ہے اور کسی بھی شئے یا مخلوق میں اس طرح کے سخت پلاسٹک کو عربی میں ظفر کہا جاتا ہے۔

یہاں، کھروں کے خولز، ناخن، پنجوں، سیپ وغیرہ کی تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ظفر عربی میں ناخن کو کھتے ھیں. ناخن پلاسٹک ھے. دجال پر یا دجال کی آنکھ یعنی دیکھنے والے آلے پر ناخن یعنی پلاسٹک ھو گا. سبحان الله

....

الدجال لا يولد له ولا يدخل المدينة ولا مكة. ۳۸۷۴۹

دجال کو جنم نہیں دیا جائے گا یعنی دجال کسی کی اولاد نہیں ہوگا اور نہ وہ مدینہ میں داخل ہو سکے گا اور نہ ہی مکہ میں۔

....

وعينيه اليسرى كأنها كوكب درى. ٣٨٧٨٨

اوراس کا دیکھنے کا بائیاں آلہ بلکل ایسا گویا کہ با اعتماد سیارہ ہوگا

عین. دیکھنے کا آلہ

یسری. بائیاں

کوکب. سیارہ (Planet)

....

ومعه مثل الجنة ومثل النار، وجنتة غبراء ذات دخان، وناه روضة خضراء. ٣٨٧٨٨

جنت. ایسا مقام جہاں سہولتیں وآسائشیں موجود ہوں جہاں انسان کو اس کی خواہشات کے مطابق اشیاء حاصل ہوں۔ جہاں آسانیاں ہی آسانیاں ہوں، آسائشیں ہی آسائشیں ہوں۔

النار. آگ، تکلیف دہ شئے، جلا کر تباہ کرنے والی شئے

غبراء. گردوغبار سے بھری ہوئی

''عالمی ادارہ صحت نے خبردار کیا ہے کہ شہروں میں آلودگی کی سطح زہریلی حد تک پہنچ گئی ہے۔

دوہزار شہروں سے حاصل کردہ اعداد وشمار کے مطابق بہت سے لوگ عالمی ادارہ صحت کی مقرر کردہ حد سے کہیں زیادہ آلودگی کے ماحول میں زندگیاں گزار رہے ہیں۔

تحقیق کے مطابق یہ آلودگی دنیا میں مرنے والے ہر آٹھویں فرد کی موت کی وجہ ہے اور اس کی وجہ سے دنیا بھر میں صرف سنہ ۲۰۱۲ میں ۷۰ لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔ بی بی سی۔ ۱۷ جنوری ۲۰۱۶''

''بیجنگ فضائی آلودگی کی لپیٹ میں، الرٹ جاری۔ بی بی سی، ۲۹ نومبر ۲۰۱۵''

''نئی دہلی کی ''قاتل'' فضا سے شہری پریشان۔

پوری دنیا کی طرح نئی دہلی کے لوگ بھی سمجھتے تھے کہ بیجنگ ہی دنیا کا آلودہ ترین شہر ہے لیکن گزشتہ مئی میں عالمی ادارہ صحت نے اعلان کیا کہ نئی دہلی کی ہوا اس سے دوگناہ زیادہ زہریلی ہے۔ جس کا نتیجہ لوگوں کو پھیپھڑوں کی بیماریاں اور ہر سال ۱۳ لاکھ

اموات ہیں۔

فضا میں آلودگی کی مقدار اتنی زیادہ ہے کہ بھارت میں امراض قلب کے بعد سب سے زیادہ اموات فضائی آلودگی سے ہوتی ہیں'' بی بی سی،

۱۹ اپریل ۲۰۱۵''

''چین کے دارلحکومت بیجنگ میں حکام نے ایک بار پھر سے فضائی آلودگی بڑھ جانے کے سبب 'ریڈ الرٹ' جاری کیا ہے۔ بی بی سی، ۱۸ دسمبر ۲۰۱۵''

''ایران کے دارلحکومت تہران میں فضائی آلودگی کی سطح زہریلی سطح تک پہنچ گئی۔ پریس ٹی وی ایران، ۱۹ دسمبر ۲۰۱۵''

''تہران کی کلین ائیر کمیٹی کے ڈائریکٹر محمد ہادی حیدر زادے کے مطابق تہران کی فضا میں آلودگی بہت بڑھ چکی ہے اور صرف اکتوبر کے مہینے میں اس سے ۳۶۰۰ افراد ہلاک ہوئے ہیں۔ نئے اعداد و شمار کے مطابق ایران میں آلودگی کی وجہ سے ہلاکتوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے اور مارچ سنہ ۲۰۰۵ سے مارچ سنہ ۲۰۰۶ تک ۱۹۹۰۰ ایرانی فضائی آلودگی کی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں۔ بی بی سی، ۹ جنوری ۲۰۰۷''

''کراچی میں دن رات لاکھوں گاڑیاں اور صنعتیں دھواں اگاتی ہیں اس آلودہ فضا میں رہنے والے ڈیڑھ کروڑ انسانوں میں سے ہر سال سینکڑوں فضائی آلودگی کے سبب مارے جاتے ہیں۔ بی بی سی، ۲۰ جون ۲۰۰۷''

''عالمی موسمیاتی تنظیم نے اپنے سالانہ جائزے میں بتایا ہے کہ صنعتی انقلاب کے بعد سے فضا میں کاربن ڈائی اکسائیڈ کی مقدار میں چالیس فیصد اضافہ ہوا ہے۔ بی بی سی، ۲۴ نومبر ۲۰۱۲''

....

ان راس الدجال من ورائه **حبك حبك** و انه سيقول انا ربكم، فمن قال انت ربى افتتن، و من قال كذبت، ربى الله، عليه توكلت واليه انيب، فلا يضره. ۳۸۷۸

راس۔ کسی شئے کا بلند ترین مقام، کسی شئے کی چوٹی، انسانی جسم کی چوٹی، بلند ترین مقام سر ہوتا ہے اس لیے سر کو بھی راس کہتے ہیں۔

ورائه. اس کا سامنے والا حصہ

حبك. حب جمع ك.

حب کسی شئے کو اپنے قریب کرنے یا اپنی طرف کھینچنے کو کہتے ہیں، مقناطیسی کشش کو بھی حب کہتے ہیں۔

كَ۔ تجھے

ربّ۔ یہاں رب کے معنی

کذبت. اللہ کی آیات (تمام مخلوقات سمیت ہر وہ شئے جس سے انسان اللہ کو جان سکے) پر ایمان لانے ی بجائے ان کا کفر کرنا ان میں چھیڑ چھاڑ کرنا ان میں فساد کرنا، انہیں اپنی مرضی کے مقاصد کے لیے استعمال کرنا جس کی اللہ سبحان وتعالیٰ نے اجازت نہیں دی بلکہ سختی سے منع کیا ہے۔

توکل. ہر لحاظ سے مکمل طور پر کسی پر انحصار کرنا۔ ہر معاملے میں یا کسی بھی معاملے میں کسی کا محتاج بننا۔

انیب۔ فتنے میں پڑنے اور اس پہچان جانے کے بعد صرف اور صرف اللہ کی طرف رجوع کرنا۔ یعنی اگر ایک انسان فتنے کا شکار ہو بے شک وہ سمجھ رہا ہو کہ وہ حق پر ہے لیکن حقیقت میں حق کی بجائے باطل کا شکار ہو چکا ہوتا ہے لیکن جیسے ہی اس پر حقیقت کھلے فوراً اسے ترک کر کے اللہ کی طرف رجوع کرنا حق کی طرف رجوع کرنا۔

ان راس الدجال من ورائه **حبك حبك** و انه سيقول انا ربكم، فمن قال انت ربى افتتن، و من قال كذبت، ربى الله، عليه توكلت واليه انيب، فلا يضره. ۳۸۷۷۸

اس میں کچھ شک نہیں دجال کی چوٹی یعنی اس کا بلند ترین مقام سامنے سے تجھے اپنی طرف کھینچے گا، اپنے قریب کرے گا۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ قریب ہی کہے گا کہ میں تمہارا رب ہوں۔ پس جس نے کہا تو میرا رب ہے وہ اس کے فتنے میں پڑ گیا۔ اور جس نے کہا تو کذب کرتا ہے۔ میرا رب اللہ ہے اسی پر توکل کرتا ہوں اور تیری حقیقت کھلنے پر اسی کی طرف پلٹتا ہوں۔ پس (دجال) اسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

دجّال یعنی ٹیکنالوجی کا راس یعنی اس کا بلند ترین مقام اس وقت سیٹلائٹ ہے جو خلاء میں زمین کے گرد گھوم رہی ہیں۔ اور بلند ترین ٹاورز ہیں اور سبحان اللہ دجّال کا یہی راس انسان کے سامنے سے اسے اپنی طرف کھینچتا ہے۔ پوری دنیا کا مواصلاتی نظام، میڈیا یا ٹی وی چینلز، انٹرنیٹ، فون وغیرہ اسی سیٹلائٹس اور ٹاورز سے ہی چل رہے ہیں۔ سیٹلائٹ سے بچھائے گئے نیٹ ورک کے ذریعے ٹی وی چینلز چلتے ہیں جو انسان کو طرح طرح کی کمرشلز سے اور پروگراموں کے ذریعے اللہ سے دور اور اس ٹیکنالوجی کے قریب کرتے ہیں اپنی طرف کھینچتے ہیں۔

ایک طرف اللہ کی کتاب ہے جو انسان کو فطرت پر قائم ہونے کی دعوت دیتی ہے اور اللہ کے قریب کرتی ہے اور دوسری طرف

یہی میڈیا جو انسان کو اللہ پر توکل کرنے کی بجائے فطرت پر قائم ہونے کی بجائے ٹیکنالوجی پر انحصار کرنے کی دعوت دیتا ہے۔
سب کچھ کھلم کھلا ہمارے سامنے ہے اسے سمجھنا بلکل بھی مشکل نہیں۔
یہی میڈیا انسان کو رزق کے لیے زمین سے اگانے، جسم ڈھانپنے کے لیے کپڑا بننے، رہنے کے لیے گھر بنانے، روزگار کے ذرائع کے لیے، سفر کے ذرائع کے لیے، دانتوں کی صفائی ہو یا جسم کی صفائی، برتن دھونے ہوں یا کھانا پکانا ہو، کسی سے رابطہ کرنا ہو یا کسی چھوٹی سی چھوٹی سطح پر بھی کوئی کام کرنا مقصود ہو تو اللہ پر توکل کرنے یعنی اللہ کے دیئے ہوئے ذرائع پر انحصار کرنے کی بجائے ٹیکنالوجی پر انحصار کرنے کی دعوت دیتا ہے اور یہی تو ہے کسی کو رب بنانا۔
یہ میڈیا ہر معاملے میں انسان کو اللہ سے بغاوت اور دجّال کی غلامی پر ابھارتا ہے اور لوگ اسی کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اپنی سوچیں، کھانا پینا، رہن سہن، لباس، معاشرہ حتیٰ کہ سب کچھ طے کرتے ہیں۔ اور اسی میڈیا کی دعوت کی حقیقت کھلنے پر انسان سب سے پہلے اسی سے ہی نفرت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تو کذاب ہے تو ہر شئے کا صرف ایک ہی رخ دیکھاتا ہے۔ مجھ پر ہر شئے کا دوسرا رخ واضع ہو چکا جس سے تیری حقیقت مجھ پر کھل چکی ہے اس لیے میں اب اللہ ہی پر توکل کروں گا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ یہ تو بہت ہی مختصر وضاحت ہے باقی غور و فکر کرنے کے دروانے آپ پر کھلے ہیں آپ جتنا جی چاہیں گہرائی تک غور و فکر کر کے جان سکتے ہیں۔

مزید آسانی سے سمجھنے کے لیے تصاویر سے راہنمائی لیں۔
دجّال کا سر یعنی ٹیکنالوجی کا بلند ترین مقام، اس کی چوٹی۔

سیٹلائٹ اور ٹاورز کی تصاویر

یہاں اوپر سیٹلائیٹ اور ٹاورز اور پھر کیسے اس کے ذریعے ٹی وی چینلز/مواصلاتی نظام چل رہا ہے کی وضاحت کرنے والی تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ایک طرف اللہ سبحان وتعالیٰ اپنی آیات میں رات، دن، اٹھے، بیٹھے، لیٹے ہر حال میں غور و فکر کرنے کا حکم دیتے ہیں کہ اپنا

وقت اللہ کی آیات میں غور وفکر کرنے میں گزارو اور دوسری طرف یہی دجّال کا سر انٹرنیٹ اور گیموں وغیرہ میں مگن ہو کر اللہ کا دیا ہوا وقت ظائع کرنے کی دعوت دیتا ہے۔اور انسانیت نے اس معاملے میں بھی کس کو اپنا رب تسلیم کیا حقیقت ہمارے سامنے ہے۔

انسانون کو سوشل میڈیا، ٹی وی، نیٹ، آئی پیڈ، گیموں وغیرہ کے سامنے وقت ضائع کرنے کو بیان کرنے والی تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ساتھ میں گھڑی کا نشان بھی دینا ہے جس سے یہ واضح ہو رہا ہو کہ ایک انسان کب ان کے سامنے بیٹھا اور کتنے وقت بعد اٹھا یعنی کتنا وقت ان پر صرف کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
یہاں کا فولڈر دجال کا سر۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وان الدجال اعور عينه اليمينى كانها عنبة طافية. النهايه فى الفتن والملاحم

طافية. Bouy

....

دجال کی انکھوں کے حوالے سے ابھی تک تین آنکھوں کا ذکر آیا ھے، الیمینی، الیسری، الشمال
یعنی اگر انسان ہے تو دو انکھیں ہونی چاہیئں تھیں اور ان میں سے بھی اگر ایک ہے ہی کانی تو وہ تو بے کار ہوئی۔لیکن احادیث میں اس آنکھ کی جو کوالٹیز بتائی گئیں وہ تو غیر معمولی ہیں۔

انه خارج خلة بين الشام والعراق فعاث يميناً وعاث شمالاً، يا عباد الله! فاثبتو، قلنا: يا رسول الله ﷺ! ما لبثه فى الارض؟ قال: اربعون يوماً، يوم كسنةٍ ويوم كشهرٍ ويوم كجمعةٍ وسائر ايامه كايامكم، قلنا يا رسول الله ﷺ! فذلک اليوم كسنةٍاتكفينا فيه صلاة يومٍ، قال: لا، اقدروا له قدره، قالوا: وما اسراعه فى الارض؟ قال: كالغيث استدبرته الريح، فياتى على القوم فيد عوهم فيومنون به ويستجيبون له، فيامر السماء فتمطر والارض فتنبت، فتروح عليهم سارحتهم اطول ما كانت

ذری واسبغه ضروعاً وامده خواصر، ثم یاتی القوم فیدعوهم فیردون علیه قوله فینصرف فیصبحون ممحلین لیس بایدیهم شئی من اموالهم، ویمر بالخربة فیقول لها: اخرجی کنوزک، فتتبعه کنوزها کیعاسیب النحل. ۳۸۷۴۰

اس کا ترجمہ اور اس کے بعد اس مین باقی سوالات اور جوابات آگے درج کرنے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اسراع. تیز رفتاری اور جلدی، سفر میں تیز رفتاری اور جلدی، کام کرنے میں تیز رفتاری اور جلدی، اشیاء کو پیک کرنے میں تیز رفتاری اور جلدی، حتیٰ کہ ہر کام میں تیز رفتاری اور جلدی۔ کئی لوگوں کا کام اکیلے اور کئی گناہ کم وقت میں کرنا تیز رفتاری سے کرنا، کئی لوگوں کے اٹھانے کا وزن اکیلے ہی بہت آسانی سے کم وقت میں اور تیز رفتاری سے اٹھالینا۔ اشیاء کو ادھر سے ادھر تیز رفتاری اور کم وقت میں لانا لے آنا وغیرہ۔ یعنی ہر کام بہت ہی آسانی، تیز رفتاری اور کم وقت میں کرنا۔

الغیث. بہت سے انسانوں کا مجمع جو انتہائی منظّم انداز میں کوئی کام کرتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ نے کوئی کام کرنا ہے سب سے پہلے اس کام کو مختلف حصوں میں تقسیم کریں اور پھر لوگوں کے مختلف گروہ بنا کر انتہائی منظّم انداز میں ان سے کام کروائیں جس سے نہ صرف کام بہترین ہوگا بلکہ وقت بھی بچے گا اور کام بھی زیادہ ہوگا۔

صحابہ رضوال اللہ نے جب سوال کیا کہ وہ کتنا عرصہ رہے گا جس کا جواب ملنے کے بعد انہوں نے پھر سوال کیا کہ کیا اس یوم یعنی سال، مہینے اور ہفتے کے برابر ایام میں ایک ہی دن کی صلاۃ کافی ہوگی جس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے لیے پورا حساب کتاب لگالینا جو قدر میں ہے۔ قدر کہتے ہیں بہت باریکی سے پورے حساب کتاب، علم وحکمہ کے ساتھ کوئی کام انجام دینا۔ رائی برابر بھی فرق نہ چھوڑنا۔ اس جواب سے صحابہ رضی اللہ کو یہ پتہ چل گیا کہ دن رات جیسے ہیں ویسے ہی ہوں گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی کوئی بھی کام کرنے کی رفتار ایسے ہوگی کہ جو کام ہم ایک سال میں انجام دیتے ہیں وہی کام وہ ایک دن میں انجام دے گا۔ کہ اس کی ہر کام میں رفتار انتہائی تیز ہوگی۔ جب صحابہ رضوال اللہ پر یہ بات واضع ہوئی تو تب انہوں نے دجال کی تیز رفتاری کا سوال کیا۔ کہ وہ کس تیز رفتاری سے کاموں کو انجام دے گا۔

س. وما اسراعه فی الارض؟

اور کیا اسراع ہوگی اس کی زمین میں۔ یہ وہ ہر کام کس تیز رفتاری سے کرے گا۔

ج. قال: کالغیث استدبرته الریح

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا جیسے الغیث یونی جیسے انسانوں کا مجموعہ کسی کام کو آپس میں تقسیم کر کے بہت منظّم انداز میں انجام دیتا ہے ویسے ہی کرے گا وہ بھی اس کے لیے ناکافی ہوگا، ناکافی ہوگی اس کے لیے ہوا۔یعنی وہ ہوا سے بھی تیز رفتار ہوگا۔

یوم کسنةٍ ویوم کشھرٍ ویوم کجمعةٍ وسائر ایامه کایامکم،

یوم جیسے سال ہوتے ہیں اور یوم جیسے مہینے ہوتے ہیں اور یوم جیسے ہفتے ہوتے ہیں اور دیگر اس کے ایام جیسے تمہارے ایام
جو کام انسان سال میں انجام دیں گے دجّال وہی کام ایک دن میں انجام دے گا۔
انسان اس کی اتباع کریں گے اسے ربّ بنالیں گے تو پھر انسان جو کام پہلے سال میں کرتے تھے وہی کام اب انسان ایک دن میں انجام دیں گے۔یعنی اب انسانوں کا ایک دن ایک سال کے برابر ہوگیا۔
پھر انسان اس رفتار سے جو کام ایک سال میں کریں گے دجال اسی کام کو ایک مہینے میں کرے گا۔انسان اسے ربّ بنا چکے تو اس لیے پھر انسان بھی وہ کام ایک مہینے میں انجام دیں گے کہ انسانوں کی رفتار اتنی بڑھ جائے گی۔
اب انسان اس رفتار سے جو کام ایک مہینے میں کریں گے دجال وہی کام ایک ہفتے یعنی سات دن میں کرے گا۔انسان دجال کو ربّ بنا چکے تو انسان بھی پھر وہی کام ایک ہفتے میں کرنا شروع کر دیں گے۔
پھر انسان اس رفتار سے جو کام ایک ہفتے میں کرے گا دجال اسی کام کو ایک دن میں انجام دے گا۔پھر باقی دن اسی طرح گزریں گےیعنی دنیا اتنی تیز رفتار ہو چکی ہوگی کہ انسان ہر کام بہت تیز رفتاری اور انتہائی غیر معمولی کم وقت میں انجام دے گا۔

اب جب غور فکر کریں تو آج یہ سب ہو چکا اور ہو رہا ہے اور یہ کیسے ممکن ہوا؟ یہ صرف اور صرف ٹیکنالوجی سے ہی ممکن ہوا۔ سالوں کے کام مہینوں میں ہونا شروع ہوئے، پھر وہی کام ہفتوں میں اور اب وہی کام دنوں میں ہو رہے ہیں یعنی دجّال کے نکلنے سے پہلے جو کام سالوں میں بھی کرنا ناممکن تھے آج وہ دنوں میں کرنا انتہائی آسان ہو گیا بغیر قوت کے۔اور یہ سب ٹیکنالوجی سے ممکن ہوا اور ٹیکنالوجی ہی دجّال ہے۔یعنی اگر ٹیکنالوجی آج ختم ہو جائے تو دنیا پھر واپس پیچھے چلی جائے گی۔

یہاں کرین، ٹریکٹر، ہوائی جہاز، مشینوں، کپڑا بنانے والی سمیت مختلف مشینوں کی تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔ان سے جو کام لیا جاتا ہے وہ کام ان کے بغیر کتنی مدت میں ہوگا اس پر بھی تصاویر کے ساتھ روشنی ڈالنی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یہاں ایسی تمام احادیث جمع کرنی ہیں جن میں اس طرح وقت سکڑنے کا ذکر ہے۔۔۔۔۔۔اور سلیمان علیہ السلام کے لیے وقت سکڑنے والی آیت بطور دلیل استعمال کرنی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس کے باوجود اگر کوئی انسان ایسا عقیدہ ونظریہ رکھتا ہے کہ وقت اتنا لمبا ہوجائے گا کہ دن سال کے برابر ہوجائے گا یعنی زمین سورج کے گرد چوبیس گھنٹوں کی بجائے ایک سال میں اپنے ہی محور پر گھومیں گی۔ کہ زمین کی گردش اتنی سست ہوجائے گی کہ دن سال کے برابر ہوجائے گا اور پھر تھوڑی رفتار بڑھ کر مہینے میں چکر مکمل کرے گی کہ دن اور رات ایک مہینے جتنے لمبے ہو جائیں گے پھر اسی طرح ایک ہفتے کے برابر اور پھر آخر مین زمین پھر واپس چوبیس گھنٹوں پر آجائے گی تو ایسا نظریہ وعقیدہ انتہائی جاہلانہ ہے۔ جس کی کوئی بنیاد ہے، ہی نہیں۔
اللہ سبحان وتعالیٰ کہتے ہیں۔

یہاں ہر شئے کو قدر سے خلق کرنے والی آیت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یعنی ہر شئے کو بہت باریکی سے حساب کتاب، علم وحکمہ کیساتھ خلق کیا۔ ہر مخلوق کا دوسری کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے اگر کوئی بھی مخلوق جس لائن پر لگا دیا جس مقام پر رکھ دیا اس میں رائی برابر بھی تبدیلی کرے گی تو تباہی آئے گی۔

اللہ کی خلق تبدیلی کی متحمل ہو ہی نہیں سکتی والی آیت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے تمام مخلوقات کو جیسے خلق کیا اور جس جس مقام پر رکھ دیا، جس جس لائن پر لگا دیا اس میں رائی برابر بھی تبدیلی کی گنجائش نہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے اپنی خلق میں تبدیلی کی گنجائش رکھی ہی نہیں۔ اللہ کی خلق تبدیلی کی متحمل ہے، ہی نہیں اور اگر تبدیلی کی جائے گی تو اللہ کی خلق پھر ٹھیک نہیں رہ سکتی اس میں خرابیاں ہوں گی اور آخر کار وہ تباہ ہوجائے گی۔
اگر زمین اپنی رفتار میں ذرہ بھی کمی کرے تو پورے آسمان دنیا کا نظام بگڑ جائے گا۔ کیونکہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن میں واضع کر دیا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے میزان یعنی توازن قائم کیا ہوا ہے۔ جیسے گھڑے کی سیکنڈ والی سوئی کی رفتار کم یا زیادہ کر دی

جائے تو اس سے منٹ اور گھنٹے کی سوئیاں بھی اسی طرح کم یا تیز رفتار ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہوتا ہے بلکل اسی طرح ہمارے نظام شمسی، اور اسکا ہماری کہکشاں پھر ہماری کہکشاں کا پورے آسمان میں ایک دوسرے سے تعلق ہے۔ اگر زمین اپنی رفتار میں کوئی ردوبدل کرتی ہے تو لامحالہ پورے آسمان دنیا جس کا ہم ادراک بھی نہیں کر سکتے کا توازن بگڑ جائے گا۔ اور ہر شئے تباہ ہو جائے گی۔ ستارے وسیارے آپس میں ٹکرا جائیں گے۔

یہاں سلیمان علیہ السلام والی آیت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

قرآن میں اللہ سبحان وتعالیٰ کہتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کا غدو ایک مہینے کا اور رواح ایک مہینے کا تھا۔ سلیمان علیہ السلام کا دار خلافہ بیت المقدس میں تھا۔ پوری دنیا میں غدو اور رواح کا وقت الگ الگ نکلتا ہے۔ بیت المقدس میں پورے سال کا اوسطاً اگر غدو اور رواح کا وقت حساب کتاب کر کے نکالا جائے تو غدو دو گھنٹے کا اور اسی طرح رواح بھی دو گھنٹے کا ہی نکلتا ہے۔ یعنی سلیمان علیہ السلام کے دو گھنٹے زمین پر باقی تمام انسانوں اور ہمارے کے ایک مہینے کے برابر تھے یوں سلیمان علیہ السلام کا ایک دن ہمارے ایک سال کے برابر تھا۔ اب ایسا ہرگز نہیں تھا کہ باقی انسانوں پر ایک سال مکمل ہو جاتا تو سلیمان علیہ السلام پر صرف ایک دن اور رات گزرتا تھا۔ نہیں بلکہ سلیمان علیہ السلام کو اللہ سبحان وتعالیٰ نے جو اسباب دیئے تھے جو ٹیکنالوجی ان کے پاس تھی اس ٹیکنالوجی سے سلیمان علیہ السلام ایک کام ایک دن میں مکمل کر لیتے تھے جو آج ہم ایک سال میں مکمل کر پاتے ہیں۔ دن اور رات سلیمان علیہ السلام کے لیے بھی چوبیس گھنٹے کے ہی تھے۔ جیسے باقیوں کے لیے تھے۔

جیسے جیسے رفتار بڑھتی جاتی ہے وقت سکڑتا جاتا ہے۔ اور جیسے جیسے رفتار کم ہوتی ہے وقت لمبا ہوتا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر آپ آپ پیدل حج کرنے جاتے ہیں اور ایک مہینے کے بعد حجاز میں پہنچتے ہیں اب ایک دوسرا انسان ہے وہ دجّال کے گدھے پر سوال ہو کر جاتا ہے اور وہ صرف دو گھنٹے میں پہنچ جاتا ہے۔ تو اس کے دو گھنٹے آپ کے ایک مہینے کے برابر ہو گئے۔ جو کام آپ نے ایک مہینے میں کیا وہ کام دوسرے شخص نے صرف دو ہی گھنٹے میں کر لیا۔

ایسا کیوں اور کیسے ہوا؟

آپ نے جو سفر کیا آپ کی رفتار بہت کم تھی جس کی وجہ سے آپ کو منزل تک پہنچنے میں ایک مہینے لگا اگر آپ کی رفتار جو تھی اس سے بھی کم ہو جائے تو آپ کو پھر مزید اور زیادہ وقت لگے گا۔ آپ کی رفتار کم تھی جس وجہ سے آپ کو اتنا وقت لگا۔ لیکن آپ کے برعکس دوسرا انسان جس نے دجّال کے گدھے پر سفر کیا اور دو گھنٹے میں پہنچ گیا۔ اس لیے کیونکہ اس کی رفتار آپ سے کئی گناہ زیادہ تھی۔ جیسے جیسے رفتار بڑھتی ہے وقت سکڑتا چلا جاتا ہے۔ اور اگر کسی انسان کے پاس ایسی ٹیکنالوجی ہو کہ جس سے اس کی

رفتار اتنی بڑھ جائے کہ جو وقت کی رفتار سے تجاوز کر جائے تو اس کے لیے وقت تھم جائے گا۔ وہ انسان کوئی بھی کام بغیر وقت کر سکے گا۔اور ایسا انسان بیک وقت دو جگہوں پر بھی موجود ہو سکتا ہے۔یعنی اگر آپ کے پاس یہ ٹیکنالوجی ہو تو آپ دنیا کے دو مختلف مقامات پر ایک ہی وقت میں موجود رہ سکتے ہیں۔ایک ہی وقت میں دو مختلف جگہوں پر کوئی کام انجام دے سکتے ہیں، ایک ہی وقت میں دو مختلف جگہوں پر انسانوں سے بات کر سکتے ہیں۔حتیٰ کہ آپ ماضی یا مستقبل میں بھی جا سکتے ہیں۔یعنی آپ جس دور میں موجود ہیں وہاں بھی موجود ہوں گے اور ماضی یا مستقبل میں بھی موجود ہو سکتے ہیں۔

فیاتی علی القوم فید عوهم فیومنون به ویستجیبون له، فیامر السماء فتمطر والارض فتنبت،

اس کا ترجمہ..............

اس کی دعوت کیا ہے کیسے دیتا ہے اس کا ذکر دجال کے سر والی حدیث میں ہو چکا اس کو کسی طرح یہاں لنک کرنا ہے۔اور جو اس کی دعوت کو قبول کرت ہیں یعنی اللہ پر توکل کی بجائے ٹیکنالوجی پر توکل کرتے ہیں تو ان کے لیے آسمان کو کیسے حکم دیتا ہے بارش کا اور کیسے برستی ہے اس کا جواب ہارپ کی مختصر وضاحت و تصاویر کے

ساتھ۔-----------------------

اللہ سبحان وتعالیٰ قرآن میں بار بار غور و فکر کرنے کا حکم دیتے ہیں۔اپنی آیات میں بار بار غور و فکر کرنے کا حکم دیتے ہیں۔اور قرآن کھول کھول کر واضح کرتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے سب کا سب اللہ کی آیات ہیں ان سب میں غور و فکر کرنے کا حکم دیا۔جب تک ہم غور و فکر نہیں کریں گے تب تک ہم پر یہ واضح نہیں ہوگا کہ اگر دجّال آسمان کو بارش برسانے کا حکم دے گا تو کیسے دے گا۔اور پھر جب ہمارے پاس علم نہیں ہوگا تو ہمارے لیے سوائے گمراہی کے اور کوئی رستہ نہیں ہوگا۔ہم لاکھ یہ دعوے کریں کہ ہم دجّال کی غلامی نہیں کریں گے ہم اس کی غلامی اختیار کر لیں گے اور ہمیں اس کا علم بھی نہیں ہوگا۔ہم میں ایمان کی رائی بھی نہیں ہوگی اور ہمیں اس کا اندازہ ہی نہیں ہوگا الٹا ہم خود کو قوی مومن سمجھ رہے ہوں گے۔ علم نہ ہونے کی وجہ سے بے بنیاد اور باطل عقائد کو اپنے دماغ میں محفوظ رکھ کر نہ صرف خود گمراہ ہوں گے بلکہ دوسروں کی گمراہی کا بھی سبب بنیں گے۔اس لیے اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم حقیقتاً ایسے اللہ پر ایمان لائیں جیسے کہ ایمان لانے کا حق ہے تو ہمیں اللہ کی آیات میں غور و فکر کرنا پڑے گا۔

ہم اپنی ہی ذات میں غور و فکر کریں اور جانیں کے اگر انسان کو کوئی حکم دیا جائے گا تو اس کا ذریعہ کیا ہوگا؟ انسان کو کوئی کام

کرنے کا حکم کیسے دیا جائے گا؟

اس کے لیے جو بات کھل کر واضع ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ بنیادی طور پر انسان کو کسی کام کا حکم دینے کے لیے تین طریقے ہیں۔

۱۔زبان سے حکم دیا یعنی آواز کی صورت میں۔

۲۔لکھ کر حکم دینا

۳۔اشارے کے ذریعے حکم دینا۔

ان کے علاوہ کوئی چوتھا ذریعہ ایسا نہیں کہ جو تمام انسانوں میں مشترک ہو۔چوتھا یا اس سے بھی زائد ہو تو سکتے ہیں لیکن وہ صرف انہیں کے لیے ہوں گے جن میں وہ قابلیت ہو گی اور انہوں نے محنت سے وہ قابلت حاصل کی ہو گی جیسے کہ اللہ کا قانون ہے۔

اب اگر آواز کی صورت میں یا لکھ کر کسی انسان کو کوئی حکم دیا جائے گا تو وہ بھی صرف اسی زبان میں ہی دیا جا سکتا ہے جو زبان وہ سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔یعنی ایسا نہیں ہے کہ آپ کو جو زبان آتی ہی نہیں جس زبان کو آپ سمجھتے ہی نہیں اس زبان میں آپ کو حکم دیا جائے۔پھر بھی اگر ایسا کیا جائے گا تو اس حکم کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔اس کی حثیت ایسے ہی ہو گی کہ گویا کوئی حکم دیا گیا ہی نہیں۔

مثال کے طور پر اگر آ کی زبان اردو ہے تو آپ کو اردو میں ہی حکم دیا جائے گا۔اور اگر حکم دینے والے کو اردو نہیں آتی تو پھر اس کے لیے سب سے پہلا کام یہ ہو گا کہ وہ کوئی ایسا ذریعہ حاصل کرے جس میں اس کی بات سمجھ کر آپ تک پہنچانے کی صلاحیت ہو۔کہ وہ اس کی زبان بھی سمجھتا ہو اور آپ کی بھی اور وہ انسان اس کے ذریعے آپ کو حکم دے گا۔

ایسے ہی مثال کے طور پر اگر اپ کو چائینیز نہیں آتی اور آپ کو چائینیز میں حکم دیا جائے گا تو کیا آپ سمجھ سکیں گے؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

بلکل اسی طرح آپ کسی جانور کو کوئی حکم دینا چاہتے ہیں تو اسی ذریعے سے حکم دیں گے جس ذریعے سے وہ جانور آپ کا حکم سمجھ سکے۔جب وہ آپ کا حکم سمجھے گا تو وہ اس پر عمل کر پائے گا ورنہ عمل کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ایسا ہر گز نہیں کہ آپ زبان سے کسی جانور کو کچھ کہیں تو وہ فوری اس پر عمل کرے گا نہیں بلکہ جو بھی جانور ہے وہ جس طرح حکم سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے اسے اسی طریقے سے حکم دیا جائے گا۔بلکہ اسی طرح اللہ کی تمام مخلوقات کا معاملہ ہے۔اللہ سبحان وتعالیٰ نے یہ قانون بنا دیا۔

اسی قانون کیمطابق اللہ سبحان وتعالیٰ نظام چلاتے ہیں اسی قانون کے مطابق اللہ سبحان وتعالیٰ تمام مخلوقات کو حکم دیتے ہیں۔

یہی اللہ سبحان وتعالیٰ کا قانون وطریقہ ہے اور اللہ سبحان وتعالیٰ خود بھی اپنی سنت کے خلام کام نہیں کرتا۔

دجال آسمان کو حکم دے گا تو آسمان بارش برسائیں گے۔ آسمان بلندی کو کہتے ہیں۔ اگر وہ اس بلند کو حکم دے گا جس بلند سے اللہ سبحان وتعالیٰ بارش برساتے ہیں تو اسے اسی طرح امر کرنا پڑے گا جیسے اللہ سبحان وتعالیٰ کرتے ہیں۔ اور اللہ سبحان وتعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی تب تک آسمان کو بارش کا حکم نہیں دے سکتا جب تک کہ اس کے پاس علم اور اسی طرح امر کرنے کی صلاحیت موجود نہ ہو۔

لیکن ایک بات جو قابل غور ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دجّال امر کرے گا آسمان کو بارش برسانے کا۔ اس امر کے پیچھے کون ہوگا وہ الگ بات ہے لیکن جو براہ راست آسمان کو بارش کا امر کرے گا وہی دجّال ہوگا۔

آسمان کو بارش کا حکم دینا ہے تو پہلے وہ علم ہونا لازم ہے کہ کس طرح آسمان کو بارش کا حکم دیا جاتا ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے بارش برسانے کا جو قانون بنادیا اسی کے مطابق ہی بارش برسائی جاسکتی ہے ایسا ہرگز نہیں کہ کوئی انسان یا کوئی بھی ہو وہ آسمان کو اللہ کے قانون کے علاوہ کسی اور طریقے سے حکم دے اور آسمان بارش برسائیں ایسا ممکن ہی نہیں۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو انسان جب اس معاملے میں اللہ کا محتاج تھا وہ اللہ سے دعائیں کرنے کی بجائے خود ہی اپنی زبان سے کہتا کہ اے آسمان بارش برسا اور آسمان بارش برسانا شروع کردیتے۔ جو کہ ہمیں علم ہے ایسا ناممکن ہے تو پھر یہ بات بلکل واضع ہوجانی چاہیئے کہ کوئی بھی ہو وہ اگر آسمان کو بارش کو حکم دے گا تو زبان سے نہیں بلکہ اسی طریقے دے دے گا جیسے اللہ نے قدر میں کردیا۔

البتہ یہ بات الگ ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے قدر میں آسمان کو کب کب اور کتنی کتنی بارش برسانے کا قانون وضع کیا جس سے کائنات میں قائم میزان برقرار رہے گا۔ اس کا علم صرف اللہ سبحان وتعالیٰ کو ہی ہے اس کے علاوہ اور کسی کو نہیں۔ البتہ اس کے پاس ہوسکتا ہے جو اللہ کی خلق کی ہوئی پوری کائنات کا علم حاصل کرلے۔ اور ایسا اللہ نے قانون میں رکھا ہی نہیں۔

اب اللہ کے علاوہ جو کوئی بھی یہ صلاحیت حاصل کرلے گا جس سے بارش برسائی جائے تو جب وہ اپنی مرضی سے آسمان کو جب چاہے بارش کا حکم دے گا تو اس سے ایسا قطعاً نہیں کہ کائنات میں کوئی خرابی یا خامی نہ ہو۔ کائنات میں قائم توازن بگڑ جائے گا۔ بادلوں کا نظام، آب وہوا اور موسموں کا نظام بگڑ جائے گا پھر طوفان، آندھیاں، بغیر وقت کے بارشیں اور موسموں میں غیر معمولی تبدیلیاں واقع ہوں گی۔

آج آسمان کو حکم دیا جارہا ہے اور بارشیں طرسائی جارہی ہیں اور یہ کیسے ممکن ہو؟ اور کون ہے جو آسمان کو بارش برسانے کا حکم دیتا ہے؟ وہ ٹیکنالوجی ہے۔ ٹیکنالوجی ہی دجّال ہے۔

تصاویر میں دیکھئے۔

ہارپ کی تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ساتھ مختصر معلومات بھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

والارض فتنبت

اورزمین کوامر کرے گا پس وہ اگائے گی۔

پیچھے الحمدللہ ہم نے جان لیا کہ اللہ کی ہر خلق کو حکم ویسے ہی دیا جائے گا جیسے اللہ سبحان وتعالیٰ نے قدر میں کیا۔اس کے قانون کے خلاف کوئی کام نہیں ہوسکتا۔تو زمین کو اگر اگانے کا حکم دیا جائے گا تو اسی طرح جیسے اللہ سبحان وتعالیٰ حکم دیتے ہیں۔

ایک تو اللہ سبحان وتعالیٰ نے بیج کے ڈی این اے یعنی زمین کے اگانے کی تمام اشیاء کے بیجوں میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے زمین کے لیے وہ حکم رکھ دیا۔اور دوسرا اس کے علاوہ جو زمین میں جو ایسی صلاحیتیں رکھیں جس سے زمین اگانے کے قابل ہوتی ہے وہ۔

آج زمین کو نہ صرف حکم دیا جارہا ہے بلکہ زمین اگا بھی رہی ہے۔اور زمین کو یہ حکم فصلوں کے بیجوں میں اللہ سبحان وتعالیٰ کے رکھے ہوئے نقشے میں ردوبدل کرکے دیا جارہا ہے۔اور زمین کو اگانے کی صلاحیت بھی خلق کرکے دی جارہی ہے۔اور یہ سب کیسے ممکن ہوا؟

صرف اور صرف ٹیکنالوجی کی وجہ سے۔ٹیکنالوجی دجّال ہے۔

جینیٹیکلی موڈیفائی بیجوں اور فصلوں، پھلوں، پھولوں، سبزیوں اور کھادوں اور زمین سے اگانے والے کیمیکلز فریٹلائزرز کی تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

فتروح علیھم سارحتھم اطول ما کانت ذری واسبغہ ضروعاً وامدہ خواصر،

تروح۔

یہاں سے شروع۔-----------------

دجال کا خروج

دجّال کی نشاندہی والی روایات کے فوری بعد۔ دجال ٹیکنالوجی ہے اور اس ٹیکنالوجی کی بنیاد زمین سے نکلنے والا خام تیل ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے جفال الشعر کہا ہے۔یعنی جفال الشعر دجال ہے اور جفال الشعر یعنی خام تیل ہی ان ان جگھوں سے نکل رہا ہے جہاں جہاں کا ذکر احادیث میں ملتا ہے کہ دجال فلاں فلاں جگہ سے خروج کرے گا۔ یہاں دجال کے خروج والی احادیث بھی-----------

الدجال يخرج من ارض بالمشرق يقال لها خراسان، يتبعه اقوام كان وجوههم المجان المطرقة.

۳۸۷۵۰

انه خارج خلة بين شام والعراق. ۴۸۷۴۰، ۳۸۷۴۲

اس میں کچھ شک نہیں وہ شام اور عراق کے درمیان خالی جگہ (جہاں آبادی وغیرہ کچھ بھی نہیں، خالی میدانی یا صحرائی علاقے) سے نکلے گا۔

انه فی بحر الشام أو بحر اليمن لا بل من قبل المشرق ما هو من قبل المشرق ما هو من قبل المشرق ما هو واومى بيده الى المشرق. ۴۸۷۴۱

بل هو فی بحر العراق، يخرج حين يخرج من بلدة يقال لها اصبهان من قريةٍ من قراها يقال لها رستقا باد. ۴۸۷۴۱

يخرج الدجال من العراق. نعيم بن حماد

رسول الله ﷺ قال: واعلموا أن الله عزوجل صحيح ليس بأعور، وأن الدجال أعور ممسوح العين، بين عينيه مكتوب ''كافر'' يقرؤه كل مؤمن كاتب أو غير كاتب. سنن الواردة فی الفتن

....

دجال کے بارے میں مزید۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

دجّال کا مکہ اور مدینہ میں داخل نہ ہونا

دجّال مکہ اور مدینہ میں داخل نہ ہونا

مدینہ سے مراد کیا ہے یا مدینہ کسے کہتے ہیں۔

وَمِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ خَلَقۡنَا زَوۡجَيۡنِ . الذاریات ۴۹

اور ہر شئے سے خلق کیا ہم نے اس کا جوڑا

اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن میں سورت الذاریات کی اس آیت میں کہا کہ ہم نے ہر شئے سے اس کا جوڑا خلق کیا۔اس قانوں کے مطابق لفظ ''مدینہ'' کا بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے جوڑا بنایا۔جو کہ اس کی ضد ''قریہ'' ہے۔

لفظ ''مدينة'' کو پہلے سمجھ لیتے ہیں کہ لفظ مدینہ بنا کیسے۔اس میں اصل لفظ ''دین'' ہے۔لفظ ''دین'' کے شروع میں ''م'' اور آخر میں ساکت ''ۃ'' یا ''ہ'' دونوں کے معنی ایک ہی ہیں کے استعمال سے لفظ ''دين، مدينة يا مدينه ''میں تبدیل ہو گیا۔

عربی میں حرف ''م'' موجودگی ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور حرف ''ۃ'' کسی کی طرف اشارے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

لفظ ''دین'' کے شروع میں ''م'' آجانے سے معنی بن جاتے ہیں کہ دین موجود ہے۔دین کی موجودگی کیسے ہوگی اسے ہم قرآن سے سمجھ لیتے ہیں۔

ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۔یوسف ۴۰

یہ دین قائم کرنے والا ہے اور لیکن انسانوں کی اکثریت اس کا علم نہیں۔

دین اسلام کی موجودگی اس کا قائم ہونا ہے۔تو لفظ ''دین کے شروع میں ''م'' دین کی موجودگی یعنی دین کے قائم ہونے کو ظاہر کرتا ہے کہ دین قائم ہے۔اور ''ۃ'' اس مقام کی طرف اشارہ کرتا ہے جہاں پر دین قائم ہو۔

''مدینہ'' کے معنی ہیں کہ وہ مقام جہاں پر اللہ کا دین قائم ہو۔اور اس کا جوڑا جو کہ قرآن میں اس کی ضد کے طور پر اللہ سبحان وتعالیٰ نے استعمال کیا ہے وہ ہے۔ ''قرية يا قريه''

"قریہ" کا مادہ "قر" ہے۔ جس کے معنی ایک شئے پر کسی دوسرے شئے کے ٹکرانے سے ردعمل کے طور پر بلند ہونے والی آواز کو کہتے ہیں۔ عربی میں دروازے پر دستک دینے کو بھی "قر" کہتے ہیں۔ اسی سے لفظ "قریہ" بنا ہے، اسی سے "اقرا" اور اسی سے "قرات" بھی بنا ہے۔

اقرا۔ انسان کے سامنے کتاب پڑھی ہوتی ہے یا کچھ لکھا ہوتا ہے انسان کی نظر اس پر ٹکراتی ہے اور ردعمل کی صورت میں حلق سے آواز پیدا ہوتی ہے جسے اقرا کہتے ہیں اور اس آواز کو قرات کہتے ہیں۔

"قریہ" کہتے ہیں کسی ایسے گاؤں، شہر، بستی، علاقے یا خطے کو جو اللہ کے کلام یعنی اللہ کے احکامات کے سامنے اپنی آواز بلند کریں۔ یعنی اگر اللہ کسی کام کے کرنے کا حکم دے رہے ہیں تو وہ اس کے ردعمل میں نہ صرف انکار کر دیں بلکہ اللہ کے مقابلے پر اپنی آواز بلند کریں کہ نہیں ہم تو وہ کریں گے جو ہم چاہتے ہیں۔ لفظ "قریہ" میں "ۃ" اس طرف اشارہ کرتا ہے جہاں کے رہنے والے اللہ کے مقابلے پر اپنی آواز بلند کرتے ہیں۔

اللہ کے مقابلے پر اپنی آواز بلند کرنے والے گاؤں، شہر، بستی، علاقے یا خطے کو قریہ کہتے ہیں۔ یا اس سے بھی آسان ترین معنی یہ ہیں کہ جہاں اللہ کا دین قائم نہ ہو اسے "قریہ" کہتے ہیں۔

روایات میں دجال کے مدینہ میں نہ داخل ہونے سے مراد سعودی عرب کے شہر یثرب کو لیا جاتا ہے کہ دجال سعودی عرب کے شہر "بلد" یثرب میں داخل نہیں ہو پائے گا کیونکہ وہ مدینہ ہے۔ یہ بلکل غلط تصور ہے اس کا حقیقت سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں۔

جسے آج مدینہ کہا اور سمجھا جاتا ہے اس کا نام یثرب ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا وہ مدینہ ہے یا قریہ تو اس کا جواب بھی بلکل واضح ہے۔ اگر تو وہاں اللہ کا دین قائم ہے تو وہ مدینہ کہلائے گا۔ اور اگر وہاں اللہ کا دین قائم نہیں ہے تو وہ مدینہ نہیں بلکہ قریہ ہے۔

یثرب کو مدینہ کب کہا گیا؟

رسول اللہ ﷺ کی مکہ سے یثرب کی طرف ہجرت کے بعد یثرب کو مدینہ کہا گیا۔

یثرب کو مدینہ کیوں کہا گیا؟

رسول اللہ ﷺ کی مکہ سے یثرب ہجرت سے پہلے یثرب میں اللہ کا دین قائم نہیں تھا اس لیے اس وقت یثرب، قریہ تھا لیکن جب محمد رسول اللہ ﷺ نے یثرب کی طرف ہجرت کی تو وہاں اللہ کا دین قائم کر دیا جس وجہ سے یثرب کو مدینہ کہا گیا۔ لیکن اس

کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اس کا نام تبدیل کر دیا گیا بلکہ نام اس کا وہی تھا جو پہلے تھا یعنی یثرب۔ اور تب تک رہے گا جب تک کہ اس کا نام تبدیل نہ کر دیا جائے۔

مدینہ یا قریہ یہ نام نہیں ہے بلکہ اسے ہم ایک مثال سے سمجھ سکتے ہیں۔

مثلاً آپ کا ایک بیٹا ہو جس کا نام عمران ہو۔ اب اگر تو وہ اللہ کی غلامی کرے گا تو وہ مومن یا مسلم کہلائے گا اور اگر وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی غلامی کرے گا تو وہ مومن یا مسلم نہیں بلکہ مشرک و کافر کہلائے گا۔ یعنی ایک انسان جس کا نام عمران ہے اگر تو وہ اللہ کے دین پر قائم ہے تو وہ مومن یا مسلم کہلائے گا اور اگر وہ اللہ کے دین پر قائم نہیں تو وہ مشرک و کافر کہلائے گا۔ اب مسلم و مومن یا مشرک و کافر کسی کی کنیت یعنی نام نہیں ہے نہ ہو سکتا ہے بلکہ یہ اس کا کردار ہے۔

بلکل اسی طرح زمین میں مجموعی سطح پر جہاں اللہ کا دین قائم ہو گا اس خطے کا نام جو بھی ہو وہ مدینہ کہلائے گا اور اگر وہاں اللہ کا دین قائم نہیں ہے تو وہ قریہ کہلائے گا۔ خواہ اس خطے کا کوئی بھی نام ہو۔ اور نام اس کا جو ہو گا وہی رہے گا یہاں تک کہ تبدیل نہ کر دیا جائے لیکن قریہ یا مدینہ اس کا نام نہیں ہو گا۔ یہ صرف اور صرف صفت ہو گی جب تک اس میں پائی جائے گی۔ اس کے علاوہ کسی بھی بستی کو مدینہ اس وقت کہا جا سکتا ہے جس کے رہنے والے مومن ہوں اور وہاں اللہ کے دین کا قیام چاہتے ہوں مگر اس میں ایسے حکمرانی طاقت کے بل پر مسلط ہو جائیں جو اللہ کے ساتھ کفر کرنے والے ہوں۔

اس کے باوجود اگر کوئی بضد رہے کہ نہیں مدینہ صرف اور صرف یثرب ہی ہے جو سعودی عرب میں ہے۔ تو پھر لا تعداد سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً قرآن میں مجموعی طور پر ۱۴ مقامات پر لفظ ''مدینہ'' کا استعمال ہوا۔

۱۔ الاعراف، آیت ۱۲۳

۲۔ التوبہ، آیت ۱۱۰

۳۔ التوبہ، آیت ۱۲۰

۴۔ یوسف، آیت ۳۰

۵۔ الحجر، آیت ۶۷

۶۔ الکھف، آیت ۱۹

۷۔ الکھف، آیت ۸۲

۸۔ النمل، آیت ۴۸

۹۔ القصص، آیت ۱۵

۱۰۔ القصص، آیت ۱۸

۱۱۔ القصص، آیت ۲۰

۱۲۔ الاحزاب، آیت ۶۰

۱۳۔ یٰسین، آیت ۲۰

۱۴۔ المنافقون، آیت ۸

ویسے تو ہم ان چودہ کے چودہ مقامات پر بات کر سکتے ہیں لیکن اس سے ایک تو موضع وسیع ہو جائے گا اور دوسری بات یہ کہ سب مقامات پر بات کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔اس لیے ہم صرف ان چند مقامات پر بات کریں گے جو نہ صرف ہمارے موضوع کا احاطہ کریں بلکہ حق بلکل کھل کر واضع ہو جائے۔

قَالَ فِرۡعَوۡنُ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ اٰذَنَ لَـكُمۡ ‌ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكۡرٌ مَّكَرۡتُمُوۡهُ فِى الۡمَدِيۡنَةِ لِتُخۡرِجُوۡا مِنۡهَاۤ اَهۡلَهَا‌ ۚ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۔ الاعراف ۱۲۳

کہا فرعون نے تم ایمان لے آئے اس کے ساتھ اس سے پہلے کہ میں حکم کرتا تمہارے لیے،اس میں کچھ شک نہیں یہ تو چال ہے جو تم نے چال چلی ہے مدینہ میں نکالنے کے لیے اس سے اس کے رہنے والوں کو،پس جلد ہی میں تم اپنے اس کیے کا جان لو گے۔

اس آیت میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے لفظ مدینہ کا بلکل واضع ذکر کیا ہے۔لفظ مدینہ کا استعمال فرعون نے اپنی زبان سے نہیں ادا کیا تھا یہ تو اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن میں استعمال کیا ہے اور اس کے استعمال کا مقصد یہ ہے کہ جب فرعون نے یہ الفاظ ادا کیے تھے کہ تب مصر قریہ نہیں بلکہ مدینہ بن چکا تھا۔اہل مصر موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کے دیئے گئے معجزات کا مشاہدہ کرنے سے ہی ایمان لا چکے تھے لیکن فرعون کے سامنے کسی نے اس کا اقرار نہیں کیا تھا اور جب جادوگروں نے حق کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو ان کے دلوں نے حق کی تصدیق کی اور وہ ایمان لے آئے جس پر فرعون نے انہیں ان کے انجام کی خبر سنائی لیکن حقیقت یہ تھی کہ اللہ سبحان وتعالیٰ لفظ مدینہ کا استعمال کر کے یہ واضع کر رہے ہیں کہ مصر قریہ سے مدینہ بن چکا تھا جس وجہ سے

آل فرعون جو کہ کافر تھے اس کا حصہ نہیں رہے تھے اور آل فرعون پر اللہ کا عذاب یعنی جو کچھ فساد انہوں نے کیا تھا اس کی وجہ سے عذاب آنے ہی والا تھا لیکن انہیں اس کا ادراک نہیں تھا۔ یہ اللہ کا قانون ہے کہ مدینہ میں کوئی منافق و کافر نہیں رہ سکتا اس لیے آل فرعون کو بھی مدینہ سے نکال کر غرق کر دیا گیا۔

بہر حال آیت میں لفظ مدینہ کا استعمال ہوا ہے جو کہ ہم جانتے ہیں کہ اس مدینہ سے مراد مصر ہے جہاں آل فرعون کی حکومت تھی۔ نہ کہ حجاز کا شہر جس کا نام یثرب ہے اور ہم اسے مدینہ قرار دینے پر بضد ہیں حالانکہ وہ قریہ ہے۔ اگر تو مدینہ سے مراد یثرب ہی ہے تو پھر یہ کون سا مدینہ تھا جس کا اس آیت میں ذکر ہے؟

وَقَالَ نِسۡوَةٌ فِى الۡمَدِيۡنَةِ امۡرَاَتُ الۡعَزِيۡزِ تُرَاوِدُ فَتٰٮهَا عَنۡ نَّفۡسِهٖ‌ۚ قَدۡ شَغَفَهَا حُبًّا‌ ؕ اِنَّا لَـنَرٰٮهَا فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۔ یوسف ۳۰

اور کہا عورتوں نے مدینہ میں عزیز (اعلیٰ حکومتی عہدیدار) کی عورت اپنے نفس سے بہکانا چاہتی ہے اپنے نوجوان کو، تحقیق اس کی محبت نے اسے شدید اثر انداز کیا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں ہم دیکھتی ہیں اسے کھلم کھلا رستے سے بھٹکی ہوئی۔

یہ سورت یوسف کی آیت ہے۔ اس آیت میں بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے لفظ مدینہ کا استعمال کیا ہے۔ لفظ مدینہ کا استعمال کر کے اللہ سبحان وتعالیٰ نے یہ واضع کر دیا کہ اس وقت مصر میں اللہ کا دین قائم تھا۔ اور اہل مصر ایمان والوں کا خطہ تھا نہ کہ مشرکین و کفار کا۔ اس وقت مصر کے حاکم مومن تھے۔ جس سے ان لوگوں کے یوسف علیہ السلام پر لگائے جانے والے الزامات کی بھی قرآن نے تردید کر دی جو یہ کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے ایک کافر حکومت میں خود کہہ کر وزارت حاصل کی۔ جو کہ نہ صرف اللہ کے نبی یوسف علیہ السلام پر بہتان عظیم ہے بلکہ اللہ سبحان وتعالیٰ پر بھی بہتان عظیم۔ کہ ایک طرف قرآن میں اللہ سبحان وتعالیٰ یہ کہہ رہے ہیں کہ اس نے کوئی نبی نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہی وحی کی کہ نہیں کوئی غلام کے لائق مگر اللہ "لا الہ الا اللہ" اور دوسری طرف اللہ کے نبی خود ہی ایک ایسی حکومت میں وزارت حاصل کرتے ہیں جو حکومت اللہ کے بجائے شیطان کی غلام ہے۔ نعوذ باللہ۔

بہر حال جب ہم نے لفظ مدینہ کو سمجھ لیا تو ہم پر دین کے لاتعداد معاملات کھل کر واضع ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ہم پھر بھی اس پر بضد رہیں کہ نہیں حجاز کا شہر یثرب ہی مدینہ ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یوسف علیہ السلام کیساتھ یہ واقعہ اسی مدینہ میں پیش آیا جو حجاز میں ہے؟

پھر اسی طرح اس آیت میں بھی دیکھ لیں۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا. الکھف ١٩

اور اسی طرح بعث کیا ہم نے انہیں سوال کرنے کے لیے ان کے درمیان، کہا ان میں سے ایک نے پوچھا تم کتنا ٹھہرے، انہوں نے جواب دیا ہم ٹھہرے ایک یوم یا ایک یوم کا کچھ۔ انہوں نے جواب دیا تمہارا رب علم رکھتا ہے ساتھ جو تم ٹھہرے۔ پس بھیجو تم میں سے ایک کو کاغذ کے نوٹ کیساتھ اس مدینہ کی طرف پس دیکھے ہے کوئی صاف ستھرا پاکیزہ کھانا، پس لا دے تمہیں اس میں سے رزق اور انتہائی محتاط رہے اور نہ ہی کسی کو آگاہ کرے تم میں سے کسی ایک کے بھی متعلق۔

اس آیت میں اصحاب الکھف کے بارے میں بیان کیا گیا ہے اور اس آیت میں بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے لفظ مدینہ کا استعمال کیا ہے۔ اصحاب الکھف نے نہیں کہا کہ کاغذی کرنسی کیساتھ ایک کو مدینہ میں بھیجو۔ بلکہ یہ تو اللہ سبحان وتعالیٰ کہہ رہے ہیں کہ ہم نے کہا یعنی یہ تو قرآن کے الفاظ ہیں۔ ان کے الفاظ کیا تھے اس کا اندازہ آیت کے آخری حصے اور آگلی آیت سے بھی ہو جاتا ہے۔ اصحاب الکھف نے کہا تھا کہ قریہ کی طرف بھیجو کیونکہ وہ قریہ سے ہی تو فرار ہوئے تھے اور اگر قریہ نہ سمجھ رہے ہوتے تو یہ الفاظ استعمال نہ کرتے کہ پاکیزہ کھانا دیکھے اور نہ ہی محتاط رہنے کا کوئی جواز تھا۔

مدینہ کا لفظ اللہ سبحان وتعالیٰ نے استعمال کیا۔ اصحاب الکہف کو تو اس بات کا اندازہ ہی نہیں تھا کہ وہ کتنی مدت ٹھہرے ان کا تو یہی گمان تھا کہ حسب سابق جیسے رات کو سوتے ہیں اسی طرح دن کو سو گئے جو زیادہ سے زیادہ ایک یا ایک دن سے بھی کم وقت تھا لیکن قرآن میں اللہ سبحان وتعالیٰ یہ بتا رہے ہیں کہ وہ تین سو نو سال رہے اس دوران قریہ مدینہ میں تبدیل ہو چکیں تھیں۔یعنی اللہ کا دین قائم ہو چکا تھا۔

بہر حال اس کی تفاصیل تو سورت الکہف کی تفسیر میں ہی آئیں گی لیکن جو بات ہمارے موضوع سے تعلق رکھتی ہے وہ یہ کہ اس آیت میں بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے لفظ مدینہ کا استعمال کیا۔ اگر مدینہ سے مراد حجاز کا شہر یثرب ہی ہے تو کیا اصحاب الکہف کا واقعہ بھی حجاز موجودہ سعودی عرب کی قریہ یثرب جس کو مدینہ کہنے پر بضد ہیں میں پیش آیا تھا؟

کیونکہ اگر مدینہ سے مراد حجاز کی بستی یثرب ہی ہے تو پھر اس کا مطلب ہے کہ اصحاب الکہف کا واقعہ بھی وہیں پیش آیا؟
لیکن جب کہ الحمدللہ شروع میں ہی تفصیل سے واضح ہو چکا کہ مدینہ کے معنیٰ کیا ہے اس لیے حق بلکل واضح ہے اور اگر ہم علم کی بجائے قیاس سے کام لیں گے تو پورے کا پورا دین ہی بدل جائے گا۔

وَاَمَّا الۡجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيۡنِ يَتِيۡمَيۡنِ فِى الۡمَدِيۡنَةِ وَكَانَ تَحۡتَهٗ كَنۡزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوۡهُمَا صَالِحًا ۔ الکھف ۸۲

اور جو دیوار پس تھی دو یتیم لڑکوں کی مدینہ میں اور تھا اس کے نیچے خزانہ ان کے لیے اور تھا ان کا باپ اصلاح کرنے والا۔

یہ سورت الکہف میں موسیٰ علیہ السلام اور اللہ کے ایک غلام کا واقعہ ہے جس میں وہ ایک قریہ میں دیوار کو دوبارہ تعمیر کرتے ہیں کیونکہ وہ گرنے والی ہوتی ہے۔اللہ کے غلام نے ایسا کیوں کیا اس کی تاویل انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو بتائی۔ سورت الکہف میں یہ واقعہ بھی انتہائی غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے اس میں اللہ سبحان وتعالیٰ کے بہت سے راز پوشیدہ ہیں جس پر بات اسی سورت کی تفسیر میں ہی ہو گی لیکن جو ہمارا موضوع ہے وہ یہ کہ اس آیت میں بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے لفظ مدینہ کا استعمال کیا ہے۔ اگر مدینہ سے مراد حجاز موجودہ سعودی عرب کی بستی یثرب کو لیا جائے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ واقعہ بھی وہیں پیش آیا؟

جسے آج مدینہ کہا جاتا ہے اور لوگوں کے ذہنوں میں راسخ کر دیا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ آج ام القریہ میں سے ایک قریہ ہے۔ یعنی ایسی بستی جہاں اللہ کا دین نہیں بلکہ شیطان کا دین قائم ہے جہاں دجّال دھندناتا پھر رہا ہے۔ حقیقت جو تھی الحمد للہ صرف اور صرف اللہ کے فضل سے آپ کے سامنے رکھ دی۔

مسلم جلد ۳ صفحہ ۳۸۷ ------------------------

قال رسول الله ﷺ امرت بقرية تاكل القرى يقولون يثرب وهی المدينة تنفيي الناس كما ينفيي الكير خبث الحديد. مسلم

کہا رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم ہوا ہے (ہجرت کا) ایسی قریہ کو جو کھا جائے گی تمام قریہ کو، کہا جاتا ہے اسے یثرب اور حالانکہ وہ مدینہ ہے، مدینہ لوگوں کی ایسے چھانٹی کر دیتا ہے جیسے بھٹی لوہے کا خبث (گند، زنگ وغیرہ) چھانٹ یعنی نفی کر دیتی ہے۔

یہ رسول اللہ ﷺ کے مکہ سے یثرب کی طرف ہجرت سے پہلے کے الفاظ ہیں جب رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے یثرب کی طرف ہجرت کا حکم دیا اللہ سبحان وتعالیٰ نے۔ تو غور کریں ہجرت سے پہلے یثرب کو رسول اللہ ﷺ قریہ کہہ رہے ہیں ایسی قریہ جو تمام قریہ کو کھا جائے گی۔ پھر رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں حالانکہ وہ مدینہ ہے یعنی کہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت سے پہلے وہ قریہ تھی ایسی بستی جہاں اللہ کا دین قائم نہیں تھا اور جب اللہ سبحان وتعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ہجرت کا حکم دے دیا تو وہ اب قریہ نہیں رہے گی بلکہ وہاں اللہ کا دین قائم ہو جائے گا اور وہ مدینہ بن جائے گی پھر تمام قریہ کو کھا جائے گی یعنی جب یثرب میں اللہ کا دین قائم ہوگا تو وہ قریہ سے مدینہ بن جائے گا پھر وہی مدینہ آس پاس کی تمام قریہ میں یا تو اللہ کا دین قائم کرے گا یا پھر صفحہ ہستی سے مٹا دے گا۔ یہ تھا اس قریہ کا تمام قریہ کو کھانا۔
لیکن اگر ہم مدینہ سے مراد یثرب کو لیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ کی ہجرت سے پہلے وہ مدینہ کیوں نہیں تھا؟ یا پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے ہجرت سے پہلے قریہ کیوں کہا؟

رسول الله ﷺ قال، یاتی علی الناس زمان یدعو الرجل ابن عمه وقريبه هلم الى الرخاء هلم الرخاء والمدينة خير لهم لو كانوا يعلمون

والذی نفسی بیده لا یخرج منهم احد رغبة الا اخلف الله فیها خیرًا منه الا ان المدینة کالکیر تخرج الخبیث لا تقوم الساعة حتی تنفی المدینة شرارها کما ینفی الکیر خبث الحدید. مسلم

قال رسول الله ﷺ! تفتح الشام فیخرج من المدینة قوم باهلیهم یبسون والمدینة خیر لهم لو کانو یعلمون ثم تفتح الیمن فیخرج من المدینة قوم باهلیهم یبسون والمدینة خیر لهم لو کانو یعلمون ثم تفتح العراق فیخرج من المدینة قوم باهلیهم یبسون والمدینة خیر لهم لو کانو یعلمون. مسلم

رسول اللہ ﷺ نے کہا شام فتح ہوگا پس نکل جائی گی مدینہ سے قوم اپنے اہل وعیال کیساتھ سواریوں کو چلاتے ہوئے پھر یمن فتح ہوگا پس نکل جائی گی مدینہ سے قوم اپنے اہل وعیال کیساتھ سواریوں کو چلاتے ہوئے پھر عراق فتح ہوگا فتح ہوگا پس نکل جائی گی مدینہ سے قوم اپنے اہل وعیال کیساتھ سواریوں کو چلاتے ہوئے۔

اس روایت کو جب پڑھیں تو کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں جن میں سب سے پہلا یہ کہ فتح شام ہورہا ہے اور لوگ مدینے سے نکل رہے ہیں پھر فتح یمن ہورہا ہے اور لوگ مدینے سے نکل رہے ہیں پھر فتح عراق ہورہا ہے اور لوگ مدینے سے نکل رہے ہیں۔یعنی اگر مدینہ سے مراد حجاز کا شہر یثرب لیا جائے تو پھر یہ بات عقل میں نہیں آتی۔بلکل ایسی ہی بات ہوگی کہ آپ کہیں کہ بھوک مجھے لگی اور کھانا میرے ہمسائے نے کھایا۔یا زلزلہ سیلاب مشرق میں آیا اور متاثر لوگ مغرب کے ہوئے۔

حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے بہت ہی لاجواب خبر دی تھی جو آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور دیکھنے کے باوجود اندھے بنے ہوئے ہیں۔اور ایسا کیوں نہ ہو جب ہم علم کی بجائے قیاس سے کام لیں۔اپنے باطل نظریات کو ہی حق منوانے پر بضد رہیں گے تو پھر ایسا ہی ہوگا۔

لیکن جب ہم قیاس کی بجائے علم سے کام لیں گے تو بلکل واضع ہو جائے گا کہ شام فتح کن کے ہاتھوں ہو گا؟
مومنوں کے ہاتھوں، مہدی آخر الزمان کے لشکر کے ہاتھوں اور فتح ہونے سے پہلے وہ قریہ تھا یعنی اللہ کا دین قائم نہیں تھا بلکہ وہاں دجّال موجود تھا اور جب مومنوں کے ہاتھوں فتح ہو گا تو وہ وہاں اللہ کا دین قائم کر دیں گے یوں شام مدینہ بن جائے گا۔
جب مدینہ بن جائے گا تو دجّال کے پیروکار وہاں کیسے رہ سکتے ہیں حالانکہ دین پر ڈٹنا تو جلتا ہوا انگارہ ہاتھ میں لینے کے مترادف ہو گا۔ اس لیے وہ مدینہ سے نکل کر انہی دجالی معاشروں کا رخ کریں گے جہاں ان کی خواہشات پوری ہو سکیں۔ جہاں انہیں ہر قسم کے فسق و فجور کی کھلی آزدی میسر ہو جیسے شام میں اللہ کا دین قائم ہونے سے پہلے تھی۔ بلکل ایسا ہی یمن میں ہو گا۔ یعنی یمن فتح ہونے سے پہلے قریہ ہو گا ایک ایسی بستی جہاں اللہ کا دین قائم نہیں اور جب فتح ہو گا تو وہاں اللہ کا دین قائم ہو جائے گا یعنی مدینہ بن جائے گا تو پھر دجّال کے غلام مدینہ میں کیسے رہ سکتے ہیں؟
مدینہ تو حقیقتاً لوہار کی بھٹی کی مانند ہو گا۔ جب پوری دنیا دجّال کو اپنا رب بنا چکی ہے اس وقت اگر کسی خطہ میں اللہ کا دین قائم ہوتا ہے تو وہاں کے رہنے والوں کا انجام بلکل ایسا ہی ہو گا جیسے کے دشمن کسی بستی کا محاصرہ کر لیں اور بستی میں سخت قحط کا سا حال ہو جائے اور اوپر سے آگ و بارود کی بارش کی جا رہی ہو۔ ایسے وقت میں تو صرف وہی مدینہ میں رہ سکتے ہیں جن میں ایمان ہو گا کیونکہ وہی صرف اور صرف اللہ پر توکل کرنے والے ہوں گے اور جن کے اندر نفاق کی رائی بھی ہو گی مدینے کی یہ سختیاں اس نکال باہر کریں گی۔
دجّال مدینے کا محاصرہ کیے ہوئے ہو گا اور مدینے پر آگ برسا رہا ہو گا یعنی اسلحے و بارود سے دن رات حملے کیے جا رہے ہوں گے۔ مدینے کا ہر لحاظ سے محاصرہ کیا جائے گا کہ کوئی بھی ان سے لین دین نہ کرے تو ایسی حالت میں بھلا کون ہو گا جو مدینے میں رہ سکتا ہے؟ صرف اور صرف وہی جو حقیقتاً اللہ کو ربّ بنائے گا نہ کہ دجّال کو۔
پھر اسی طرح جب عراق فتح ہو گا تو فتح ہونے کے بعد مدینہ بن جائے گا اور مدینے یعنی عراق سے دجّال کے غلام وہاں سے نکل جائیں گے۔

الحمدللہ ہم نے تفصیل کے ساتھ جان لیا کہ مدینہ سے مراد کیا ہے۔ اور مدینہ میں دجّال داخل نہیں ہو سکے گا۔ مدینہ سے مراد سعودی عرب کی بستی یثرب نہیں ہے بلکہ ہر وہ بستی یا خطہ ہے جہاں اللہ کا دین قائم ہو۔ اور پھر ظاہر ہے جہاں اللہ کا دین قائم ہو گا یعنی اللہ کا نظام قائم ہو گا تو وہاں ہر شئے اللہ سبحان وتعالیٰ کے حکم سے خلق ہو گی، پروان چڑھے گی، وہاں کوئی بیماری نہیں ہو گی، کوئی فساد نہیں ہو گا، کوئی خرابی نہیں ہو گی۔ یہ سب خامیاں و خرابیاں وہیں ہوں گی جہاں دجّال ہو گا۔

پھر اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ مدینہ سے مراد یثرب ہی ہے جہاں دجّال داخل نہیں ہو سکے گا تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ دجّال احد پہاڑ پر آئے گا اور کہے گا کہ وہ سامنے سفید محل دیکھ رہے ہو وہ احمد کی مسجد ہے یعنی مسجد نبوی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔یہاں یہ روایت

حجاز کی بستی جس کا نام یثرب ہے اور مدینہ کے نام سے مشہور ہے اس کا رقبہ دو سو ستائیس اعشاریہ چار مربع میل ہے۔ احد پہاڑ یثرب کے اندر موجود ہے۔ احد پہاڑ مسجد نبوی سے صرف تین اعشاریہ باون کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ اس کے برعکس مسجد قبا جو کہ یثرب میں ہی موجود ہے وہ احد پہاڑ سے بھی آگے مسجد نبوی سے گیارہ اعشاریہ چار کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ یعنی اخد پہاڑ تو یثرب کے درمیان واقع ہے۔

اگر مدینہ سے مراد یہی مدینہ یعنی یثرب ہے تو پھر دجّال مدینہ کے کئی کلومیٹر اندر احد پہاڑ پر کیسے آ جائے گا؟ جو کہ آ چکا ہے۔ یہ انتہائی غیر معمولی سوال ہے جس کا جواب کوئی بھی ایسی شخصیت نہیں دے سکتی جو یثرب کو مدینہ کہنے پر بضد ہے۔

یثرب میں دجّال کی تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔گوگل ماپ سے بھی۔۔۔۔۔۔۔۔

دجّال کا مکہ میں داخل نہ ہو پانا

دجّال مکہ میں داخل نہیں ہو سکے گا اسے جاننے کے لیے ہمیں سب سے پہلے مکہ کو جاننا ہوگا۔ کہ مکہ ہے کیا۔ جب ہم مکہ کو جان لیں گے تو ان شاءاللہ ہم پر سب کچھ واضع ہو جائے گا۔

مکہ کیا ہے؟

دجّال مکہ میں داخل نہیں ہو سکے گا اس کا کیا مطلب ہے؟

اگر مکہ سے مراد وہ بستی ہے جو کعبہ کے اردگرد قائم ہے تو پھر اس کا مطلب ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنھم دجّال کو نہ سمجھ پائے اور جھوٹے تھے جو ابن صیاد کے دجّال ہونے کی قسمیں کھاتے تھے۔ کیونکہ جب مکہ سے مراد یہ بستی ہے تو پھر ابن صیاد دجّال کیسے ہو سکتا تھا جو کہ یثرب میں ہی رہتا تھا اور مکہ بھی آتا جاتا تھا بلکہ اس کی تو پیدائش بھی یثرب میں ہی ہوئی۔ اور یہ سب ان تمام صحابہ اکرام رضوال اللہ علیھم اجمعین کو علم تھا۔ اس کے باوجود اگر وہ ایسا کہتے رہے تو پھر رسول اللہ ﷺ کے ان الفاظ کو جھٹلانا پڑے گا کہ دجّال مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ عمر فاروق و ابن عمر رضی اللہ عنھم سمیت وہ تمام اصحاب الرسول بھی اپنے قول میں سچے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے الفاظ بھی بلکل حق ہیں۔ اگر کہیں فرق ہے تو وہ ہماری سمجھ میں۔ کیونکہ ہم نے قیاس پر مبنی باطل نظریات کو نہ صرف پروان چڑھایا بلکہ انہیں اپنے اذہان میں پختہ کیا اور پھر انہیں نظریات کی روشنی میں ہم سب کچھ سمجھنا چاہتے ہیں جو کہ ناممکن ہو جاتا ہے۔

اگر مکہ سے مراد وہ بستی ہے جو کعبہ کے اردگرد قائم ہے تو پھر رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دجّال کو کعبے کا طواف کرتے ہوئے کیوں دیکھا؟

اگر مکہ سے مراد وہ بستی ہے جو کعبہ کے اردگرد قائم ہے تو پھر عمر فاروق رضی اللہ عنھم سمیت باقی صحابہ کیوں ابن صیاد کے دجّال ہونے پر قسمیں کھاتے تھے؟ حالانکہ ابن صیاد مکہ اور یثرب میں ہی تو موجود ہوتا تھا اور وہ بھی جانتے تھے کہ دجّال مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔

اگر مکہ سے مراد وہ بستی ہے جو کعبہ کے اردگرد قائم ہے اور دجّال مکہ اور یثرب میں داخل نہیں ہو سکتا تو پھر رسول اللہ ﷺ ایک یہودی بچے کو شک کی نگاہ سے کیوں دیکھتے رہے جو کہ یثرب میں تھا؟

اگر مکہ سے مراد وہ بستی ہے جو کعبہ کے ارد گرد قائم ہے اور دجّال مکہ اور یثرب میں داخل نہیں ہو سکتا تو پھر رسول اللہ ﷺ ابن صیاد پر شک کیوں کرتے تھے؟

اگر مکہ سے مراد وہ بستی جو کعبہ کے ارد گرد قائم ہے وہ ہے تو پھر اوپر اٹھائے گئے سوالات سمیت کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں جو لاجواب ہیں ان کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں مل سکتا۔ اور یہ سوالات اٹھانے کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ ہم تھوڑا سا غور کریں کہ ہم نے جو نظریات اس حوالے سے قائم کیے ہوئے ہیں کیا ان کی بنیاد بھی ہے یا محض قیاس ہی ان کی بنیاد ہے جو کہ بلکل کھوکھلی بنیاد ہے۔

اسی طرح ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ مکہ کے نام پر کعبے کے اطراف قائم بستی کا نام مکہ کب اور کیسے رکھا گیا؟

کیونکہ آپ کو دنیا میں جتنی بھی بستیوں کے نام ملیں گے وہ کسی نہ کسی شئے یا شخصیت وغیرہ سے منسوب ہوں گے جیسے اسرائیل ہی کی مثال لے لیں۔ موجودہ بستی جو اسرائیل کے نام سے موجود ہے اس کا نام اسرائیل یعقوب علیہ السلام کے نام سے منسوب ہے۔ اسرائیل عبرانی زبان کے دو الفاظ کا مجموعہ ہے۔ اسرا اور ایل۔ اسرا کے عبرانی میں معنی قیدی غلام کے ہیں یہی لفظ عربی میں بھی عبرانی سے منتقل ہوا۔ اور ایل کے عبرانی میں معنی ربّ کے ہیں۔ یوں اسرائیل کے معنی رب کے غلام کے ہیں۔ جو کہ یعقوب علیہ السلام کی کنیت تھی۔ اور انہی کی کنیت پر موجودہ اسرائیل آباد ہے۔

بلکل ایسے ہی کعبے کے اطراف میں قائم بستی کا نام مکہ کے نام سے منسوب ہے اور مکہ اس بستی کے قیام سے پہلے ہی وجود رکھتا ہے۔ یہ بستی جو مکہ کے نام سے منسوب ہے اس کا نام ابراہیم علیہ السلام نے رکھا او ابراہیم علیہ السلام کا اپنی بیوی اور اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو جب صفا مروہ میں اللہ کے توکل پر چھوڑا تو وہاں آب زم زم کا چشمہ نکلنے کے بعد اس بستی کا قیام ہوا یعنی یہ بستی جسے آج ہم مکہ کے نام سے جانتے ہین وجود میں آئی۔ مکہ پوری زمین کا وہ مقام ہے جہاں سے اللہ سبحان وتعالیٰ زمین پر تمام عالمین کو ہدایات دے رہے ہیں یعنی مکہ زمین کا کنٹرول پوائنٹ ہے۔ اسی کنٹرول پوائنٹ کے نام پر ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی طرف سے وحی کیمطابق اس بستی کا نام مکہ رکھا۔

مکہ زمین کا کنٹرول پوائنٹ ہے اسے ایک مثال سے سمجھ لیجئے۔

جیسے ایک ٹیلی وژن ہوتا ہے اسے آن آف کرنے، اس کے چینلز تبدیل کرنے، آواز کم یا زیادہ کرنے اور اس میں کسی بھی قسم کی کوئی تبدیلی کرنے کے لیے ریموٹ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ریموٹ آپ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ آپ ٹی وی کے مالک کہلائے۔ اب آپ نے ٹی وی کو حکم دینا ہے کہ وہ ایک نمبر چینل کی نشریات دیکھائے تو آپ ریموٹ سے بٹن دبائیں گے

یعنی کہ آپ نے ٹی وی کو حکم دیا۔آپ کا ٹی وی کو دیا گیا حکم ریموٹ سے نور کی لہروں کی صورت میں نکلتا ہے اور ٹی وی تک سفر کرتا ہے۔اب پورے ٹی وی میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ اس حکم کو موصول کر کے اسے سمجھ سکے اور پھر اس پر عمل کرے بلکہ ٹی وی میں ایک ہی مقام ایسا ہے جو ریموٹ سے نکلنے والے کسی بھی حکم کو نہ صرف موصول کرتا ہے بلکہ اس کو سمجھ کر آگے متعلقہ محکمے کو آگاہ کرتا ہے کہ مالک نے تمہارے لیے فلاں حکم بھیجا ہے اور پھر ٹی وی کا متعلقہ حصہ یا محکمہ اس پر عمل کرتا ہے۔ٹی وی کا وہ مقام سینسر کہلاتا ہے۔

پورے ٹی وی میں سینسر وہ واحد مقام ہے جو مالک کی طرف سے آنے والے ہر حکم کو موصول کر کے اسے سمجھنے کے بعد متعلقہ حصے کو بھیجتا ہے کہ اگر آپ نے آواز کم یا زیادہ کرنی ہے تو سینسر حکم کو موصول کر کے اسے ٹی وی میں آواز کے محکمے کو بھیجے گا۔بلکل اسی طرح وہ ہر حکم کو موصول کر کے آگے متعلقہ محکمے کو مالک کی طرف سے آیا ہوا حکم بھیجتا ہے اور پھر ٹی وی میں ہر محکمہ اس حکم پر عمل کرتا ہے جس سے ٹی وی آپ کی ہدایات کے مطابق چلتا ہے۔

بلکل اسی طرح اللہ سبحان وتعالیٰ نے زمین میں بھی ایک ایسا مقام رکھا ہے جہاں سے زمین کے تمام عالمین کو ہدایات دی جاتی ہیں کہ کس کس مخلوق کا کیا کیا کام ہے کس کس نے کیا کیا کرنا ہے۔یعنی پوری زمین کا نظام اللہ سبحان وتعالیٰ اس مقام سے چلا رہے ہیں۔خلاء سے نور کی لہریں زمین کی طرف آتی ہیں جو سیدھی زمین کے اس مقام میں داخل ہوتی ہیں جہاں ایک کمرہ سا بنا ہوا ہے اور ہم اسے کعبہ کہتے ہیں۔وہاں سے وہ لہریں پوری زمین میں جاتی ہیں ان لہروں میں اللہ سبحان وتعالیٰ کے تمام احکامات ہوتے ہیں زمین کے تمام عالمین کے لیے۔پھر پوری زمین سے لہریں واپس اسی مقام میں جاتی ہیں اور وہاں سے خلاء کی طرف بلند ہو جاتی ہیں ی۔یعنی وہ زمین کے اس مقام پر اترتی تو اللہ سبحان وتعالیٰ کے تمام احکامات کیساتھ ہیں اور واپس زمین میں تمام کی تمام مخلوقات کی خبریں لیکر جاتی ہیں ان کی آڈیوز، ویڈیو سمیت مکمل معلومات کیساتھ۔زمین پر اس مقام کو اللہ سبحان وتعالیٰ نے مکہ یا بکہ کہا ہے۔مکہ یا بکہ کے معنی ہیں جہاں سے زمین کی تمام مخلوقات کو ہدایات دی جاتی ہیں یا جہاں سے زمین کا نظام چلایا جاتا ہے۔اسی وجہ سے مکہ یعنی زمین کے اس مقام کے اردگرد قائم ہونے والی بستی کا نام مکہ رکھا گیا۔کہ زمین کا مکہ اس بستی میں ہے۔یعنی زمین کا وہ مقام جہاں سے زمین کا نظام چلایا جا رہا ہے وہ اس بستی میں ہے۔

اسی کا ذکر اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن میں بھی کیا ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ‌ۚ . آل عمران ۹۶

اس میں کچھ شک نہیں سب سے پہلا گھر وضع کیا انسانوں کے لیے جو ''بکہ'' مکہ سے، مکہ سے برکات اور راہنمائی، ہدایات ہیں تمام عالمین کے لیے۔یعنی تمام عالمین کو مکہ سے برکات اور ہدایات دی جا رہی ہیں۔

یہ آیت بہت ہی زیادہ وسعتوں کی حامل ہے اس میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے غیر معمولی راز رکھ دیئے ہیں۔اس آیت میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے کہا کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ سب سے پہلا گھر وضع کیا گیا انسانوں کے لیے مکہ سے برکات اور راہنمائی ہے تمام عالمین کے لیے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسانوں کے لیے جو سب سے پہلا گھر وضع کیا گیا اس کو قرآن نے کعبہ کہا ہے۔

یہاں بیت اللہ کی تعمیر والی آیت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

لیکن ساتھ قرآن یہ بھی کہہ رہا ہے کہ تمام عالمین کے لیے برکات اور راہنمائی ہے۔یعنی کہ اگر برکات اور راہنمائی اس بیت میں ہے جو انسانوں کے لیے وضع کیا گیا تو پھر اس بیت کے وضع کیے جانے سے پہلے تمام عالمین کو برکات اور راہنمائی کہاں سے دی جاتی تھیں؟

اس کا جواب اللہ سبحان وتعالیٰ نے اسی آیت میں دے دیا۔کہ جہاں سے برکات اور ہدایات دی جاتی ہیں وہ بیت اللہ کعبہ نہیں بلکہ ''بکہ'' مکہ ہے۔

مکہ زمین پر وہ مقام ہے جہاں سے زمین کے تمام عالمین کو برکات اور ہدایات دی جاتیں ہیں۔بیت اللہ وضع کیا انسانوں کے لیے مکہ سے۔یعنی کہ انسانوں کے علاوہ زمین کے تمام عالمین کو مکہ کا علم ہے جہاں سے ان کو برکات اور ہدایات دی جاتی ہیں صرف انسان کو علم نہیں تھا۔انسان پر مکہ کو واضع کرنے کے لیے اس مقام پر ایک گھر تعمیر کر دیا تا کہ اس پر اس کے ذریعے مکہ واضع ہو جائے۔

کعبہ کے معنی سمت اور اس مقام کی نشاندہی کے ہیں جس مقام سے اللہ سبحان وتعالیٰ زمین کی تمام مخلوقات کو ہدایات دے رہے ہیں۔

مُبٰرَکًا . برکات موجود ہیں۔جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد ''برکہ'' ہے۔جس کے معنی ہیں ہر قسم کے نقص، خامی وعیب وغیرہ سے پاک انتہائی فائدہ مند شئے کے ہیں۔

هُدًى . ہدایات، راہنمائی۔مثلاً اگر آپ نے کوئی کام کرنا ہے تو اس کے لیے جو بھی ہدایات درکار ہوں۔

زمین کے اس مقام سے اللہ سبحان وتعالیٰ زمین کے تمام عالمین کو ہدایات دیتے ہیں کہ کسے کس مقصد کے لیے خلق کیا ہے اور اس نے کیا کیا کرنا ہے۔لمحہ بہ لمحہ اسی مقام سے ہدایات دی جارہی ہیں۔اور اسی مقام سے حاصل ہونے والی ہدایات سے جو بھی عمل ہوتا ہے اس میں مخلوقات کے لیے ہر لحاظ سے فائدے ہی فائدے ہیں۔اگر کوئی بھی مخلوق اس مقام کے علاوہ کسی اور مقام سے ہدایات لے گی یا کسی اور مقام سے ملنے والی ہدایات پر عمل کرے گی تو پھر برکات نہیں ہوں گی یعنی پھر نہ صرف اپنا نقصان ہوگا بلکہ باقی تمام مخلوقات کا بھی نقصان ہوگا۔

زمین کے اس مقام کو اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن میں مکہ یا بکہ کہا ہے۔اسی وجہ سے اس مقام کے اردگرد آباد ہونے والی بستی کا نام مکہ رکھا گیا۔

اگر ہم یہ کہیں یا ایسا نظریہ رکھیں کے صرف وہ بستی ہی مکہ ہے تو پھر نہ صرف اللہ کے کلام کا کفر ہوگا بلکہ نہ ختم ہونے والے سوالات کا دروازہ کھل جائے گا۔مثلاً اللہ سبحان وتعالیٰ کہہ رہے ہیں کہ مکہ سے تمام عالمین کو برکات اور ہدایات دی جاتی ہیں اگر مکہ سے مراد کعبے کے گرد قائم بستی کو لے لیا جائے تو پھر اس بستی کے قیام سے پہلے تمام عالمین کو برکات اور ہدایات کہاں سے دی جارہی تھیں۔کیونکہ یہ بستی تو ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ذریعے وجود میں آئی۔اور جب اس کا وجود نہیں تھا تب کیا اللہ سبحان وتعالیٰ کی برکات اور ہدایات کا سلسلہ تھما ہوا تھا؟

پھر اگر مزید غور کیا جائے تو اس بستی کا وجود تو انسان کے وجود سے مشروط ہے۔جب انسان ہی زمین پر نہیں تھے تو اس بستی کا تو کوئی تصور ہی نہیں تھا۔تب اللہ سبحان وتعالیٰ کہاں سے برکات اور ہدایات دے رہے تھے زمین کے تمام عالمین کو؟

بہر حال یہ تو چند ایک سوالات ہیں جو غلط نظریات قائم کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اگر ہم مزید بات کریں تو ہزاروں سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

مکہ اللہ سبحان وتعالیٰ کے کلام کے مطابق جب زمین کی ابتداء کی گئی تب سے وجود میں لایا گیا۔مکہ زمین کا وہ مقام ہے جہاں سے زمین کا نظام چلایا جارہا ہے۔جہاں سے بادلوں، ہواؤں، سمندروں، چرند، پرند، جانوروں، پھلوں، فصلوں درختوں سمیت زمین کی تمام کی تمام مخلوقات کو ہدایات دی جارہی ہیں۔انہیں احکامات دیئے جارہے ہیں۔مکہ کو انسانوں پر واضع کرنے کے لیے اللہ سبحان وتعالیٰ نے وہاں ایک گھر تعمیر کرنے کا حکم دیا تاکہ انسانوں پر مکہ واضع ہوجائے۔

اس مکہ میں دجّال داخل نہیں ہوسکتا۔یعنی کہ وہ زمین کے اس کنٹرول پوائنٹ پر اختیار حاصل نہیں کرسکتا۔کہ اگر وہ زمین کے اس کنٹرول پوائنٹ پر اختیار حاصل کرلے تو پھر نعوذ باللہ اللہ سبحان وتعالیٰ زمین کے معاملات میں بے اختیار ہوجائیں۔ایسا

ہرگز نہیں ہوسکتا اور دوسری بات یہ کہ اگر وہ زمین کے اس کنٹرول پوائنٹ پر اختیار حاصل کر لے تو پھر وہ براہ راست زمین کے تمام عالمین کو اپنا غلام بنالے گا اس کے لیے اسے کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ زمین پر وہ جو جی چاہے کرے گا۔لیکن ایسا نہیں ہوگا۔ وہ مکہ میں داخل نہیں ہوسکتا یعنی وہ زمین کا کنٹرول حاصل نہیں کرسکتا۔ اسے زمین میں ربّ ہونے کے لیے الگ سے کوئی کنٹرول بنانا پڑے گا۔ جس کو ٹی وی والی مثال کے آگے تسلسل سے سمجھ لیتے ہیں۔

مثال کے طور پر کوئی آپ سے آپ کے ٹی وی کا ریموٹ حاصل کرلے تو آپ کا ٹی وی پر کنٹرول ختم ہوجائے گا اور وہ ٹی وی پر مکمل کنٹرول حاصل کرلے گا۔ پھر وہ ٹی وی کو ہر حکم اسی طرح دے سکے گا جیسے آپ دے رہے تھے اسے اس کے لیے کسی مشقت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔لیکن اگر اسے ریموٹ حاصل نہ ہو تو پھر اسے اگر آواز کم کرنی ہے تو اسے ٹی وی میں آواز والے حصے میں چھیڑ چھاڑ کرنی پڑے گی اور اس کے لیے کوئی ذریعہ بنانا پڑے گا جس سے وہ ٹی وی کی آواز پر متاثر ہونے کی صلاحیت حاصل کرلے لیکن جب ٹی وی کا اصل کنٹرول آپ کے پاس ہے تو پھر وہ کوئی ایسا ذریعہ بنانے کے باوجود بے بس ہوگا۔

اسی طرح اسے ٹی وی میں کچھ بھی کرنا ہوگا تو اسے ٹی وی کے ہر حصے میں الگ الگ چھیڑ چھاڑ کرنا پڑے گی جب اسی طرح چھیڑ چھاڑ کی جائے گی تو ممکنہ طور پر ٹی وی میں خرابیاں پیدا ہوں گی اور وہ تباہ ہوجائے گا۔ کیونکہ وہ ٹی وی کا خالق نہیں کہ اسے ٹی وی کے بارے مکمل علم ہو۔اس لیے وہ ٹی وی میں چھیڑ چھاڑ کر کے خراب کردے گا۔ اسے تباہ کردے گا، بے کار کردے گا۔ یہ ہے دجّال کا مکہ میں داخل نہ ہو پانا۔ دجّال ٹیکنالوجی ہے اور انسان ایسی ٹیکنالوجی حاصل نہیں کرسکے گا جو ٹیکنالوجی زمین کے کنٹرول پوائنٹ یعنی مکہ پر دسترس پاسکے۔ آض سائنسدانوں کی کوشش یہی ہے کہ وہ زمین کے کنٹرول پوائنٹ پر دسترس پانے کے لیے ٹیکنالوجی ایجاد کریں اور پوری زمین کے نظام کو اپنے قبضے میں لے لیں۔

آج دنیا کے شیاطین جو سائنسدان کے نام سے جانے جاتے ہیں وہ زمین کے اس کنٹرول پوائنٹ کا علم حاصل کر چکے ہیں۔ ان کی اس وقت اولین ترجیح یہ ہے کہ کعبے کو کھود کر زمین کے اس مقام کا جائزہ لیا جائے۔ اس مقام پر تحقیقات کر کے زمین کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے لیا جائے جس سے زمین کی تمام مخلوقات براہ راست ان کی غلامی میں آجائیں گی۔ سب کی زندگی اور موت کا اختیار انہیں حاصل ہوجائے گا۔لیکن ایسا کبھی نہیں ہوگا یہ ان شیاطین کی خواہش ہی رہے گی۔لیکن یہ بھی ممکن نہیں کہ یہ شیاطین، مکہ یعنی زمین کے کنٹرول پوائنٹ والے مقام پر اختیار حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں۔ یہ ضرور کوشش کریں گے جس کے لیے انہیں اگر کعبے کو بھی گرانا پڑا تو گرائیں گے۔لیکن جب یہ اولیاء الشیاطین مکہ کو کھودیں گے تو پوری زمین لرز جائے گی۔ یعنی ایسا زلزلہ آئے گا جس سے زمین پر سب کچھ تباہ ہوجائے گا۔

آج شیطان اپنے اولیاء کو اسی کی وحی کر رہا ہے کہ جتنا جلد ممکن ہو وہ کعبے کے مقام کو کھود کر اس کا جائزہ لیں تحقیقات کریں اور زمین کا کنٹرول حاصل کر لیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پس اس میں کچھ شک نہیں نہیں نکالا جائے گا کعبے کا خزانہ مگر چھوٹی پنڈلیوں والا حبشہ سے۔ابوداؤد کنزل اعمال جلد ۱۴ صفحہ ۲۳۶ ،،،،،۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اصل مکہ یعنی زمین کا وہ مقام جس کو انسانوں کے لیے وضع کرنے کے لیے اس پر بیت اللہ کی تعمیر کی گئی اس کے گرد قائم مکہ کے نام پر بستی اگر تو مدینہ ہو یعنی وہاں اللہ کا دین قائم ہو تو دجال داخل نہیں ہو سکتا اور اگر وہاں اللہ کا دین قائم نہ ہو تو وہاں دجال نہ صرف داخل ہو گا بلکہ دھندناتا پھرے گا جیسا کہ آج ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔مگر دجّال یعنی ٹیکنالوجی زمین کے کنٹرول پوائنٹ یعنی مکہ میں داخل نہیں ہو سکتی کہ جس سے وہ زمین کے تمام عالمین پر براہ راست مداخلت کر سکے۔

کعبہ کے اردگرد دجّال کی تصاویر اور یثرب کے اردگرد بھی دجّال کی تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔احد پہاڑ پر دجّال کی تصاویر۔۔۔اور احد پہاڑ سے مسجد نبوی کا سفید محل والا منظر اور اس کی تفاصیل

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یہاں نجد والی احادیث۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور نجد کے صحرا کی تصاویر سے دجّال کو ظاہر کرنے والی تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مدینہ کے حرم ہونے سے مراد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

دجال احادیث

مسلم۴۹۳۴،

بخاری ۱۲۸ا۷۔ دجّال کا بیت اللہ کا طواف آج دجّال عمارتوں کی شکل میں بیت اللہ کا طواف کرر ہا ہے اور مسجد الحرام کے اندر کعبے کے گرد جو بمنزلہ طواف کے لیے پلیٹ فارم بنایا ہوا ہے وہ بھی دضال طواف کرر ہا ہے اور جو لوگ ٹیکنالوجی یعنی موبائل، کمپیوٹر کیساتھ طواف کرتے ہیں تو ان کے ساتھ دجال بھی طواف کرر ہا ہوتا ہے۔۔سبحان اللہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تصاویر اور تفاصیل

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

دجال مشرق سے نکلے گا۔ والی روایات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

دجّال یعنی ٹیکنالوجی بغیر کسی شک وشبے کے آج دنیا کے مشرق سے ہی نکل رہی ہے اور وہ قومیں اس دجّل کی اتباع میں اسے خلق کرر ہی ہیں جن کی نشاندہی محمد رسول اللہ ﷺ نے کر دی۔

دنیا کے مشرق میں چین، تائیوان، جاپان وغیرہ ہیں اور انہیں مما لک سے ٹیکنالوجی وجود میں آکر پوری دنیا میں پھیلتی ہے۔ خواہ وہ گاڑیاں ہوں، الیکٹرونکس کا سامان ہو یا آج کے دور میں جنہیں ہم مصنوعات کا نام دیتے ہیں سب کا سب آج انہیں مما لک بالخصوص چین میں خلق کیا جار ہا ہے اور ان لوگوں کے چہرے بھی بلکل رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے کے عین مطابق ہیں اور اسی طرح ان کی ناکیں بھی چپٹی ہے۔

چین وجاپان، تائیوان کی فیکٹریوں وغیرہ کی کچھ معلومات اور مصنوعات کی معلومات و تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

الملحمة الكبرىٰ

الملحمة الكبرىٰ اور اس کا پس منظر.

لا اله الا الله، ویل للعرب من شر قد اقترب! فتح الیوم ردم یاجوج وماجوج مثل هذه. وحلق بأصبعه الابهام والتی تلیها، قیل : أنهلک وفینا الصالحون؟ قال: نعم، اذا کثر الخبث.۳۸۸۶۸

نہیں کوئی بھی ایسی ذات جس کی بات مانی جائے غلامی کی جائے مگر اللہ، ویل ہے عرب کے لیے اس شر سے تحقیق جو آیا ہی چاہتا ہے۔کھل گئی آج ردم یاجوج اور ماجوج کی اس کے مثل اور دائرہ بنایا انگوٹھے اور شہادت کی انگی سے۔پوچھا گیا کہ کیا ہم ہلاک ہوجائیں گے اور ہم میں ہوں گے اصلاح کرنے والے؟ جواب دیا ہاں جب خبث کی کثرت ہوجائے گی یعنی جب غیر فطرتی اشیاء کی کثرت ہوجائے گی۔

ملحمۃ الکبریٰ ہو یاجوج اور ماجوج ہوں یا دجّال ہو ان سب کا بنیادی تعلق اس روایت میں بیان کر دیا گیا اور وہ رسول اللہ ﷺ نے اس شر کی طرف اشارہ کیا جو قریب ہی آ گیا ہے۔جب ہم قرآن میں اور روایات میں غور وفکر کریں۔آخرالزماں کے حوالے سے تمام روایات کو جمع کریں تو اس کی جو ترتیب بنتی ہے ہم اس کو یہاں بیان کریں گے۔اس کی روشنی میں یعنی ان روایات میں رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ وہ شر جو عربوں کے لیے دنیا و آخرت میں تباہی کا باعث بنے گا وہ ہے کیا۔
اس روایت میں واضح ہوجاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شر کو یاجوج اور ماجوج کے کھلنے سے مشروط کر دیا۔کہ آج یاجوج اور ماجوج کی ردم انگلی اور انگھوٹھے کو ملانے سے جو دائرہ بنتا ہے اتنا کھل گئی۔اور جیسے ہی وہ پوری کھل گئی تو عربوں کے لیے ایک شر سے دنیا و آخرت میں بربادی ہوگی۔
یاجوج اور ماجوج کے باب میں بہت وضاحت سے گزر چکا کہ نہ صرف یاجوج اور ماجوج کھل چکے ہیں بلکہ جو کچھ قرآن میں اور رسول اللہ ﷺ کے الفاظ سے ان کے بارے میں ملتا ہے وہ سب کو انہوں نے انجام بھی دے دیا اور اب تو وقت بلکل آخری پہر میں داخل ہو چکا ہے۔جب یاجوج اور ماجوج کب کے کھل چکے تو پھر جس شر سے عربوں کی ہلاکت سے رسول اللہ ﷺ نے آگاہ کیا تھا وہ بھی نظر آنا چاہیے اور اسے موجود ہونا چاہیے۔

اس شر کی نشاندہی کے لیے جب میں نے فتنوں کے متعلق احادیث کا ذخیرہ جمع کیا تو مجھے بلکل بھی کوئی مشکل پیش نہ آئی اس شر کو جاننے کے لیے۔ وہ شر کونسا تھا اور ہے اس کا رسول اللہ ﷺ نے مختلف پہلوؤں سے ذکر کیا اور اتنی صراحت کیساتھ ذکر کیا کہ کم سے کم فہم انسان کے لیے بھی جاننا انتہائی آسان ہو جائے۔ لیکن آج حقیقت تو یہ ہے کہ ہر کوئی اس سے غافل ہے۔ جس سے یہ بھی واضع ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کیوں اتنی صراحت کیساتھ کھول کر ہر پہلو سے واضع کر دیا۔
اس شر کی نشاندہی کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا۔

لتقصدنکم نار هی الیوم خامدة فی وادٍ یقال له: برهوت، تغشی الناس، فیها عذاب الیم، تأكل الانفس والاموال تدور الدنیا كلها فی ثمانیة أيام، تطير طير الريح والسحاب، حرها أشد من حرقها بالنهار، ولها ما بين السماء والأرض دوی كدوی الرعد القاصف، هی من رؤس الخلائق ادنی من العرش، قيلَ يا رسول الله ﷺ! أسليمة هی يومئذٍ على المؤمنين والمؤمنات؟ قال، اين المؤمنون والمؤمنات يومئذٍ؟ هم شر من الحمر يتسافدون كما تتسافد البهائم وليس فيهم رجل يقول: مه مه. ٣٨٨٨٦

تمہارا قصد کیا جائے گا جس کے ساتھ وہ آگ ہے جو آج ٹھنڈی پڑی ہے وادی میں جسے برھوت کہا جاتا ہے، وہ ڈھانپ لے گی انسانوں کو، اس میں عذاب الیم ہے، کھا جائے گی جانوں کو اور اموال کو گھومے گی ساری دنیا میں آٹھ مرحلوں میں، وہ آگ اڑے گی ہوا میں اڑنے والے پرندوں کی طرح، اس آگ سے اڑیں گے ہوا میں اڑنے والے پرندوں کی طرح اور بادلوں کی طرح اڑے گی۔ اس کا جلانا سخت ہوگا دن کی گرمی کے جلانے سے۔ اور وہ آسمان اور زمین کے درمیان گرجے گی جیسے رعد (بادلوں کا گرجنا) گرجتی ہے بہت اونچی گرجدار آواز میں۔ وہ مخلوقات کے بلند مقامات سے قریب عرش سے نیچے ہو گی، کہا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا اس یوم یعنی سلامتی ہوگی وہ اس وقت مومنوں اور مومنات پر؟ رسول اللہ ﷺ

نے جواب دیا، اس وقت مومن اور مومنات ہوں گے کہاں؟ وہ انتہائی برے ہوں گے گدھوں سے بھی۔ وہ جنسی حاجات پوری کریں گے جیسے جانور کرتے ہیں اور نہیں ہوگا ان میں ایک مرد بھی جو کہے کہ نہ کرو وہ نہ کرو وہ۔

قصد . قصد کہتے ہیں کسی کے پیچھے پڑ جانا۔ جیسے عرف عام میں کہا جاتا ہے کہ فلاں ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔ یعنی جس مقصد کے لیے کسی کے پیچھے پڑا جائے اس وقت تک اس کا پیچھا نہ چھوڑا جائے جب تک کہ مقصد پورا نہ ہو جائے خواہ اس کے لیے کچھ بھی ہو۔

وہ شر جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے کہا تھا کہ وہ قریب ہی آ گیا ہے اور اس سے عربوں کے لیے دنیا و آخرت میں خرابی و تباہی ہے وہ آگ ہے جو وادی برھوت میں ٹھنڈی پڑی ہے اور اس کی پہچان کے لیے رسول اللہ ﷺ نے غیر معمولی نشانیاں بیان کر دیں۔ اور وادی برھوت کسے کہتے ہیں اس کا جواب بھی ہمیں درج ذیل روایت سے مل جاتا ہے۔

وادٍ حضر موت یقال له برھوت. ۳۸۰۴۵

وادی حضر موت کو برھوت کہا جاتا ہے۔

وادی برھوت وادی حضر موت کو کہا جاتا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آگ کی پہچان کے لیے ایسی نشانیاں بتا دیں جو کہ غیر معمولی اور بلکل منفرد ہیں۔ جن سے اس آگ کی پہچان میں رائی برابر بھی مشکل نہیں رہتی۔

وہ آگ اڑے گی ہوا میں اڑنے والوں کی طرح، اس آگ سے پرندے اڑیں گے ہوا میں یعنی جو پروں سے اڑتے ہیں، ہوا کی طرح اڑے گے، بادلوں کی طرح اڑے گی، پھر جب وہ اڑے گی تو آسمان و زمین کے درمیان اڑے گی اور جیسے بادل گرجتے ہیں اس طرح انتہائی گرجدار اونچی آواز میں گرجے گی، اس کی شدت دن کی گرمی سے زیادہ ہوگی۔ مخلوقات کے بلند مقامات جیسے انسان کا بلند مقام اس کا سر کہلاتا ہے اسی طرح مخلوقات کے بلند مقامات سے قریب یعنی ان کے اوپر عرش سے نیچے ہوگی۔ اب ہم اگر تھوڑا سا بھی غور کریں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آج ہمیں ایسی نشانیوں کی حامل کوئی آگ نظر آتی ہے؟

تو اس کا جواب بلکل واضع ہے کہ آج ہمیں نہ صرف وہ آگ نظر آتی ہے بلکہ وہ پوری دنیا گھوم چکی ہے۔ وہ جانوں کو کھا رہی ہے اور اموال کو بھی کھا رہی ہے۔ اس آگ نے پوری دنیا میں تباہی بپا کی ہوئی ہے۔ اور وہ آگ آج جسے ہم خام تیل کے نام سے جانتے ہیں وہی ہے کوئی اور نہیں اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی اور ہو سکتی ہے۔

اس آگ کے اڑنے کی تصاویر دیکھیں۔

یہاں جنگی و جیٹ جہازوں کے اڑنے کی تصاویر۔۔۔۔۔فیکٹریوں کے دھویں، گاڑیوں کے دھویں اور جہاں جہاں خام تیل سے بنی کوئی بھی اشیاء جلائی جارہی ہیں اس کے اڑتے ہوئے دھویں کی تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ٹائروں کے جلنے کی تصاویر۔۔
عرش یعنی زمین کے گرد گیس کی تہوں کو واضع کرتے ہوئے جہاز کے اڑنے والی تصاویر۔گیس کی تہیں عرش کہلائیں گی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یہ آگ کہاں کہاں سے نکلے گی اس بارے بھی رسول اللہ ﷺ نے کھول کر صراحت سے بیان کر دیا۔اس حوالے سے احادیث کا ایک وسیع ذخیرہ موجود ہے یہاں اس میں سے چند بیان کی جارہی ہیں جو باقی سب کا احاطہ کریں۔درج ذیل روایات میں دیکھیں۔

أما أول أشراط الساعة فنار تخرج من المشرق. ٣٨٨٨٢

وہ وجوہات جن کی بنا پر ساعت (بڑی تباہی) آئے گی ان میں سے پہلی پس آگ ہے جو مشرق سے نکلے گی۔

لاتقوم الساعة حتى تخرج نار من ارض الحجاز. ٣٨٨٨٣

نہیں قائم ہوگی ساعت (بڑی تباہی کی گھڑی) یہاں تک کہ آگ نہ نکلے ارض حجاز سے۔ ارض حجاز کو آج سعود عرب کہا جاتا ہے

ستخرج نار من حضر موت او من بحر حضر موت قبل يوم القيامة.

٣٨٨٨٤

عنقریب نکلے گی آگ حضرموت سے یا بحر حضرموت سے قیامت کے یوم سے پہلے۔

ستخرج عليكم نار في آخر الزمان من حضر موت. ٣٨٨٨٥

عنقریب آخری زمانے میں نکلے گی تم پر آگ حضرموت سے

یہ آگ ہم جان چکے کہ خام تیل ہے اور یہ آگ کہاں کہاں سے نکلے گی اس میں رسول اللہ ﷺ نے مشرق کا ذکر کیا۔ مشرق میں ایران سمیت وہ تمام علاقے ہیں جہاں جہاں سے یہ آگ یعنی خام تیل نکالا جا رہا ہے۔ پھر اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بحر حضرموت اور حضرموت کا بھی ذکر کیا۔ اور ارض حجاز جسے آج سعودی عرب کہا جاتا ہے اس کا بھی رسول اللہ ﷺ نے نام لیکر ذکر کیا۔ اور حیران کن طور پر یہ چونکا دینے والی باتیں ہیں کہ جیسا رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا اس کے عین مطابق اسی طرح آج وہ آگ ٹھنڈی حالت میں یعنی خام تیل کی شکل میں نکالی جا رہی ہے۔ جو محمد رسول اللہ ﷺ کے وقت ٹھنڈی پڑی ہوئی تھی۔ اور اگر ہم خام تیل سے نکلنے والی گیس اور پیٹرول وغیرہ کو چھوئیں تو اس سے ہاتھ بھی جم جائے اس طرح یہ آگ حقیقتاً بھی ٹھنڈی ہوتی ہے۔

پھر اسی طرح ہم مزید رسول اللہ ﷺ کے الفاظ پر غور کریں اور اس آگ سے متعلق مزید رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو سامنے رکھیں تو ہمیں درج ذیل روایات بھی ملتی ہیں۔

لا تقوم الساعة حتى يحسر الفرات عن جبل من ذهب .۳۸۳۹۶

نہیں قائم ہوگی ساعت (بڑی تباہی کی گھڑی) یہاں تک کہ فرات پردہ ہٹا دے گا ذھب کے پہاڑ سے

یوشک الفرات أن يحسر عن كنزٍ من ذهب.۳۸۳۹۹

عنقریب فرات پردہ ہٹا دے گا خزانے کے ذھب سے

ذھب . ذھب کہتے ہیں ایسی قیمتی شئے کو جس کی موجودگی میں اس کے آس پاس موجود سب اشیاء کی چمک دمک ماند پڑ جائے، جو سب کو ڈھانپ لے۔ یعنی وہ سب پر غالب ہو جائے۔ ایسی قیمتی ترین شئے جس کے سامنے باقی اشیاء کی قدر و قیمت ماند پڑ جائے۔ جیسے ہم اس کو قرآن کی ہی ایک مثال سے سمجھ لیتے ہیں۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْ قَدَنَارًا ج فَلَمَّآ اَضَآءَ تْ مَاحَوْلَهُ ذَهَبَ اللّٰهُ

بِنُوْرِهِمْ. البقرۃ ۱۷

ان کی مثال اس کی سی ہے جس نے آگ جلائی پس جب روشن ہو گیا جو اس کے ارد گرد تھا اللہ نے ذھب کر دیا ان کے نور کیساتھ۔

اس آیت میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے لفظ ذھب کا استعمال کیا ہے اور اس آیت میں لفظ ذھب کی وضاحت بھی کر دی۔
مثلاً اگر آپ خود یہ تجربہ کریں کہ کسی اندھیری جگہ پر آگ جلائیں جب آگ جلے گی تو اس کے آس پاس کی اشیاء نظر آنے لگیں گی لیکن جب آگ بہت تیز بھڑک جاتی ہے اور اس کی روشنی بہت بڑھ جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کے آس پاس کی اشیاء اس آگ کی روشنی میں چھپ جاتی ہیں۔ یعنی آگ کی روشنی آس پاس کی اشیاء پر ایسے غالب آ جاتی ہے کہ وہ نظر ہی نہیں آتیں۔
ایسے ہی ہم سورج کی مثال لے لیں۔ جب سورج طلوع نہیں ہوتا یعنی رات کے وقت آسمان پر لاتعداد ستارے اور چاند بھی نظر آ رہا ہوتا ہے لیکن جب سورج نکلتا ہے تو ان کی روشنی سورج کے سامنے ماند پڑنے لگتی ہے جس وجہ سے وہ رات کی طرح نظر نہیں آتے اور جب سورج مکمل روشن ہو جاتا ہے تو نہ چاند دیکھائی دیتا ہے اور نہ ہی کوئی ستارا۔ کیونکہ سورج کی روشنی ان سب پر اتنی غالب آ جاتی ہے کہ انہیں ایسے ڈھانپ لیتی ہے جیسے وہ موجود ہی نہ ہوں۔ اسے عربی میں ذھب کہتے ہیں۔
مال و دولت میں یہی اہمیت وحثیت سونے کی ہوتی ہے یعنی اگر کہیں بہت سا مال پڑا ہو، جانور ہوں، رزق کے پہاڑ ہوں، اور بہت سے اموال ہوں لیکن وہیں ان کے درمیان سونے کا پہاڑ ہو تو جو بھی وہاں جائے گا اس کی نظر صرف سونے کے پہاڑ پر ہی پڑے گی اسے صرف وہی نظر آئے گا۔ اس وجہ سے کہ سونا ان سب کے مقابلے میں اتنا قیمتی ہوتا ہے کہ باقی سب کی قدر قیمت سونے کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے۔ اس لیے سونے کو بھی ذھب کہا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فرات پردہ ہٹائے گا اس وقت کی ایسی قیمتی شئے کے پہاڑ سے اور بعض روایات میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے نبی نے بلکل واضع اس ذھب کو خزانہ کہا۔ کہ فرات اس وقت کے سب سے قیمتی خزانے کی بہت بڑی مقدار سے

پردہ ہٹائے گا جو اتنی قیمتی ہوگی کہ اس وقت دنیا کی باقی تمام اشیاء کی قدر قیمت اس خزانے کے سامنے ماند پڑ جائے گی۔ اور اگر آج ہم غور کریں تو وہ ایسی کون سی شئے ہے جو اتنی قیمتی ہے کہ جس کے سامنے دنیا کی تمام اشیاء کی قدر و قیمت ماند پڑ جاتی ہے۔ اس کا کتاب میں پیچھے تفصیل سے ذکر بھی گزر چکا کہ وہ یہی خام تیل ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے خام تیل کا ہر پہلو سے پھر پھیر کر ذکر کر دیا کہ اگر کوئی ایک پہلو سے نہ سمجھ سکے تو کسی دوسرے پہلو کی وجہ سے اس پر حقیقت واضع ہو جائے۔ لیکن افسوس کہ ہم سوئے رہے اور ابھی تک سو رہے ہیں اگر بیدار نہ ہوئے تو جلد ہی آخرت میں خسارہ ہی خسارہ ہوگا۔

یہ وہ شر تھا جس کو محمد رسول اللہ ﷺ نے یاجوج اور ماجوج کے کھلنے سے مشروط بتایا تھا۔ اب یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ یاجوج اور ماجوج ابھی قید ہوں اور ان سے پہلے ہی یہ شر یعنی یہ آگ نکل آئے؟ کیونکہ اس آگ کو یاجوج اور ماجوج نے ہی نکالنا تھا نہ کہ ان کے علاوہ کسی اور نے۔ اس لیے اگر آج رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی نشانیوں اور کی گئی راہنمائی کے مطابق وہ آگ موجود ہے تو پھر یاجوج اور ماجوج تو کب کے کھل چکے۔ پہچاننے والوں نے پہچان لیا اور جھٹلانے والے ابھی تک دیومالائی کہانیوں کو نظریات بنا کر انتظار میں ہیں تب تک انتظار میں رہیں گے جب تک کہ قیامت نہیں آجاتی لیکن انہیں یاجوج اور ماجوج کھلتے ہوئے نظر نہیں آئیں گے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ آگ کیسے انسانوں کے لیے شر ہے اور پھر اس شر شر سے محفوظ رہنے کے لیے کیا رسول اللہ ﷺ نے راہنمائی کی اور اگر کی تو وہ راہنمائی کیا ہے؟

اس سلسلے میں سب سے پہلی بات کہ جو رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ یہ آگ آٹھ یوم یعنی آٹھ مراحل میں پوری دنیا میں گھوم جائے گی اور کیسے گھومے گی اس کی وضاحت بھی آگے ہے۔ اڑنے والے پرندوں کی طرح اڑ کر، ہوا کی شکل میں، بادلوں کی شکل میں یعنی جیسے بادل ہوتے ہیں اس طرح۔ باقی اس کی مزید نشانیاں بھی بتا دیں جو کہ اس کی آواز گرجدار ہوگی، یہ جانوں اور اموال کو کھائے گی وغیرہ۔

اس میں اس کا دنیا میں آٹھ مراحل میں گھومنا تو پورا ہو چکا یہ آگ آج جہازوں، ہوا اور بادلوں کی شکل میں پوری دنیا میں موجود ہے۔ جیسا کہ آپ نیچے درج ذیل تصاویر میں دیکھ سکتے ہیں۔ اور دوسرا جو اس آگ ہی کی وجہ سے دنیا جنگوں سے تباہی کی زد میں ہے اس کی وضاحت آگے آئے گی۔

کارخانوں سے نکلنے والے دھویں، گاڑیوں سے نکلنے والے دھویں، دھویں والی آب وہوا والی یعنی ائر پولوشن والی تصاویر، گاڑیوں اور جہازوں وغیرہ کی بھی تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مزید یہ آگ کس طرح جانوں اور اموال کو کھائے گی اس کا ذکر محمد رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کر دیا۔

لا تقوم الساعة حتى يحسر الفرات عن جبل من ذهب يقتتل عليه الناس، فيقتل تسعة اعشارهم. ٣٨٣٩٦

لا تقوم الساعة حتى يحسر الفرات عن جبل من ذهب يقتل الناس عليه ، فيقتل من كل مائةٍ تسعة وتسعون، فيقول كل رجل منهم: لعلى اكون انا الذى انجو . ٣٨٣٩٨

يوشك الفرات ان يحسر عن جبل من ذهبٍ، فاذا سمع به الناس ساروا اليه، فيقول من عنده: والله! لئن تركنا يأخذون منه ليذهبن به كله فيقتتل الناس عليه حتى يقتل من كل تسعة وتسعون. ٣٨٣٩٨

يوشك الفرات أن يحسر عن كنزٍ من ذهب، فمن حضره فلا يأخذ منه شيئا. ٣٨٣٩٩

٣٨٦١٣

٣٨٦١٤

٣٨٦٤٥

۳۸۶۵۸

اس آگ یعنی خام تیل کے حصول کے لیے پوری دنیا میں اس وقت جنگیں ہورہی ہیں اس کا انجام آخری اور پانچویں قارعہ یعنی عالمی جنگ کی صورت میں نکلے گا جو کہ شروع تو کب کی ہو چکی لیکن اس کا آخری مرحلہ جس میں تباہ کن ایٹمی و ہائیڈروجن بم اور میزائیل وغیرہ کا استعمال ہو گا وہ بلکل سر پر آچکا ہے۔

یہ وہ آگ تھی جو لوگ چلتے تھے تو ان کے پیچھے چلتی اور جب قیلولہ کرتے تو قیلولہ کرتی بالآخر دنیا کو شام میں جمع کرے گی۔لیکن شام میں جمع کرنے سے پہلے لوگوں کو مغربی ممالک میں اس نے جمع کرنا تھا جو ہو چکا۔کہ پوری دنیا سے لوگ مغربی ممالک میں آکر بستے رہے اور یہ اسی آگ کے نکلنے کے بعد اسی کی وجہ سے ہوا۔کہ جن مراحل میں اس آگ ہی کی وجہ سے یہ ممالک دنیا میں سہولتوں، آسائشوں، ایجادات میں بظاہر جنت کا منظر پیش کرنے لگے۔جس کو دیکھتے ہوئے دنیا میں لاکھوں نہیں کروڑوں انسانوں نے ان مغربی ممالک کا رخ کیا۔اور پھر آج یہی آگ پوری دنیا کو شام میں اس آخری مرحلے کے لیے جمع کر رہی ہے۔پوری دنیا کی تمام قوتوں میں سے ہر ایک کی یہی خواہش ہے کہ یہ آگ یعنی خام تیل پر صرف اسی کا قبضہ ہو جس کی خاطر اقوام عالم ایک دوسرے کے خلاف در پردہ جنگوں میں مصروف شام میں جمع ہو رہی ہیں اور نہ صرف ہو رہی ہیں بلکہ ہو چکی ہیں۔اس آگ و بارود کی بارش کی وجہ سے شام کے خطوں سے لوگ نکل نکل کر ان میں جا شامل ہو رہے ہیں جنہیں اللہ سبحان وتعالیٰ نے بندر و خنازیر کا خطاب دیا۔
اسی آگ ہی کی وجہ سے آج شام سے تمام شریر لوگ نکل رہے ہیں اور پوری دنیا سے مومن یہاں جمع ہو رہے ہیں۔اور پوری دنیا سے یہاں مومنوں کو اللہ سبحان وتعالیٰ کا جمع کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ دنیا میں وہ بڑی تباہی سر پر ہے پانچویں اور آخری القارعہ یعنی عالمی جنگ سر پر ہے جس پر مختصر ابات پیچھے کتاب میں گزر چکی اور کچھ آگے آئے گی۔یہی وہ القارعہ ہے جس سے اللہ سبحان وتعالیٰ نے مومنون کو بچانا ہے دنیا کے کفر و شرک و نفاق کو تباہ برباد کرنا ہے ان کے اپنے ہی ہاتھوں سے۔

جیسا کہ درج ذیل روایات میں ہے۔
یہاں آگ والی روایات قیلولہ والی،، مغرب اور شام میں جمع کرنے والی۔-----------------

اس شر کو رسول اللہ ﷺ نے اس خزانے، اس ذھب کو قرار دیا جو فرات سے نکلے گا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ساتھ یہ بھی حکم دے دیا کہ جو بھی اس وقت موجود ہو اس میں سے کچھ بھی نہ لے۔ پھر اس خزانے پر تباہ کن جنگیں ہوں گی ان میں ہونے والی تباہی و اموات کا بھی ذکر کر دیا۔ بہر حال وہ خزانہ، ذھب کیا ہے اس کی وضاحت بھی رسول اللہ ﷺ کے اپنے الفاظ میں ہی آ گئی۔

اس کے آخر میں اسی آگ کی خاطر پوری دنیا میں جنگیں لڑی جا رہی ہیں ان جنگوں سے ہونے والی تباہی کی تفاصیل و تصاویر وغیرہ بھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس شر سے بچنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مومنوں کی جو راہنمائی اور جو تلقین کی۔

اسی آگ کے نکلنے سے پہلے محمد رسول اللہ ﷺ نے تمام مومنوں کو ان خطوں سے نکل جانے کا حکم دیا تھا۔

یہاں بند سیلاب کا دروازہ کھلنے اور وہاں سے نکل جانے والی روایات۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جو آگ کے حوالے سے ہیں۔۔۔۔۔

دابہ من الارض

اشراط الساعۃ میں سے ایک شرط دابہ من الارض کا نکلنا۔روایات میں جہاں بھی اشراط الساعۃ کے الفاظ آئے ہیں ان کا ترجمہ قیامت کی نشانیاں کیا جاتا ہے جو کہ سرے سے ہی غلط ہے۔جب ان الفاظ کا ترجمہ قیامت کی نشانیان کیا جاتا ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قیامت اللہ سبحان وتعالیٰ خود لائیں گے اس کا اللہ سبحان وتعالیٰ نے پہلے سے ہی ایک وقت مقرر کیا ہوا ہے جب آئے گی تو اس کے آنے سے پہلے اس دور کی پہچان کے لیے کچھ نشانیان ہیں جب یہ نشانیاں نظر آ جائیں تو قیامت آئے گی۔اس میں سب سے بڑا نقصان دہ پہلو یہ ہے کہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ قیامت میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔اس کی وجہ سے نہیں آئے گی بلکہ اللہ سبحان وتعالیٰ خود قیامت لائیں گے اور وہ بے فکر ہو جاتا ہے۔

اشراط جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد شرط ہے عربی میں شرط وجہ کو بھی کہتے ہیں۔

الساعۃ۔کہتے ہیں اس لمحے کو جب کوئی عمل یا شئے وقوع پذیر ہوتی ہے۔مثال کے طور پر آپ نے گاڑی کا ٹینک تیل سے بھر لیا اور مسلسل گاڑی چلانا شروع کر دی اب وہ کون سا لمحہ ہوگا جب تیل ختم ہوگا اور گاڑی اچانک بند ہو جائے گی۔جس لمحے گاڑی اچانک بند ہوگی اس لمحے کو ساعت کہا جاتا ہے۔

جن وجوہات کی بنا پر وہ لمحہ آئے گا جب مجموعی یا بڑی سطح پر دنیا میں اچانک تباہی آئے گی ان وجوہات کو اشراط اور آنے والی بڑی تباہی کو الساعۃ کہا گیا۔

الساعۃ سے مراد صرف وہ الساعۃ نہیں ہے جسے قیامت کہا جاتا ہے یعنی جب دنیا میں حیات کا خاتمہ ہوگا بلکہ اس سمیت اس سے پہلے آنے والی بڑی تباہیاں بھی الساعۃ کہلاتی ہیں۔قرآن مین اللہ سبحان وتعالیٰ نے اس آخری ساعت کو ایک عظیم زلزلہ قرار دیا اور اس سے پہلے بھی کچھ ساعت آئیں گی جن میں سے بہت سی وقوع پذیر ہو چکیں اور اب صرف دو ہی بڑی بڑی ساعت باقی رہ گئی ہیں۔ان میں پہلی القارعۃ اور دوسری آخری اور عظیم ساعت جو ایک عظیم زلزلہ ہوگا جس سے دنیا پر حیات کا خاتمہ ہو جائے گا جس کے بعد محشر ہوگا۔

اشراط الساعۃ یعنی جن وجوہات کی آخری ساعت عظیم زلزلہ کی صورت میں آئے گی ان بڑی بڑی وجوہات میں سے اور قیامت کے قریب ترین سامنے آنے والی وجہ زمین سے دابہ کا نکلنا ہے۔

دابہ پر بات کرنے سے پہلے ہم قرآن میں جن جن مقامات پر دابہ کا لفظ استعمال ہوا انہیں سامنے رکھتے ہوئے قرآن سے دابہ کو سمجھیں گے اور کیوں نکلے گا سمیت جتنے بھی سولات پیدا ہوتے ہیں ان کو صراحت کیساتھ سمجھیں گے اور ساتھ دابہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے کس طرح راہنمائی کی اسے سمجھنے کے لیے روایات سے رسول اللہ ﷺ کے اقوال کو بھی سامنے رکھیں گے۔

قرآن میں جن مقامات پر اللہ سبحان وتعالیٰ نے لفظ دابہ کا استعمال کیا اور اس کی مختصر وضاحت درج ذیل ہے۔

وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ . البقرة ١٦٤

اور جو اتارا اللہ نے بلندی سے پانی سے پس حیات دی اس کیساتھ زمین کو اس کی موت کے بعد اور پھیلا دیئے اس میں تمام دابۃ سے۔

دَآبَّة . تمام رینگنے والی، چلنے والی، اڑنے والی مخلوقات۔ یہ تمام مخلوقات اللہ سبحان وتعالیٰ کے کارخانے ہیں اسی وجہ سے دابۃ کارخانوں کو بھی کہا جاتا ہے۔

مَوْتِهَا . اس کی موت۔ موت کہتے ہیں جن ذرات سے شئے وجود میں آئی وہ چھوٹے چھوٹے ذرات جو پوری دنیا میں بکھرے پڑے ہیں۔

فَاَحْيَا . پس حیا کیا یعنی پس حیات دی۔ حیات کہتے ہیں موت کی صورت میں جو ذرات پوری دنیا میں بکھرے پڑے ہیں ان کو اکٹھا کر کے شئے کو وجود دینا۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طَئِرٍ يَّطِيرُ بِجَنَا حَيهِ اِلَّا اُمَمٌ اَمْثَالُكُم ط مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ۔ الانعام ۳۸

اور نہیں دابۃ سے زمین میں اور نہ اڑنے والے جو اڑتے ہیں اپنے پروں سے مگر امتیں ہیں تمہاری ہی طرح، نہیں فرط کیا ہم نے کتاب میں کسی شئے سے پھر یہ اپنے رب کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔

مَا فَرَّطْنَا ۔ نہیں فرط کیا ہم نے، فرط۔ جو بھی کام کیا اس کے کرنے میں کہیں نہ کہیں رائی برابر بھی کسی نہ کسی خامی کا رہ جانا جس سے بعد میں کام میں بگاڑ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔

طَئِر ۔ ہر وہ شئے جو فضا میں تیرتی ہے

بِجَنَا حَيهِ ۔ جناحیہ کیساتھ، جناحیہ۔ ہر وہ شئے جس سے فضا میں تیرنے کی صلاحیت حاصل ہو جسے اردو میں پر کہا جاتا ہے۔ پروں کیساتھ۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۔

هود ٦

اور نہیں دابۃ سے زمین میں مگر اللہ پر ہے اس کا رزق اور وہ علم رکھتا ہے اس کی موت رزق کی صورت میں جہاں جہاں بکھری پڑی ہے اور جہاں جہاں دوبارہ موت کے بعد بکھر جائے گا۔

رِزْقُهَا ۔ رزق کہتے ہیں ان اجزاء کو خوراک کی صورت میں اکٹھا کرنے کو جس سے کوئی شئے وجود میں آتی ہے۔

مُسْتَقَرَّهَا ۔ رزق یعنی جس سے کوئی شئے وجود میں آئی گی وہ اجزاء کہاں کہاں پر بکھرے پڑے ہیں

مُسْتَوْدَعَهَا . اجزاء سے شئے کے وجود میں آنے کے بعد اس شئے کی موت (یعنی وفات کے بعد دوبارہ ان ذرات میں تبدیل ہو جانا جن سے وہ شئے وجود میں آئی) کے بعد ان ذرات یا اجزاء کا زمین وآسمان میں دوبارہ بکھر جانے کا مقام کہ وہ کہاں کہاں پر ہیں اور جب انہیں اکٹھا کر کے دوبارہ حیات دی جائے گی تب کہاں کہاں ہوں گے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ . النحل ۴۹

اور اللہ ہی کے لیے سجدے میں ہے جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہیں چلنے پھرنے والی، رینگنے والی، اڑنے والی مخلوقات سے اور ملائکہ اور وہ نہیں اپنی بات یا مرضی وغیرہ کو اس کے حکم پر ترجیح دے کر خود کو بڑا کہنے والے۔

يَسْجُدُ . سجدے میں ہے۔ سجدہ یعنی خود کو کسی دوسرے کے حوالے کر دینا، ہر حالت میں خوشی یا ناخوشی میں صرف اور صرف اسی کی بات ماننا۔

الْمَلٰٓئِكَةُ . ملائکہ جمع کا صیغہ ہے جس کا واحد ملک اور اس کا مادہ لاک ہے۔ لاک کے معنی لہروں، پیغام رسانی کرنے والی لہروں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے والوں کے ہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں میں تین طرح کی مخلوقات کو خلق کیا۔ پہلی نور سے، دوسری مادے سے اور تیسری آگ سے۔ نور سے ملائکہ کی تمام اقسام، مادے سے انسان سمیت تمام مادی مخلوقات اور آگ سے جنوں سمیت تمام آگ سے خلق کی گئی مخلوقات۔

مادے اور آگ سے اللہ سبحان وتعالیٰ نے مختلف مخلوقات کو خلق کیا لیکن نور سے اللہ سبحان وتعالیٰ نے صرف ملائکہ کو خلق کیا۔

ملائکہ کی لاتعداد اقسام ہے۔ ملائکہ کو اللہ سبحان وتعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کے نظام کو چلانے پر معمور کیا ہوا ہے۔

يَسْتَكْبِرُوْن . اپنے طور پر کسی دوسرے کے حکم، بات یا مرضی پر اپنی مرضی کو ترجیح دے کر خود کو بڑا ثابت کرنے والے۔ مثلاً اگر آپ کسی کو کوئی کام کرنے کے لیے حکم دیں کہ وہ آپ کی مرضی کے مطابق کام کرے لیکن وہ آپ کی مرضی کے بجائے اپنی مرضی کے مطابق کام کر کے خود کو آپ سے کسی بھی لحاظ سے بڑا ثابت کرنے کی کوشش کرے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ لٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ج فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا . فاطر ۴۵

اور اگر پکڑ کرتا اللہ انسانوں کو ساتھ اس کے جو وہ کسب کرتے ہیں نہیں چھوڑتا جس پر اس کا کسب ظاہر ہوتا چلنے پھرنے، رینگنے اور اڑنے والی مخلوقات سے اور لیکن موخر کرتا ہے انہیں اجل مسمیٰ تک۔ پس جب آ جائے ان کی اجل پس اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا اپنے غلاموں کے ساتھ دیکھتا۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ج فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ

. النحل ٦١

اور اگر اللہ پکڑتا لوگوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے تو نہ چھوڑتا اس پر کوئی بھی چلنے پھرنے، رینگنے اور اڑنے والی مخلوق اور

لیکن وہ موخر کرتا ہے جو اس نے اجل مقرر کی ہوئی ہے تک، پس جب آ جائے اجل انکی نہیں انہیں اس سے موخر کرتا لمحہ بھر بھی اور نہ آگے بڑھاتا ہے۔

بِظُلۡمِهِمۡ . ان کے ظلم کیساتھ یعنی ان کے ظلم کی وجہ سے۔ظلم کہتے ہیں کمی کرنے کو۔یعنی اللہ سبحان وتعالیٰ نے پیچھے آیت میں واضع کر دیا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے کتاب میں یعنی تمام مخلوقات کو خلق کرنے میں رائی برابر بھی کوئی خامی یالا پرواہی نہیں کی کہ جس سے اندیشہ ہو کہ مخلوقات میں خرابیاں ہوں گی اور نتیجۃً وہ تباہی کا شکار ہوں۔انسان پر یہ سب واضع کر دیا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے کتنا پیچیدہ ترین نظام بنایا ہے اگر اس میں کوئی خرابی کر دی جائے تو تباہیاں آئیں گی اس لیے انسان کو جس مقصد کے لیے خلق کیا اس پر وہ مقصد بھی واضع کر دیا اور اس مقصد کو پورا کیسے کرنا ہے وہ بھی انسان پر واضع کر دیا اور بتا دیا کہ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے تمہیں جو ہدایات دی گئی ہیں ان میں رائی برابر بھی کمی نہ کرنا۔اگر کمی کی تو اس کے نتیجے میں فساد ہوگا اور فساد کے نتیجے میں سزا کی اللہ کے عذاب یعنی سزا کی صورت میں تباہیاں آئیں گی جو زمین پر باقی مخلوقات کو بھی اپنی لپیٹ میں لیں گی۔

انسان کے اس ظلم کے نتیجے میں اگر اللہ سبحان وتعالیٰ اس کی فوراً پکڑ کرتا یعنی اللہ سبحان وتعالیٰ انسان کے فساد کرنے میں اصلاح کرنے والوں کی صورت میں رکاوٹ ڈالنے والے کھڑے نہ کرتا خواہ وہ تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں تو زمین پر مخلوقات میں سے کچھ بھی نہ رہتا سب کچھ اپنے انجام کو پہنچ چکا ہوتا۔لیکن چونکہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے ایسی گنجائش رکھ دی جس کی وجہ سے انسان کو ڈھیل مل جاتی ہے اور وہ اللہ سے سرکشی میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔اور جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو اللہ مواخذہ کرتا ہے یعنی پکڑتا ہے تب اللہ کی طرف سے پکڑ کا نہ کوئی لمحہ پیچھے ہوتا ہے اور نہ آگے بڑتا ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنۡ مَّآءٍ‌ ۚ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّمۡشِىۡ عَلٰى بَطۡنِهٖ‌ ۚ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّمۡشِىۡ عَلٰى رِجۡلَيۡنِ‌ ۚ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّمۡشِىۡ عَلٰٓى اَرۡبَعٍ‌ ؕ يَخۡلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ . النور ۴۵

اور اللہ نے خلق کیا تمام چلنے پھرنے، رینگنے، اڑنے والی مخلوقات کو پانی سے، پس ان میں سے کچھ اپنے پیٹ پر چلتے ہیں، اور ان میں سے کچھ دو ٹانگوں پر اور ان میں سے کچھ چار پر، خلق کرتا ہے اللہ جیسا اس کا قانون یعنی قدر میں کر دیا۔ اس میں کچھ شک نہیں اللہ ہر شئے پر قدیر ہے۔

یَشَآءُ . اسے ایک مثال سے سمجھ لیتے ہیں۔ مثلاً جیسے ایک گاڑی بنائی جاتی ہے تو سب سے پہلے مکمل گاڑی کا نقشہ بنایا جاتا ہے پھر اس نقشے کے مطابق ہر پرزہ بنایا جاتا ہے۔ اور پھر تمام پرزوں کو جوڑ کر گاڑی تیار کی جاتی ہے۔ اب اگر گاڑی میں کوئی پرزہ خراب ہو جائے تو اس کی جگہ بلکہ اسی طرح کا پرزہ ہی لگایا جا سکے گا نہ ہی اس سے چھوٹا، نہ ہی بڑا حتیٰ کہ اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہ ہوگی۔ البتہ اگر کوئی ایسی گنجائش نہ رکھ دی جائے جس کے مطابق بعد میں اس میں کوئی اضافہ کرنا ممکن ہو۔ جو ممکن ہوگا وہی ہو سکے گا اس کے علاوہ گاڑی کسی تبدیلی، کمی یا زیادتی کی متحمل نہیں ہوگی۔ اس طرح گاڑی کا ایک قانون وضع ہو گیا یعنی کہ گاڑی کو قدر کے ساتھ خلق کیا اور اگر گاڑی کی قدر یعنی جس طرح علم حکمہ سے گاڑی کو خلق کیا اس کے خلاف اس میں کوئی اقدام کیا جائے گا تو گاڑی خرابی اور تباہی کی طرف جائے گی۔ یہ عربی میں شاء کہلاتا ہے۔ کہ جو نظام وغیرہ وضع کر دیا جو اس میں گنجائش رکھ دی وہی اور اسی کے مطابق ہوگا اور جس کی گنجائش نہیں رکھی وہ نہیں ہو سکتا اگر ایسا کیا جائے گا تو وہ نظام یا خلق وغیرہ میں فساد ہوگا جس کا نتیجہ تباہی کی صورت میں نکلے گا۔

یعنی اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہر شئے کو قدر کے ساتھ خلق کیا۔ قدر میں جو کچھ بھی ہو سکنے کی گنجائش رکھ دی جیسے پیچھے گاڑی کی مثال سے سمجھا گیا وہ شاء کہلاتا ہے۔

۸۱

وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ دَآبَّةٍ لَّا تَحۡمِلُ رِزۡقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرۡزُقُهَا وَاِيَّاكُمۡ ۖ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ . العنکبوت ۶۰

اور کتنی ہی چلنے پھرنے، رینگنے، اڑنے والی مخلوقات سے نہیں اٹھائے ہوئیں اپنا رزق، اللہ انہیں رزق دیتا ہے

اور صرف وہی تمھیں بھی، اور وہی ہے السمیع العلیم

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَهَا وَاَلۡقٰی فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِكُمۡ وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنۡۢبَتۡنَا فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍ كَرِیۡمٍ. لقمان ۱۰

خلق کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے دیکھو گے تم اور ڈال دیں زمین میں چوٹیاں کہ ہلے نہ تمہارے ساتھ اور پھیلا دیں اس میں تمام کی تمام چلنے پھرنے والی، رینگنے والی اور اڑنے والی مخلوقات۔ اور اتارا آسمان سے پانی پس اگایا اس میں تمام کریم جوڑوں سے۔

فَلَمَّا قَضَیۡنَا عَلَیۡهِ الۡمَوۡتَ مَا دَلَّهُمۡ عَلٰی مَوۡتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الۡاَرۡضِ تَاۡكُلُ مِنۡسَاَتَهٗ . سباء ۱۴

پس جس مقصد کے لیے فیصلہ کیا ہم نے اس پر موت کا نہ راہنمائی کر سکا ان کی اس کی موت پر مگر دابہ کھا گیا اس کی سہارے کے لیے ٹیک لگانے والی چھڑی۔

وَمِنۡ اٰیٰتِهٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَثَّ فِیۡهِمَا مِنۡ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰی جَمۡعِهِمۡ اِذَا یَشَآءُ قَدِیۡرٌ . الشوریٰ ۲۹

اور اس کی آیات سے ہیں آسمانوں کا خلق کرنا اور زمین کا اور جو پھیلا دیں ان میں چلنے پھرنے والی، رینگنے والی اور اڑنے والی مخلوقات سے، اور وہی ہے انہیں جمع کرنے پر قدیر جب اس کا قانون ہوگا۔

وَفِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَمَا یَبُثُّ مِنۡ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ۔ الجاثیہ ۴

اور تمہاری خلق میں اور جو پھیلا دیں چلنے پھرنے والی، رینگنے والی اور اڑنے والی مخلوقات سے، آیات ہیں یقین کرنے والی قوم کے لیے

الحمدللہ ہم ان آیات سے لفظ دابہ کو بہت ہی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ دابہ کیا ہے۔ دابہ ہر اس مخلوق کو کہتے ہیں جو اپنی ٹانگوں پر چلتی پھرتی ہے، پیٹ کے بل رینگتی ہے، ہوا میں اڑتی ہے۔

جیسے اس لفظ کا استعمال اس آیت میں ہوا۔

فَلَمَّا قَضَیۡنَا عَلَیۡہِ الۡمَوۡتَ مَا دَلَّہُمۡ عَلٰی مَوۡتِہٖۤ اِلَّا دَآبَّۃُ الۡاَرۡضِ تَاۡکُلُ مِنۡسَاَتَہٗ ۔ سباء ۱۴

دابہ اس کیڑے کو کہا گیا جو لکڑی کھاتا ہے۔ اس کیڑے میں تینوں حصوصیات پائی جاتی ہے ایک وقت اس پر آتا ہے جب یہ پیٹ کے بل رینگتا ہے۔ پھر اس کے بعد اس پر ایک وقت آتا ہے جب اس کے پر نکل آتے ہیں تو یہ اڑنا شروع کر دیتا ہے اور پھر ایک وقت آتا ہے جب اس کی ٹانگیں مکمل ہو جاتی ہے تو اس کے پر ختم ہو جاتے ہیں اور یہ ٹانگوں پر چلتا ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ کا اس کیڑے کا دابہ کے طور پر قرآن میں ذکر کرنا غیر معمولی بات ہے۔ ویسے تو باقی آیات میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے کھول کر واضع کر دیا کہ دابہ وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں، جو ٹانگوں پر چلتے ہیں اور پھر ایک آیت میں اڑنے والوں کا بھی ذکر کیا۔ یعنی دونوں لحاظ سے اللہ سبحان وتعالیٰ نے لفظ دابہ کی وضاحت کر دی۔ انسان دو ٹانگوں پر چلتا ہے تو اس کا بھی شمار دابہ میں ہوتا ہے۔

تصویر میں لکڑی کھانے والے کیڑے کی تصاویر دیکھئے۔

گوگل سے لکڑی کھانے والے کیڑی کے لائف سائکل کی تصاویر

یہاں ------------------------------

-

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ لا اَنَّ

النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ۔النمل ۸۲

اور جب واقع ہو جائے گا ان پر جو کہا گیا تھا نکالیں گے ہم ان کا دابہ زمین سے، وہ اپنے عوامل کے ذریعے ان سے کلام کرے گا، اس میں کچھ شک نہیں کہ الناس تھے ہماری آیات کیساتھ نہیں یقین کرنے والے۔

تُكَلِّمُهُم ۔ شروع میں ''ت'' کا استعمال ہو گیا جس کی وجہ سے معنی یہ بن جائے گا کہ پیچھے موجود عوامل کے ذریعے کلام کرے گا۔ اگر لفظ کے شروع میں ''ت'' کا استعمال نہ ہوتا تو لفظ کَلِّمُهُم ہوتا جس کے معنی براہ راست کلام کرنا کے ہوتے۔ آیت میں یہ نقطہ انتہائی اہم ہے اگر ہم نے اس پر توجہ نہ دی تو ہم بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہو کر دابہ کے کلام کرنے کو نہیں پہچان سکیں گے۔

کَلِّمُهُم ۔ جیسے ہم ایک دوسرے سے براہ راست بات کرتے ہیں اس طرح براہ راست بات کرنا۔

تُكَلِّمُهُم ۔ مثال کے طور پر آپ ایک گاڑی انتہائی لاپرواہی سے چلا رہے ہیں اور آپ کی یہ حرکت ہی کلام کر رہی ہوگی کہ اسطرح گاڑی چلانے سے خراب ہو جائے گی یہ تُكَلِّمُهُم کہلائے گا۔

پہلی چھ تباہ ہونے والی قوموں پر بھی قول واقع ہو چکا جس کا ذکر اللہ سبحان وتعالیٰ درج ذیل آیات میں کر رہے ہیں۔

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ

الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ج اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ.

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ حَقَّ عَلَیۡہِمُ الۡقَوۡلُ فِیۡۤ اُمَمٍ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّنَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ ؕ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا خٰسِرِیۡنَ ۔ الاحقاف ۱۸

جو کچھ ان کے ھاتھوں کے درمیان یعنی ان کی پھنچ میں تھا اور جو کچھ پیچھے یعنی ان کی پھنچ میں نھیں تھا ان سے چھپا ھوا تھا سب ان کے لیے مزین کر دیا گیا. جب یہ سب ان کے لیے مزین کر دیا گیا تو وہ اس کے دھوکے میں آگئے یعنی اس کے دجل کا شکار ھو گئے.

اس کی وضاحت اور آیات کے تراجم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یعنی اللہ کا قول یہی ہے جو بار بار اللہ نے کہا کہ اس نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کیساتھ خلق کیا۔حق کیساتھ خلق کرنا کیا ہے اس کو جاننے کے لیے اللہ سبحان وتعالیٰ نے انسان کو اپنی ہی ذات میں غور وفکر کرنے کا حکم دیا کہ جیسے تمہیں خلق کیا گیا بلکل یہی مثال آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کی ہے۔اس لیے اگر کسی بھی مخلوق میں چھیڑ چھاڑ کی، زمین میں آسمانوں میں فساد کیا تو ساعت آئے گی یعنی تباہی آئے گی۔الحمد للہ پیچھے اس کی مفصل وضاحت گزر چکی ہے۔ اور جب اللہ کی ان آیات پر ایمان لانے کی بجائے کذب کیا جائے گا یعنی فساد کیا جائے گا تو تو پھر ساعت آئے گی اللہ کا امر آئے گا اللہ کا وعدہ آئے گا جو صفحہ ہستی سے مٹا کر دنیا و آخرت میں رسوا کر دے گا۔اللہ سبحٰن وتعالیٰ نے دابہ والی آیات میں بلکل واضع کر دیا کہ اللہ نے کسی بھی شئے میں فرط نہیں کیا یعنی کائنات میں سب مخلوقات کع احسن خلق کیا ان کی جو جو ضروریات تھیں سب کچھ خلق کر دیا کہیں بھی کوئی لاپرواہی نہیں کی جس کی وجہ سے تمہیں کچھ خود سے کرنا پڑے۔کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اللہ کی خلق کی ہوئی ضروریات کو ٹھوکر مار کر خود سے احسن خلق کرنے کے دعوے کرتے پھرو اگر ایسا کیا تو پھر کائنات میں فساد ہوگا تباہیاں آئیں گی یہ ہے اللہ کا قول۔لیکن جب یہ اسے تسلیم ہی نہیں کرتے اور پہلی قوموں کی روش اختیار کر رہے ہیں تو پھر جیسے ان قوموں پر اللہ کا قول واقع ہوا اسی طرح اس آخری قوم پر بھی قول واقع ہوگا۔

واقع ہونے والا قول کون سا ہے اسے جاننے کے لیے ہمیں اللہ سبحان وتعالیٰ کی دابۃ کے زمرے میں بیان کی گئی تمام آیات کو سامنے رکھنا پڑے گا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے اس زمرے میں کیا کہا۔ کہ انسان کو دابۃ کے حوالے سے ہر طرح سے آگاہ کر دیا کہ اسے اللہ سبحان وتعالیٰ کیسے خلق کرتے ہیں جیسا کہ بذات خود انسان کا شمار بھی دابۃ میں ہے۔ کہ انتہائی پیچیدہ ترین نظام قائم کیا ہوا ہے اللہ سبحان وتعالیٰ نے اس میں رائی برابر بھی کوئی اسی گنجائش نہیں چھوڑی جس سے کوئی خرابی اور تباہی کا خدشہ ہو۔ اور واضع کر دیا کہ یہ پیچیدہ ترین نظام اس کا متحمل ہے ہی نہیں کہ اس میں کوئی بھی تبدیلی کی جائے۔ اور اللہ کے علاوہ کوئی بھی ایسی ذات نہیں جس کے پاس علم ہو کہ اس میں خرابی کیسے نہیں ہوگی یعنی کیسے کوئی بھی اس نظام میں بگاڑ پیدا کرنے سے بچے گا اس کے لیے اللہ سبحان وتعالیٰ نے سب پر واضع کر دیا کہ انہوں نے کیا کیا ذمہ داری ادا کرنی ہے جب تک سب اللہ کی غلامی کرتے رہیں گے اپنی رائی برابر بھی مرضی استعمال نہیں کریں گے تب تک تو ٹھیک رہے گا لیکن جیسے ہی کوئی اپنی مرضی استعمال کرے گا تو پھر تباہیاں آئیں گی۔ اس لیے انسان کو بھی اپنی غلامی کا حکم دے دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انسان جب آسمانوں اور زمین میں کچھ جان لے تو اپنی مرضی استعمال کر کے اللہ کے مقابلے پر آ کھڑا ہو اگر ایسا ہو گا تو پھر اللہ سبحان وتعالیٰ اس کا دابۃ نکالیں گے جو اپنے عوامل کے ذریعے کلام کرے گا۔

آیت میں الفاظ اخرجنا کے ہیں نہ کہ یشاء کے ہیں۔ یہ نقطہ انتہائی غور وفکر کرنے والا ہے اگر تو لفظ یشاء کا ذکر ہوتا تو اس کا مطلب تھا کہ اس کی اللہ کے قانون میں گنجائش تھی اور اللہ کے قانون کے مطابق خلق ہوا جیسا کہ ہم قرآن کی ان آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ. المائدہ ۱۷، النور ۴۵، القصص ۶۸، الروم ۵۴، الزمر ۴، الشوریٰ ۴۹

خلق کرتا ہے اللہ جیسے اس کا قانون ہے

یعنی جیسے قدر میں کر دیا۔ یعنی قدر میں جو قانون وضع کر دیا اس کے مطابق اس سے ہٹ کر خلق نہیں کرتا

اللّٰهُ يَخْلُقُ مَايَشَآءُ . آل عمران ۴۷

اللہ ہی ہے جو خلق کرتا ہے اپنے قانون کے مطابق۔

یعنی الہ کے علاوہ اور کوئی ایسا ہے ہی نہیں جو اللہ کے قانون کیمطابق خلق کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ جب اللہ کے علاوہ اور کوئی ایسا ہے ہی نہیں تو پھر جو کوئی ایسا کرے گا اس کا نتیجہ سوائے تباہی کے کچھ نہ نکلے گا۔

اللہ خلق کرتا ہے جیسا اس نے قدر میں کر دیا یعنی قدر میں جو قانون وضع کر دیا اس کے مطابق اس سے ہٹ کر خلق نہیں کرتا لیکن اخر جنا یعنی ہم نے نکالا اس کو سمجھنے کے لیے ہمیں ان مقامات پر غور و فکر کرنا پڑے گا۔

یہ آیت کہ ان کے اپنے نفس اور آفاق میں ہم انہیں اپنی آیات دکھائیں گے والی آیت۔۔۔۔

کہ اللہ انہیں اپنی آیات دکھائیں گے تو آج جب ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح اللہ انہیں آیات دیکھا رہے ہیں۔یعنی ان کی اپنی جدو جہد ہی اس کے پیچھے ہے۔اللہ سبحان وتعالیٰ نے انہیں وہ تمام وسائل خود خلق کر کے نہیں دیئے۔اللہ کا یہ کہنا کہ ہم ایسا کرتے ہیں یا کریں گے اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اللہ نے ہی قدر میں اس کی گنجائش رکھی اگر قدر میں اللہ ایسا نہ کرتا تو یہ کبھی بھی ایسا نہیں کر سکتے تھے حتیٰ کہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے ایسا کرنا کا۔اس سے بھی واضع ہو جاتا ہے کہ اگر ان کے اپنے اقدامات کو ہٹا دیا جائے تو اللہ انہیں نہیں دیکھائیں گے تب ہی دیکھائیں گے جب یہ خود وہاں تک پہنچیں گے۔

اَهۡلَكۡنٰهُمۡ لَمَّا ظَلَمُوۡا. الکھف ۵۹

ہلاک کیا ہم نے انہیں جب انہوں نے ظلم کیا

یعنی اگر وہ ظلم نہ کرتے تو ہلاک نہ کیا جاتا۔جہاں بھی اللہ نے یہ کہا کہ ہم نے نکالا یا ہم نے ہلاک کیا وہاں اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی عوامل ضرور موجود ہوتے ہیں اگر وہ عوامل نہ ہوں تو اللہ ایسا نہیں کرتے۔مثلاً اگر ہم قرآن میں اخر جنا کو تلاش کریں تو ہمیں قرآن میں تیرا مقامات پر لفظ اخر جنا کے استعمال ہونے والی آیات ملیں گی۔ان تمام مقامات پر اخر جنا کے پیچھے کچھ نہ کچھ عوامل ہیں اگر ان عوامل کو ہٹا دیا جائے تو اخر جنا کی نفی ہو جاتی ہے۔اب اگر عوامل ایسے ہوں گے جن کی قدر میں اللہ نے گنجائش رکھی تو اس سے نکلنے والی شئے بے عیب اور اللہ کے قانون کیمطابق ہو گی لیکن اگر پیچھے عوامل ایسے ہوں جو قدر میں نہیں جو اللہ کے وضع کیے ہوئے قانون کے متصادم ہیں تو وہاں نکلنے والی شئے اللہ کے غضب کی وجہ سے نکلے گی جیسے اللہ نے کہا کہ ہم نے انہیں ہلاک کیا ان کو اللہ نے کیسے ہلاک کیا اس کی وضاحت بھی ہم قرآن سے ہی لے لیتے ہیں۔

وَيُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ. البقرۃ ۲۸۴

اور وہ عذاب (سزا) دیتا ہے جیسے اس نے قدر میں کر دیا یعنی اپنے قانون کیمطابق۔

جب اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہر شئے کو قدر سے خلق کیا تو پھر وہ اللہ کی مخلوقات یا آسمان اور زمینیں کسی ایسے کام کی یا تبدیلی وغیرہ کی متحمل ہی نہیں جو اللہ نے قدر میں نہیں کیا یعنی جس کی اللہ نے قدر میں گنجائش نہیں رکھی۔ اس لیے انسان جب ایسے کام کرے گا جن کی قدر میں گنجائش نہیں تو پھر فساد اور اس کے نتیجے میں تباہی آتی ہے جو اللہ کا عذاب ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ نے ہی قدر میں ایسا کر دیا کہ اگر اس کی مرضی کے خلاف اس کی کائنات میں کچھ حرکت کی جائے گی تو اس کا نتیجہ یہی قدر میں کر دیا اور پھر جو اللہ نے قدر میں کر دیا وہی ہوتا ہے اور ہوگا۔ اس لیے یوں جو بھی ہوتا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو بھی ہوتا ہے اس میں اللہ کی رضا شامل ہو۔ ہوتا وہی ہے جو اللہ نے قدر میں کر دیا لیکن اللہ کی رضا صرف اسی میں شامل ہوتی ہے جس میں صرف تعریف ہو اور جس میں کوئی عیب، نقص، خرابی وغیرہ ہو اس میں اللہ کی رضا نہیں بلکہ اللہ کا غضب شامل ہوتا ہے اس لیے ہمیں یہ فرق ضرور ذہن میں رکھنا ہوگا۔

اس کے علاوہ ایک اور بات جو انتہائی معنی خیز اور غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے اگر اسے بھی ذہن میں نہ رکھا گیا تو ہم بات کو سمجھ نہیں پائیں گے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے اس آیت میں لفظ اخرجنا کا استعمال کیا نہ کہ خلقنا۔ اگر تو خلقنا کا لفظ آیا ہوتا تو اس کا مطلب تھا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ وہ دابہ خلق کریں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہے آیت میں اس کے برعکس اخرجنا کے الفاظ ہیں جس کا مطلب بلکل واضع ہو جاتا ہے کہ نکالیں گے اللہ لیکن خالق اللہ نہیں ہوں گے۔ اس دابہ کا خالق انسان خود ہوگا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے قانون میں اس دابے کے نکلنے کی گنجائش رکھ دی مگر وہ اللہ کی مرضی اور اللہ کے قانون کے خلاف نکلے گا۔ جیسے اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہر شئے سے اس کا جوڑا بنایا اسی طرح خلق کا بھی جوڑا ہے۔ اگر خلق قانون کیمطابق ہوگی تو عیوب سے پاک ہوگی اور اگر خلق قانون کے خلاف ہوگی تو خرابیاں وتباہیاں آئیں گے۔

تو زمین سے دابۃ اللہ سبحان وتعالیٰ اسی وقت نکالیں گے جب انسان فساد میں اس حد تک بڑھ جائے گا کہ اب قدر میں دابۃ کا وجود میں آنا ناگزیر ہے۔ اگر انسان ترقی کے نام پر اللہ سے بغاوت اور اس کے ساتھ شریک ہونے کا دعویٰ نہ کرے تو دابۃ بھی نہ نکلے اس سے یہ واضع ہو گیا کہ دابۃ کے نکلنے میں اللہ کی رضا نہیں ہے بلکہ اللہ کا غضب شامل ہے اور جس میں اللہ کا غضب ہو وہ کام اللہ کی مرضی سے نہیں بلکہ اس کی مرضی سے ہوتا ہے جو اللہ کے ساتھ شریک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تا کہ اسے اپنے کیے کا بدلہ ملے اور اس پر حق کھل جائے اور اپنا انجام دیکھ کر ہیبت زدہ رہ جائے۔

جب پہلے اللہ سبحان وتعالیٰ نے ایسا کوئی دابۃ نہیں نکالا جو انسان کی سرکشی کے انتہا پر جانے سے نکالیں گے تو اس کا مطلب ہے

یہ دابۃ انسان کی سرکشی ہی کا مظہر ہوگا۔ کیونکہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے جو گنجائش رکھ دی اسی کے مطابق وہ نکالا جائے گا۔اس کا کلام کرنے سے مراد یہ نہیں کہ وہ با قاعدہ زبان سے ہم کلام ہوگا جیسے انسان ایک دوسرے سے کلام کرتے ہیں۔ بلکہ کلام کو سمجھنے کے لیے بھی اللہ کے دابۃ کو سامنے رکھنا ہوگا۔ اللہ کے دابۃ میں کتنی مخلوقات ہیں جو انسان سے کلام کرتی ہیں؟
صرف انسان ہی ہے اس کے علاوہ اس طرح کلام نہیں کرتے جیسے انسان ایک دوسرے سے کلام کرتا ہے لیکن اگر کوئی جاندار ایسی حرکت کرے جس کے انجام کا انسان کو علم ہو تو اس جانور کی وہ حرکت انسان سے کلام کہلائے گا۔
اس لیے یہ جو دابۃ کلام کرے گا یہ بنیادی طور پر انسان کے کسب کا نتیجہ ہوگا یعنی اللہ کے مقابلے پر انسان کی تخلیق ہوگی۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے بتا دیا کہ اللہ کا دابہ اس کا غلام ہے اسی کے لیے سجدے میں ہے رائی برابر بھی اپنی مرضی نہیں کرتا جس سے اللہ کا وضع کیا ہوا ہر سطح پر پیچیدہ ترین نظام قائم ہے لیکن جب انسان اللہ کے مقابلے پر اپنے ہاتھوں سے اپنا دابہ خلق کرے گا تو ایک وقت آئے گا جب انسان پر حقیقت کھل جائے گی کہ اب اس کے دابۃ کے وجہ سے ان کا انجام اس کے سر پر آ پہنچا ہے اور کوئی جائے پناہ نہیں۔ انسان کا دابۃ دنیا میں فساد ہی اتنے بڑے پیمانے پر پھیلا چکا ہوگا کہ انسان پر دن میں صاف مطلع میں سر پر آئے سورج کی طرح عیاں ہو جائے گا کہ اب اس کا انجام کیا ہے۔
یہی دابۃ کا انسان سے کلام کرنا ہوگا کیونکہ انسان اس وقت نام نہاد ترقی کے نام پر فساد کرتا ہوا علم میں اتنا آگے جا چکا ہوگا کہ اس پر اپنے ہاتھوں سے کیے ہوئے فساد کا انجام اس سے چیخ چیخ کر اس کے انجام سے آگاہ کرے گا یہی اس دابۃ کا کلام ہوگا۔

کیا وہ دابۃ نکل آیا ہے یا ابھی نہیں، اگر نکل آیا ہے تو کہاں ہے؟
ان سوالات سمیت پیدا ہونے والے باقی تمام سوالات کے جوابات جاننے کے لیے ہمیں سب سے پہلے اللہ سبحان وتعالیٰ کے دابۃ کے بارے میں مزید جاننا ہوگا۔ کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے جو دابۃ خلق کیا اس کے مقاصد کیا ہیں۔
جیسا کہ پیچھے گزرنے والی آیات میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے یہ واضع کر دیا کہ ہر وہ شئے جو چلتی پھرتی ہے، رینگتی ہے، اڑتی ہے وہ سب کی سب دابہ ہیں۔
اب اگر ہم اللہ کے دابۃ میں غور وفکر کریں اور جانیں کے ان کی تخلیق کے مقاصد کیا ہیں تو ہم پر واضع ہوگا کہ انسان کو اللہ نے اپنے نائب کے طور پر خلق کیا۔ جانوروں میں بعض ایسے ہیں مثلاً گدے، گھوڑے اور اونٹ وغیرہ انہیں سواری کے لیے، سامان کو ادھر ادھر منتقل کرنے کے لیے وغیرہ۔
اب وہ دابۃ جو قیامت کی وجوہات میں سے ایک وجہ ہے جسے اللہ سبحان وتعالیٰ قیامت کے قریب انسان کے سرکشی کی انتہا تک

پہنچ جانے پر اسی کے کسب کے نتیجے میں نکالیں گے جو انسان سے کلام کرے گا اس کے بعد سرکشوں کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی تو وہ کب کا نکل چکا۔لیکن نظر اس لیے نہیں آرہا کیونکہ اب وہ اتنا واضع ہو چکا ہے کہ انسان کے نزدیک اس کے بارے میں سوچنے کا وقت ہی نہیں اسے اس کے بارے میں خیال ہی نہیں آتا کہ اسے جب میرے ربّ نے خلق نہیں کیا تو یہ اس دنیا میں کیا کر رہا ہے۔

جیسے صبح صبح جب سورج نکل رہا ہوتا ہے تو سورج کو ہر آنکھ با آسانی دیکھ سکتی ہے لیکن جب سورج مکمل روشن ہو جاتا ہے تو پھر اسے دیکھنا ناممکن حد تک مشکل ہو جاتا ہے۔بلکل اسی طرح دابۃ الارض کا معاملہ ہے کہ وہ اتنا واضع ہو چکا ہے کہ ہر ایک کی زندگی کا حصہ بن چکا ہے

اس لیے اس کے بارے میں کسی کو احساس تک نہیں۔

ہم ایسا کرتے ہیں کہ سب سے پہلے ایک فہرست تیار کرتے ہیں جس میں دابہ کے نام لکھتے ہیں۔یعنی ان تمام مخلوقات کے نام لکھتے ہیں جو چلتی پھرتی ہیں، رینگتی ہیں، اڑتی ہیں۔یہ ایک لمبی فہرست بنے گی جس میں تمام کے تمام چلنے پھرنے والے، رینگنے والے اور اڑنے والے جاندار آ جائیں گے اس کے علاوہ جہاز، گاڑیاں، ٹرینیں، ٹرامیں، موٹر سائیکل وغیرہ بھی آ جائیں گے۔

اب ہم نے اس لسٹ میں یہ دیکھنا ہے کہ کیا یہ سارے کا سارا دابہ اللہ کا خلق کیا ہوا ہے یا نہیں۔یہ جاننے کے لیے اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن میں ہماری راہنمائی کر دی۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنۡ مَّآءٍ

اور اللہ نے خلق کیا تمام کا تمام دابہ پانی سے۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے بتا دیا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے اپنا سارے کا سارا دابہ پانی سے خلق کیا۔یعنی اس فہرست میں دیکھیں کہ کیا سب کا سب دابہ پانی سے خلق کیا ہوا ہے یا اس کے علاوہ بھی ہے۔اس میں جو پانی سے خلق کیا ہوا دابہ ہے اسے نکال دیں کیونکہ اس کا خالق اللہ ہے۔باقی اگر کچھ نہ رہے تو اس کا مطلب ہے کہ ابھی دابہ نہیں نکالا گیا۔اور اگر باقی کچھ موجود ہے اور وہ پانی سے خلق کیا ہوا نہیں تو اس کا مطلب ہے کہ دابہ نکل چکا۔جو ہمارے سامنے موجود ہے۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے سواری کے لیے گدھے، گھوڑے اور اونٹ وغیرہ کی صورت میں دابۃ خلق کیا لیکن انسان نے جب اللہ کے مقابلے پر اتر آیا تو اس نے اللہ پر افتراء کرتے ہوئے اس کا شریک ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے دو ٹانگوں والا سائیکل، موٹر سائیکل، تین ٹانگوں والا رکشہ وغیرہ، چار ٹانگوں والی رنگ برنگی کاریں اسی طرح بسیں اور مختلف گاڑیاں، ٹرین، ٹرامیں، جہاز وغیرہ خلق کر لیے۔

ایک طرف اللہ کا پانی سے خلق کیا ہوا دابۃ اڑنے والے پرندے ہیں تو دوسری طرف سرکش جن وانس نے اللہ کے مقابلے پر اپنا دابۃ خلق کر لیا۔ جہازوں، ہیلی کاپٹروں وار ن تشتریوں وغیرہ کی صورت میں اور مزید دن بدن بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

ایک طرف سواری اور سامان کی منتقلی کے لیے اللہ کا دابہ، گدھے، گھوڑے، اونٹ، خچر ہیں تو دوسری طرف انسان کا دابہ تمام اقسام کی موٹر سائیکلیں، گاڑیاں، ٹرینیں اور ٹرامیں وغیرہ ہیں۔

اسی طرح غور فکر کرتے جائیں۔ اللہ کا دابۃ جو اللہ کا غلام تھا جس کی وجہ سے کائنات کے پیچیدہ ترین نظام میں کوئی خامی نہ تھی نہ کوئی ایسا اندیشہ تھا لیکن وہیں سرکش جنوں اور انسانوں نے اللہ کے غلام دابۃ کو اپنے خلق کیے ہوئے دابۃ سے بدل دیا جو دن رات آسمانوں اور زمین میں فساد کبیر کرتا جا رہا ہے جس کا انجام بہت جلد انسان کے سامنے آنے والا ہے۔ وہ دن دور نہیں جب انسان کے اس دابے کی وجہ سے ہونے والے فساد کبیر کا نتیجہ انسان پر بلکل واضع ہو جائے گا اور اس کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہو گی تب یہ تسلیم کرے گا ہاں اے اللہ تیرا کلام حق تھا لیکن تب کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

دابہ کی تصاویر بهی..............................

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کی روشنی میں دابہ کی پہچان

تخرج الدابة فتسم الناس على خراطيمهم، ثم يغمرون فيكم ، حتى يشترى الرجل الدابة، فيقال: ممن اشترت؟ فيقول: من الرجل المخطم. ٣٨٨٨٠

فتسم. ف ت سم.

ف . پس یعنی ہوگا ہی ہوگا۔

ت . پیچھے جو بھی عوامل ہیں ان کے ساتھ یا ان کی وجہ سے۔

سم. زہر، ایسا زہر جس سے انسانوں سمیت تمام جانداروں کے جسم میں بیماریاں وخرابیاں پیدا ہوں جو سب کے لیے موت کا سبب بنے۔

خراطیم۔ کاربن کے اخراج والا سوراخ، پائپ وغیرہ،۔سائلنسرز، چمنی وغیرہ۔ انسان جہاں سے کاربن خارج کرتا ہے یعنی ناک اسے بھی خراطیم کہتے ہیں۔

یغمرون. غمر سے ہے جس کے معنی بھر جانے، ہر طرف ایک شئے کے پھیل جانے، مکمل ہو جانے وغیرہ کے ہیں۔

المخطم. زہریلی آب وہوا، بدبو، نقصان دہ جراثیم وغیرہ سے حفاظت کی خاطر ماسک یعنی ناک پر کچھ ایسی شئے کا پہنے ہونا جس کے ذریعے سے آب وہوا میں موجود زہریلے مادوں، نقصان دہ جراثیموں وبدبو وغیرہ سے بچا جا سکے۔

خطم. ماسک، گیس ماسک۔ دھویں، زہریلی آب وہوا، دھول اور نقصان دہ جراثیموں وغیرہ سے حفاظت کی خاطر ناک پر پہنا جانے والا ماسک۔

تصویری معنی۔

یہاں ماسک اور گیس ماسک کی تصاویر--------------------------

-------------------------------------خطیم فولڈر سے--------

رسول اللہ ﷺ کے وقت دھول مٹی سے بچنے کے لیے ناک ڈھانپنے کی غرض ماسک کی طرح منہ پر جو کپڑا لیا جاتا تھا اسے خطم کہا جاتا تھا یا گائے، اونٹ، بکری وغیرہ کے منہ پر جو ماسک اس غرض سے چڑھا دیا جاتا تھا کہ وہ جانور کا دودھ نہ پی جائیں۔ اور جانوروں کو مٹی کھانے یا گند کھانے سے بچانے یا فصلوں سے حفاظت کی خاطر انہیں کھلا چھوڑتے وقت ان کے منہ پر جو ماسک پہنا دیا جاتا تھا اسے خطم کہا جاتا تھا۔

تصاویری معنی۔

جانوروں کو پہنائے جانے والے ماسک کی تصاویر خطم فولڈر سے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جن عوامل سے دابہ نکلے گا پس ان عوامل اور دابہ اپنے کاربن کے اخراج والے سوراخوں سے انسانوں پر ان کی کاربن کی اخراج کی جگہیں یعنی ناکیں زہر آلود کر دیں گے۔ پھر وہ بھر جائیں گے تم میں یعنی ہر طرف دابہ پھیل جائے گا اور اس کا زہر بھی پھیل جائے گا اور انسان بھی سب ایسے ہی ہوں گے جو اس زہر آلود آب و ہوا میں سانس لے رہے ہوں گے ہر طرف ایسا ہی ماحول بن جائے گا۔ یہاں تک کہ کوئی مرد دابہ خریدے گا۔ اسے کہا جائے گا کہ کس سے خریدا۔ وہ کہے گا اس سے جس نے ناک پر ماسک پہنا ہے۔

دابہ من الارض کو سمجھنے کے لیے یہ روایت بہت ہی لاجواب ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے موجودہ وقت، موجودہ معاشرے کو چند الفاظ میں ایسے بیان کر دیا جیسے کہ کسی شئے پر بہت تفصیل سے بات کر کے اسے سمجھایا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ صرف اور صرف انہیں لوگوں کو فائدہ دے سکتے ہیں جو حقیقت میں مومن ہیں جو فتنہ دجّال کو جان کر اس سے بچنا چاہتے ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ بھی درحقیقت ایسے ہی اللہ کے غلاموں کے لیے ہیں جن پر دجّال کی حقیقت اور وقت کے تقاضوں کو سمجھنے میں مشکل ہو تو ان پر ان چند الفاظ کے ذریعے ساری حقیقت منکشف ہو جائے۔

آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں جس دور میں ہم رہ رہے ہیں اس کے بڑے بڑے شہر بلکل وہی نقشہ پیش کر رہے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے الفاظ میں بیان کر دیا۔

جہاں سے دابہ کا اخراج ہو رہا ہے یعنی جن عوامل سے دابہ خلق کیا جا رہا ہے ان جگہوں کی ناک سے یعنی ان کے کاربن کے اخراج والے سوراخوں سے جو مادے گیسوں کی شکل میں خارج ہو رہے ہیں انہوں نے آب و ہوا کو زہر آلود کر دیا۔ اسی طرح انسان کے دابہ کے کاربن کے اخراج والے پائپوں، سوراخوں، چمنیوں سے بھی وہی زہر نکل کر آکسیجن کو زہر آلود کر رہا ہے جو نہ صرف انسانوں بلکہ زمین پر پوری حیات کے لیے بیماریوں اور اموات کا سبب بن رہا ہے۔

تصاویر کی زبان سے راہنمائی لیں۔

خراطیم والا فولڈر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہاں ترتیب سے تصاویر۔۔۔۔۔۔۔

دابہ بنانے والے کارخانوں کی چمنیوں سے دھواں خارج ہونے کے مناظر۔چمنیوں پر نشان لگا کر ساتھ خراطیم ان کا نام بھی لکھنا ہے۔یعنی سب ہی چمنیوں پر دائرہ لگا کر ساتھ خراطیم لکھنا ہے۔

اسی طرح گاڑیوں،ٹرینوں وشپوں وغیرہ کے سائلنسروں کی تصاویر نام کے ساتھ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

گاڑیوں وکارخانوں کے دھویں سے دھند کا منظر پیش کرنے والے شہروں کی تصایور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

انسانوں کا ماسک پہنے ہوئے تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔

رسول الله ﷺ قال: بئس الشعب جياد؟ تخرج الدابة فتصرخ فيسمعها من بين الخافقين. ٣٨٨٨٠

الشعب. دشوار گزار پہاڑی رستے، گہری گھاٹیاں، پگھڈنڈیاں، پہاڑی درے، گھنے جنگلات والے دشوار گزار پہاڑی سلسلے ووادیاں،شاخوں نمارستے،تنگ رستے،سرنگ نمارستے،دروازے وغیرہ۔

تصویری معنی۔

یہاں الشعب فولڈر سے الشعب والی تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جیاد. انتہائی تیز رفتار آرام دہ سواریاں

صرخ ۔ بہت اونچی گرج دار آواز پیدا کرنا جسے قریب سے سننا کانوں کے لیے تکلیف دہ ہو۔

اتنا اونچی آواز میں چیخنا کہ سننے والے کے کان میں درد ہو۔

اچانک پر تشدد ہوا کا سخت طوفان ایک مقام سے پیدا ہونا۔

انتہائی اونچی دہشت ناک آواز نکالنا۔

انتہائی اونچی دہشت ناک اور مسلسل آواز نکالتے رہنا۔

خافق ۔ کسی ہوا میں پروں سے اڑنے والی شئے کا اڑنا یا نیچے اترنا۔ دونوں میں سے ایک مقام۔

خافقین ۔ کسی بھی ایسی شئے جو پروں سے ہوا میں اڑتی ہے اس کا زمین سے اوپر اڑنا اور نیچے اترنا۔ یعنی اس کا اڑنا اور نیچے اترنا۔ (Take off and landing)

رسول اللہ ﷺ قال: بئس الشعب جیاد؟ تخرج الدابة فتصرخ فیسمعها من بین الخافقین. ۳۸۸۸۰

انتہائی بری ناپسندیدہ ہیں دشوار گزار پہاڑی رستوں، پہاڑی دروں، تنگ اور دشوار رستوں، کٹھن اور مشکل ترین رستوں، جنگلات نما وادیوں، شاخوں نما رستوں، گہری گھاٹیوں میں یا پر چلنے والی دروازوں والی آرام دہ پرسکون انتہائی تیز رفتار سواریاں؟ وہ سواریاں دابہ نکلے گا پس وہ ایسے سفر کے لیے انتہائی گرجدار، دہشت ناک آواز اور ہوا کا پر تشدد طوفان پیدا کرے گا پس اس کی آواز سن لیں گے جو اس پروں سے اڑنے والے کے اڑنے کے مقام سے نیچے اترنے کے مقام کے درمیان ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے قرب قیامت کے حوالے سے جو بھی راہنمائی کی اس میں ایسے ایسے الفاظ استعمال کیے جو ایک تو وسیع المعنی ہیں اور دوسرا وہ بہت ہی گہرائیوں اور وسعتوں والے ہیں۔ ایک ایک لفظ گویا کہ لاتعداد صفحات پر مشتمل ایک ایک کتاب ہو۔ اس روایت میں رسول اللہ ﷺ کے الفاظ کی جتنی بھی گہرائی میں جانے کی کوشش کی جائے وہ کم ہے لیکن اس کے باوجود یہ

چند الفاظ آج کی حقیقت کو ایسے کھول کر بیان کر رہے ہیں کہ جیسے رسول اللہ ﷺ آج ہمارے درمیان موجود ہیں اور وہ آگاہ کر رہے ہیں۔ یہ ایسے الفاظ ہیں جو قرآن کی طرح ہر دور کے لیے اپنے اندر راہنمائی سموئے ہوئے ہیں۔

آج ہمارے لیے سمجھنا بلکل بھی مشکل نہیں کہ وہ کون سی سواریاں ہیں جو ایسے دشوار گزار رستوں پر تیز رفتاری سے سفر کرتی ہیں اور ان میں بہت ہی آرام دہ پرسکون سفر ہوتا ہے۔ پھر وہ سواریاں دروازوں والی بھی ہیں۔ ایسی خصوصیات کی حامل تمام سواریوں کو رسول اللہ ﷺ نے دابہ کہا ہے۔ جو قیامت کی اشراط میں سے ایک شرط تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ ایسے مشکل، دشوار گزار ترین علاقوں، رستوں پر سفر کرنے والی سواریاں وہ دابہ ہو گا جو قرب قیامت نکلے گا۔ پھر جیسے اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن میں بلکل کھول کر واضع کر دیا کہ دابہ کیا ہے جس میں ٹانگوں پر چلنے والے، پیٹ کے بل رینگنے والے اور اسی طرح فضا میں اڑنے والے سب کے سب جاندار اللہ کے دابہ ہیں جن میں انسان کا بھی شمار ہوتا ہے۔ وہ سب تو اللہ کا دابہ ہے جسے اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن میں کہا کہ ہم نے اسے پانی سے خلق کیا۔ کس کس مقصد کے لیے خلق کیا ان میں غور وفکر کرنے سے وہ سب بھی واضع ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ ان میں گدھے، گھوڑے، اونٹ وغیرہ سواری کے ذرائع تھے۔ لیکن آج وہ سب تو ناپید ہونے کے قریب چلا گیا۔ تو پھر آج جو کچھ ان کے متبادل کے طور پر موجود ہے وہ سب کیا؟

دو دو، تین تین، چار چار یا اس سے زائد پاؤں یعنی ٹائروں پر چلنے والی گاڑیوں کی صورت میں، زمین پر رینگنے والی ٹرینوں، ٹراموں کی صورت میں، ہوا میں اڑنے والے جہازوں وہیلی کاپٹروں وغیرہ کی صورت میں اسی طرح سمندروں میں تیرنے والے جدید ترین بحری جہازوں کی شکل میں؟

یہ سب کیا ہے؟

اسی کو تو رسول اللہ ﷺ نے دابہ من الارض کہا اور اسی کو تو قرآن میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے بھی دابہ من الارض کہا۔ یہی تو وہ سواریاں ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے ایک ایک لفظ پر پوری اترتی ہیں۔ انتہائی آرام دہ، پرسکون اور تیز رفتار۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے پھر دابہ من الارض سے جو سب سے اوپر ہے اس کی بھی کھول کر صراحت سے وضاحت کر دی۔

وہ کون سی پروں سے اڑنے والی شئے ہے جو انتہائی گرج دار، دہشت ناک، کانوں کو پھاڑ دینے والی آواز اچانک پیدا کرتی ہے اور مسلسل وہی آواز نکالتی ہے اور جب آواز نکالتی ہے تو ہوا کا انتہائی تیز پر تشدد طوفان پیدا ہوتا ہے۔ اسے کے اڑنے اور واپس زمین پر اترنے کے درمیان جتنے بھی لوگ آتے ہیں اس کے آواز سنتے ہیں۔

اگر آج ہم غور کریں تو شک کی رائی بھی نہیں رہتی کہ یہ آج کے موجودہ جہاز ہیں ان کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ الفاظ انہیں پر پورے اترتے ہیں جس سے یہ بھی واضع ہو جاتا ہے کہ ہم انتہائی خطرناک وقت میں موجود ہیں۔ قیامت ہمارے سر پر آچکی ہے اور یقیناً جو لوگ آج دنیا میں موجود ہیں ان میں سے بہت سے ایسے ہوں گے جو اگر مومن نہ ہوئے تو قیامت کو اپنی زندگیوں میں دیکھیں گے۔

تصاویری معنی۔

الشعب فولڈر سے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یہاں جہاز کی تصاویر جس سے اس کا آواز پیدا کرنا، ہوا کا طوفان پیدا کرنا، ٹیک آف اور لینڈنگ اور سفر کے دوران پہاڑوں کے اوپر سے گزرنے کی تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یہی جہاز کا انجن جب اسٹارٹ ہوتا ہے تو ایک تو اچانک گرج دار اور دہشت ناک آوز پیدا ہوتی ہے اور دوسرا وہ سامنے سے ہوا کو لیکر پیچھے کو اتنی تیزی سے نکالتا ہے کہ اگر کوئی گاڑی یا انسان وغیرہ اس کے پیچھے کھڑے ہوں تو انہیں اڑا دے۔ اور اگر کوئی شئے اس کے انجن کے سامنے آجائے تو اسے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ یوں یہی جہاز پر تشدد طوفان بھی پیدا کرتا ہے۔
رسول اللہ ﷺ نے تو رائی برابر بھی کسر نہیں چھوڑی صراحت میں لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ ایک ایسے وقت میں جب کوئی بھی انسان ان اشیاء کے بارے میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت ان اشیاء کے بارے میں ایسے الفاظ کا استعمال انتہائی غیر معمولی ہے یہ کسی بھی سطح پر کسی معجزے سے کم نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ الفاظ صرف اور صرف وہی انسان استعمال کر سکتا ہے جس نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔

رسول الله ﷺ قال: يقبض الله العلماء ويقبض العلم منهم فينشاء احداث ينزو بعضهم على بعض نزو العير على العير. ۳۸۵۲۵

احداث۔ ایجادات، واقعات، حادثات، جدت، آفات، مصائب

نزو . ایک شئے کا دوسری پر سوار ہونا۔ جیسے جانور، چرند، پرند وغیرہ جنسی حاجت پوری کرنے کی غرض سے ایک دوسرے پر سوار ہوتے ہیں۔ کچھ تو اچانک اگلی ٹانگیں اٹھا کر سوار ہوتے ہیں تو کچھ بھاگتے ہوئے آتے ہیں اور اچانک اگلی ٹانگیں اٹھا کر سوار ہوتے ہیں اسے نزو کہا جاتا ہے۔

تصویری معنی۔

یہاں العیر فولڈر سے جانداروں کا ایک دوسرے پر سوار ہونے والی تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

العیر . قافلہ، سواریوں کا قافلہ۔ رسول اللہ ﷺ کے وقت اور موجودہ ایجادات سے پہلے تجارت، سفر، حج وغیرہ کی غرض سے اونٹوں کے جو قافلے چلتے تھے انہیں العیر کہا جاتا تھا اس کے علاوہ گدھوں، گھوڑوں کے قافلوں کو بھی العیر کہا جاتا تھا۔ یا کسی بھی قسم کے قافلے کو بھی العیر کہا جاتا تھا۔

تصویری معنی۔

یہاں العیر فولڈر سے گدھوں اور اونٹوں وغیرہ کے قافلے کی تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

احداث ینزو بعضهم علی بعض

ایجادات، واقعات، حادثات، جدت، آفات، مصائب وغیرہ ایک دوسرے پر اس طرح چڑھیں گے جیسے جانور جنسی حاجت کو پورا کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سوار ہوتے ہیں۔

گاڑیوں اور ایجادات کی ایک دوسرے پر سوار ہونے والی تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

گاڑیوں اور ایجادات کے ایک دوسرے پر حادثے کی صورت میں چڑھے ہونے کی تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

احداث العير علی العير

ایجادات، واقعات، حادثات، جدت، آفات، مصائب کے قافلوں پر قافلے۔

معنی اور تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔گاڑیوں کے قافلوں پر قافلوں کی۔

اور گاڑیوں کے قافلوں کے قافلوں کے حادثات کی تصاویر۔۔۔۔۔۔۔

احداث نزو العیر علی العیر

ایجادات، واقعات، حادثات، جدت، آفات، مصائب وغیرہ کے قافلوں پر قافلے ایک دوسرے پر ایسے چڑھیں گے جیسے جانور جنسی حاجت کو پورا کرنے کے لیے ایک دوسرے پر چڑھتے ہیں۔

گاڑیوں کے قافلے اوپر نیچے پلوں پر والی تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ان کے علاوہ لفظ احداث کے معنوں کو سامنے رکھتے ہوئے جو کچھ بھی ہو سب واضع کرنا ہے۔ مصعب پر مصائب ائیں گے، حادثات پر حادثات، ایجادات پر ایجادات، آفات پر آفات وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

دابہ لوگوں کو زخمی کرے گا اور ٹکریں مارے گا ولی روایات۔۔۔۔۔۔۔

یہاں دابہ زخمی کرے گا والی احادیث۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ابن مسعود سے روایت والی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔گوگل سے زمین سے جانور نکلے گا یا قرآن چھپ جائے گا تلاش کر کے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس کی وضاحت گاڑیوں کیساتھ حادثات میں زخمی ہونے والے لوگوں کی تصاویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تخرج الدابة من شعب، فيمس راسها السحاب، ورجلاها فى الارض ما خرجتا، فتمر بالانسان يصلى، فتقول : ما الصلاة من حاجتک. فتخطمه. نعیم بن حماد، طبری

جن عوامل سے نکلے گا دابہ دشوار گزار گھاٹیوں، پہاڑی رستوں، گھنے جنگلات والے پہاڑی سلسلوں، گھاٹیوں، کھائیوں، بلند و بانگ پہاڑوں کے درمیان دریاؤں وغیرہ سے، پس اس کا سر چھوئے گا بادلوں کو، اور جن پر وہ چلتا ہوگا (جیسے انسان ٹانگوں پر چلتا ہے) یعنی ٹانگیں اس کی زمین میں ہوں گی جو وہ نکلے گا دشوار گزار پہاڑی دروں، گھاٹیوں، گہری کھائیوں وغیرہ سے۔ پس گزر جائے گا انسانوں کے ساتھ اونچی آواز نکالتا ہوا۔

تخرج الدابة من شعب بالأجياد، راسها تمس السحاب، وما خرجت رجلها من الأرض، تاتى الرجل، وهو يصلى، فتقول: ما الصلاة من حاجتک؟ ما هذا الا تعوذ أو رياء فتخطمه. الدر المنشور، هداية السالک

أنها الدابة التى تخرج عند قيام الساعة تكلم الناس وتسم وجه المومن والكافر. اخبار مكة، هداية السالک

وأنها تخرج قبل التروية بيوم وقيل: يوم التروية، وقيل: يوم عرفة، وقيل: يوم النحر. اخبار مكة، هداية السالک

أنها تخرج من شعب أجياد، ونها تمس السحاب وما خرجت رجلاها من الارض. هداية السالک

دابه کا صفا مروہ سے نکلنا.

انها تخرج من بين الصفا والمروة. الدر المنشور، هداية السالک

تخرج الدابة من صدعٍ فى الصفا كجرى الفرس. ابن ابی شیبه، نعیم بن حماد، الدر المنشور، ابن ابی حاتم

صدع. زمین کا اس طرح پھٹنا یا پھاڑا جانا کہ زمین اس طرح دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گی درمیان خندق نظر آنے لگے۔ یعنی جیسے زمین میں کوئی نہر کھودی جاتی ہے۔
بہتر اور آسانی سے سمجھنے کے لیے تصویری معنی دیکھیں۔

یہاں صفا مروہ فولڈر سے زمین پھٹنے والی تصاویر.........

جری. اس کا مادہ جر ہے جس کے معنی ہیں۔ پکھڈنڈی، لانا، واپس لے جانا، کھینچ کر اپنے اوپر کرنا اور اتار دینا، گھسیٹنا،

چلنا۔

جری بہنے کو بھی کہتے ہیں جیسے کشتی پانی میں بہتی ہے اور ایسی سواری کو جو پکھڈنڈی کی طرح ہو اور اپنے اوپر وزن اٹھا کر چلتی ہو۔ وزن اپنے اوپر رکھتی ہو اور اسی طرح اتار دیتی ہو۔

اور "ک" کے معنی جیسے کے ہیں۔

اس کے علاوہ عربی میں یہ پورا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔ کجری جس کے معنی ہیں جس میں عیش و آرام ہو۔

تصویری معنی۔

یھاں صفا فولڈر سے پکھڈنڈی یعنی ٹریل کی تصاویر.

جیسے تصاویر میں پکھڈنڈیاں دیکھائی گئی ہیں بلکل اسی طرح کی ایسی سواری ہوگی جو رینگ کر چلے گے جو سواریوں کو اپنے اوپر اٹھا کر لے جائے گی اور واپس لے آئے گی۔ اپنے اوپر سے اتار دے گی

آج جب ہم صفا مروہ کو دیکھیں تو ناقابل یقین بلکل وہی دابہ نکل چکا جس کا محمد رسول اللہ ﷺ نے ذکر کیا تھا۔ آج صفا اور مروہ کے درمیان ایسی ریلنگ بچھادی گئی جو بلکل سو فیصد محمد رسول اللہ ﷺ کے الفاظ کی عکاسی ہے۔ ہمارے پاس صفا مروہ کی تصاویر تو نہیں ہیں البتہ ہم اس کی وضاحت کے لیے اس دابہ کی تصاویر واضع کر دیتے ہیں تا کہ سمجھنے کے لیے آسانی ہو اور تمام وہ لوگ جو صفا مروہ گئے ہیں یا جا سکتے ہیں ان کے لیے اپنی آنکھوں سے نہ صرف دیکھنا ممکن ہے بلکہ وہ اس دابہ پر چڑھ کر صفر بھی کر سکتے ہیں۔

صفا مروہ کے درمیان یہ دابہ بلکل اسی طرح نکلا جیسے محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا۔ اس کے لیے پہلے زمین کو پھاڑ کر اس میں نہر کھودی جاتی ہے اور اس نہر میں اس دابہ کو فٹ کیا جاتا ہے۔

تصاویر میں دیکھیں۔

رسول الله ﷺ قال: مثل امتی و مثل الدابة حین تخرج کمثل حین بنی ورفعت حیطانه وسدت ابوابه وطرح فیه من الوحش کلها ثم جیءَ بالأسد فطرح وسطها فارتعدت وأقبلت الی النفق تلحسه من کل جانب، کذلک امتی عبد خروج الدابة لایفر منها احد الا مثلت بین عینیه، ولها سلطان من ربنا عظیم. ۳۸۸۸۱ ابو نعیم، الدیلمی

دابة. زمین پر تمام کی تمام جاندار مخلوقات مثلاً جو ٹانگوں پر چلتے ہیں خواہ وہ انسان ہوں یا جانور، جو رینگتے ہیں، جو اڑتے ہیں۔ لیکن یہ وہ دابہ ہے جسے اللہ سبحان و تعالیٰ نے خلق کیا۔ قیامت کے قریب نکلنے والے جس دابہ کا ذکر ہے وہ اللہ کا خلق کیا ہوا نہیں بلکہ وہ انسان کا خلق کیا ہوا دابہ ہے۔ دابہ کی قرآن سے تفصیلات پیچھے گزر چکیں۔

حیط. محاصرہ، گھیراؤ، حصار، ایسی جگہ جو ہر طرف سے بند ہو جس کے باہر نکلنا ممکن نہ ہو سوائے اس کے دروازے سے اگر دروازہ موجود ہو تو۔ ورنہ اسی کے اندر رہنا ہو۔

سد . مادی یا غیر مادی رکاوٹ۔ غیر مادی رکاوٹ کے معنی مادی پر غالب ہیں۔

ابواب. داخل ہونے اور باہر نکلنے کے رستے۔ دخول اور خروج کے مقامات۔

طرح. شئے بنا کر اسے لانچ کرنا، شئے بنا کر اسے متحرک کرنا، شئے خلق کر کے اسے کہیں چھوڑ دینا۔

وحش. ایسی عجیب الخلقت مخلوق جو موجود نہ ہو تو تصوراتی مخلوق اور اگر موجود ہو تو بہت زیادہ مشہور و معروف مخلوق۔

ایسی مخلوق جو بے قابو اور ہر طرف سے نقصان پہنچائے۔

ایسی مخلوق جو جہاں موجود ہو اسی کو اتنا فساد زدہ کر دے کہ وہ شئے تباہ ہو جائے۔

ایسی مخلوق جو بے قابو ہو کر ہر طرف کے در و دیوار توڑ دے۔

ایسی مخلوق جو عیب دار ہو۔

ایسی مخلوق جو قوت وزور ہر طرح کی صلاحیتوں میں بہت بڑھ کر ہو۔

ایسی مخلوق جو اپنے وزن اور حجم کے اعتبار سے بہت لمبی، چوڑی، اونچی یا بڑی ہو۔

عجیب الخلقت مخلوق جو خلاف قانون خلق کی جائے۔

ایسی مخلوق جو انتہائی پر خطر یعنی خطرے سے بھری ہوئی ہو۔

ایسی مخلوق جس کے سامنے اس سے پہلے موجود مخلوقات طاقت، زور، صلاحیتوں سمیت ہر لحاظ سے بہت کم اور بے بس ہو جائیں۔

ایسی مخلوق جو جہاں موجود ہو وہاں موجود مخلوقات میں سے طاقتور ترین مخلوق پر بھی غالب آ جائے۔

ایسی مخلوق جس کے سامنے شیر صفت بھی چوہے سے کم تر نظر آئے۔

لفظ وحش کے یہ چند معنی ہیں جو غالب ترین معنی ہیں۔ان کے علاوہ وحش لفظ کے معنی بہت وسیع ہیں لیکن ہم نے کوشش کی کہ جو معنی غالب ترین ہیں جو باقی معنوں کا احاطہ کریں وہی بیان کیے جائیں۔

اسد . جس کا باقی سب پر روب اور دب دبہ ہو، جسے باقیوں پر قدرت واختیار دیا جائے جو اس کے قانون کی خلاف ورزی کرے اسے دبوچ لے۔ یہ سب صفات جنگل کے جانوروں میں سے شیر میں پائی جاتی ہیں اسی وجہ سے شیر کو عربی میں اسد کہا جاتا ہے کیونکہ شیر کے سامنے جنگل کے تمام جانور دب کے رہتے ہیں۔ شیر کو سب پر قدرت واختیار حاصل ہوتا ہے۔

ارتعد. کانپنا، تھرتھرانا، ہلنا، کپکپی۔

سلطان. کسی شئے میں یا پر اثر انداز ہونے کا اختیار، اختیارات منتقل کرنا، کمانڈ، بالادستی، اثر ورسوخ، طاقت، قوت، خودمختاری، سلطنت، حکومت، گرفت، مہارت، کسی شئے پر اثر انداز ہونے کا مکمل اختیار، غیر منصفانہ استعمال، مطلق العنانیت، آمرانہ پن، حکم دینے کا اختیار، اطاعت کروانے کی قدرت، غلبہ پانا، جانچ پڑتال، دبنگ پن، بادشاہی، کسی شئے کو سیاسی نظام کے ذریعے اپنے تابع رکھنا، سیاسی اختیار وغیرہ۔

رسول الله ﷺ قال: مثل امتی ومثل الدابة حین تخرج کمثل حین بنی ورفعت حیطانه وسدت ابوابه وطرح فیه من الوحش کلها ثم جیءَ بالأسد فطرح وسطها فارتعدت وأقبلت الی النفق تلحسه من کل جانب، کذلک امتی عبد خروج الدابة لایفر منها احد الا مثلت بین عینیه، ولها سلطان من ربنا عظیم. ۳۸۸۸۱ ابو نعیم، الدیلمی

میری امت کی مثال اور دابہ کے نکلنے کے وقت کی مثال اس وقت کی سی ہے ایک ایسی تعمیر کی جائے اور بلند کی جائے کہ وہ محاصرہ، گھیراؤ، حصار بن جائے اور اس کے تمام داخلی اور خارجی مقامات پر رکاوٹیں کر دی جائیں اور خلق کر کے تمام کے تمام وحش اس میں متحرک یعنی چھوڑ دیئے جائیں پھر لایا جائے ایک شیر جسے پس چھوڑ دیا جائے ان کے درمیان، پس وہ حصار تھرتھرانا، کانپنا شروع کر دے جہاں سے اسے کھوکھلا کر دیا گرنا شروع کر دے اس (شیر) پر ہر جانب سے۔ دابہ نکلے گا تو بلکل یہی مثال میرے غلام امتی کی ہوگی کوئی ایک بھی بھاگ نہیں پائے گا اس سے مگر اس کے درمیان لا چھوڑا جائے گا، اور اس کے لیے ہے یعنی دابہ کے لیے ہے سلطان ہمارے ربّ عظیم سے۔

رسول اللہ ﷺ نے بہت ہی لرزا دینے والی مثال بیان کی۔ اس مثال کو سامنے رکھتے ہوئے اگر آج ہم اپنے ارد گرد غور و فکر کریں تو ہمیں رسول اللہ ﷺ کی یہ مثال میں چھپے وقت کی نشاندہی بخوبی ہو جاتی ہے کہ آج ہم اسی وقت میں ہیں۔ جیسے آپ کوئی ایسی بڑی عمارت تعمیر کریں جو بلکل حصار کی مانند ہو اس میں کچھ ایسے وحشیوں کو چھوڑ دیں جو بے قابوں ہر طرف ٹکریں مارنا شروع کر دیں اور کسی ایسے کو بھی اس میں داخل کر کے اس کے باہر نکلنے کے دروازے بند کر دیں جو بہت طاقت والا ہو۔ اس حصار میں وہ ان وحشیوں کے سامنے بے بس نظر آئے گا اور وحشی ٹکریں مار مار کر اس عمارت کو کھوکھلا کر دیں اور وہ عمارت لرزا اٹھے، کانپنا شروع کر دے تو کھوکھلے پن کی وجہ سے وہ عمارت ہر طرف سے گرنا شروع کر دے گی۔ ایسے جیسے کہ اینٹوں کی جگہ جگہ بارش ہو رہی ہے۔ اور اس کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی جسے اس حصار میں ان وحشیوں کے

درمیان داخل کر دیا تھا۔ وہ کتنا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو وہ ان کے سامنے بے بس و مجبور ہوگا۔
سبحان اللہ، اللہ اکبر، محمد رسول اللہ ﷺ نے کتنی ہی پیاری مثال دی ہے۔ اس سے بڑھ کر احسن مثال کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی۔ جو اللہ کے نبی نے اس وقت بیان کی جس وقت ایسے حالات و واقعات کو بیان کرنے کے لیے الفاظ ہی موجود نہیں تھے۔ لیکن جس احسن انداز سے رسول اللہ ﷺ نے یہ مثال بیان کی اس سے بلکل ایسے لگتا ہے جیسے کہ کوئی اس دور میں موجود ہے اور ان سارے حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اس کے بعد الفاظ کا انتخاب کر کے مثال بیان کرے۔

قرآن میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے بار بار اپنی آیات میں غور و فکر کرنے کا حکم دیا۔ جب غور و فکر کریں تو پتہ چلتا ہے اور اللہ سبحان وتعالیٰ نے بھی بلکل واضع قرآن میں بتا دیا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے زمین پر سب کا کیسے محاصرہ کیا ہوا ہے۔ کیسے گھیراؤ یعنی حصار قائم کیا ہوا ہے۔
یہاں محیط، احاط والی آیات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تصاویر کی مدد سے سمجھیں۔
مین کے گرد گیسوں کے حصار والی تصاویر جن کے باہر جا کر ایک مومن کے لیے زندہ رہنا ناممکن ہے اس لیے وہ مجبور ہے اسی حصار میں رہنے پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
یہاں الوحش والا فولڈر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جیسے انسان کو گرم سرد موسمی اثرات سے بچنے کے لیے لباس کی ضرورت ہوتی ہے بلکل اسی طرح اللہ سبحان وتعالیٰ نے زمین کو بھی لباس پہنایا ہوا ہے۔ زمین کی مقناطیسی قوت ہے اور زمین کے گرد گیسوں کی سات تہیں ہیں جنہیں اللہ سبحان وتعالیٰ نے زمین کے سات آسمان بھی کہا ہے۔ زمین کی مقناطیسی قوت اور یہ گیس کی سات تہیں زمین کے گرد اللہ سبحان وتعالیٰ کا حصار ہیں۔ اسی حصار کے اند انسان زندہ رہ سکتا ہے۔ اس حصار کے اندر اللہ سبحان وتعالیٰ نے انسان کو خلق کیا اس سے پہلے اسکے داخلی اور خارجی رستے بند کر دیئے۔
زمین کی یہ سات گیس کی تہیں ہر لحاظ سے اللہ سبحان وتعالیٰ کا زمین کے گرد حصار ہے۔ یہی گیسوں کی تہیں سورج کی نقصان دہ شعاعوں کو زمین پر آنے سے روکتی ہیں اگر وہ براہ راست زمین پر آ جائیں تو زمین پر زندگی کا تصور ختم ہو جاتا ہے۔ سورج سے

اٹھنے والے آگ کے طوفان انہیں تہوں کی وجہ سے زمین پر نہیں آ پاتے ورنہ ایک لمحے سے بھی کم وقت میں زمین پر سب کچھ جل کر راکھ ہو جائے۔ یہ حصار زمین پر بخارات کی شکل میں اوپر اٹھنے والے پانی کو باہر خلاء میں جانے سے روکتا ہے اور پھر وہ پانی واپس زمین پر بارش کی صورت میں اترتا ہے۔ یہی گیسوں کی تہیں لاتعداد پتھروں وشہابیوں کو زمین پر آنے سے روکتی ہیں ورنہ زمین پر ہر شئے تباہ ہو جائے۔ اس کے علاوہ اگر ان پر لکھا جائے تو کئی کتابیں لکھیں جاسکتی ہیں۔ ہمارا مقصد اللہ سبحان وتعالیٰ کے اس حصار کو سمجھنا مقصود ہے جسے اللہ سبحان وتعالیٰ نے ایک مثال سے بیان کیا۔

پھر اللہ سبحان وتعالیٰ نے زمین کے اندر بھی انتہائی پیچیدہ نظام بنا دیا۔ اور اسی طرح زمین کے اوپر بھی انتہائی پیچیدہ نظام بنا دیا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے تمام مخلوقات کو خلق کر کے جس جس مقصد کے لیے خلق کیا انہیں ان کے مقامات پر رکھ کر اس مقصد کو پورا کرنے پر لگا دیا۔ اگر کوئی بھی مخلوق اپنے مقام سے ہٹ جائے گی تو پھر زمین کا توازن برقرار نہیں رہے گا۔ پھر زمین پر بھی ہر طرف سے اسی طرح تباہیاں آئیں گی جیسے مثال میں اس حصار کا بیان کیا۔

وحش کے معنی اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ جن الوحش نے اللہ سبحان وتعالیٰ کے خلق کیے ہوئے حصار میں ہر طرف فساد وتباہی برپا کرنا تھی اس کو رسول اللہ ﷺ نے دابہ کہا۔

وحش یعنی وہ کون سی ایسی عجیب الخلقت مخلوقات ہیں جو پہلے موجود نہیں تھیں اور اب موجود ہیں؟ یا پھر ابھی بھی موجود نہیں؟ اور ایسی مخلوقات جن کے سامنے رسول اللہ ﷺ کے غلام امتی بے بس ہو جائیں گے۔ جو اللہ سبحان وتعالیٰ کے بنائی ہوئی عمارت یعنی اس زمین کو اتنا کھوکھلا کر دیں گے جس سے یہ لرزے گی، کانپے گی یعنی زلزلے آئیں گے۔ ہر طرف سے اس پر تباہیاں آئیں، اللہ کی تمام مخلوقات میں خرابیاں اور تباہیاں ظاہر ہوں گی۔

کیا آج یہ سب نہیں ہو رہا؟

آج کوئی ایک بھی شئے ایسی نہیں جو فطرت پر ہو۔ لاتعداد بیماریاں، زلزلے، طوفان، آندھیاں، سیلاب، موسموں میں غیر معمولی تغیر وتبدل، سمندروں کے نظام میں تباہی، سمندری مخلوقات کا لاتعداد قتل عام، بے وقت بارشیں، سانس لینے کے لیے آکسیجن بھی خالص نہیں، نہ کھانے کو، نہ پینے کو، نہ رہنے کو حتیٰ کہ اللہ کی کوئی ایک بھی خلق زمین پر خالص نہیں رہی، خرابیوں سے پاک نہیں رہی۔ اور ایسی حالت میں اللہ کے غلاموں کی بلکل وہی کیفیت ہے جو کیفیت اس شیر کی جو اس حصار میں تھا اور ہر طرف سے عمارت اس پر گر رہی ہے۔

اللہ سبحان وتعالیٰ کے نبی محمد رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ یہ سب تب ہوگا جب دابہ خلق کر کے نکالا جائے گا۔ اس دابہ کا خالق اللہ نہیں بلکہ خود انسان ہوگا۔ اللہ سبحان ہے وہ ایسا دابہ خلق نہیں کرتا جو اللہ کے قانون کے ہی خلاف کام کرے سوائے اس کے

جسے اختیار دیا اور وہ نافرمان ہو گیا یعنی انسان۔

یہ دابہ ظلم کرنے والا ہے اللہ کی تمام مخلوقات کے مقام میں کمی کرنے والا ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ قرآن میں بار بار کہتے ہیں کہ اللہ انسانوں پر ظلم نہیں کرتا مگر انسان خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔

یہاں یہ والی آیات۔ اللہ ظلم نہیں کرتا اور لیکن انسان خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔---------------

----

الوحش یعنی عجیب الخلقت مخلوقات جو رسول اللہ ﷺ کے دور میں اور آج سے کچھ ہی عرصہ پہلے کوئی وجود نہیں رکھتی تھیں جو کہ آج موجود ہیں اور ہر طرف موجود ہیں جو بہت مشہور و معروف ہیں اتنی واضع ہیں جیسے دن کے وقت سورج جسے دیکھنے سے آنکھ چندھیا جائیں۔ یعنی سورج اتنا واضع ہوتا ہے لیکن وہ دیکھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ آج بلکل اسی طرح وہ الوحش دھندناتے پھر رہے ہیں لیکن کسی کو نظر نہیں آ رہے اور اللہ کی زمین پر ہر شئے میں تباہی مچا رہے ہیں اور مومن اللہ کے غلام اس شیر کی طرح بے بس نظر آ رہے ہیں۔

تصاویر کی زبان میں۔

اللہ کا دابہ اللہ کا غلام اور اللہ کے مقابلے پر انسان کا دابہ الوحش جو تباہی مچا رہا ہے اور زمین کے کانپنے کا سبب بن رہا ہے۔

یہاں دابہ کی تصاویر۔ اللہ کے دابے سے کمپیئر کر کے یعنی ایک طرف اللہ کا دابہ اور دوسری طرف انسان کا دابہ۔ قیامت کی نشانی۔--------------------الوحش میں دابہ فولڈر

اللہ کے دابے کی آنکھ اور دجّال کے دابے کی آنکھ، اسی طرح کان، ہاتھ پاؤں، سر وغیرہ بھی۔-----ہاتھ کرینیں وغیرہ

یہاں باب دخان۔

دخان

حم. الدخان ۱

حم. یہ سورت الدخان کی پہلی ہی آیت ہے۔ جو ایک مکمل آیت ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے معنی کیا ہیں۔ اور یہاں اس آیت کو بیان کرنے کا مقصد کیا ہے۔ اس کا جواب اگلی ہی آیت میں کسی حد تک واضح ہو جائے گا۔

وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ. الدخان ۲

اور کتاب مبین۔

یعنی کہ حم ایک کتاب ہے اور اس کے علاوہ ایک اور کتاب بھی ہے جو کتاب مبین ہے۔ مبین یعنی جو بلکل کھلم کھلی واضح ہے جسے ہر کوئی دیکھ سکتا ہے اس میں غور و فکر کر سکتا ہے۔ حم کو مزید کھل کر سمجھنے کے لیے ہمیں پہلے کتاب مبین کو سمجھنا ہو گا جب ہم نے کتاب مبین کو سمجھ لیا تب ہم پر حم خود بخود ہی واضح ہو جائے گا۔

کتاب کہتے ہیں جس میں کچھ کتب کیا ہوا ہو۔ اور کتب کرنے کے معنی ہرگز یہ نہیں ہیں کہ کوئی الفاظ جو سیاہی سے قلم کیساتھ لکھے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر موجودہ دور سے ہی ایک مثال لے لیجئے۔ جیسے پہلے انسان کو کچھ محفوظ کرنا مقصود ہوتا تھا تو وہ اسے سیاہی سے قلم کیساتھ لکھ کر محفوظ کرتا تھا جسے وہ بعد میں پڑھ سکتا تھا لیکن آج جیسا کہ کمپیوٹر موجود ہے۔ ہم بہت کچھ کمپیوٹر میں لکھتے ہیں، محفوظ کرتے ہیں، ریکارڈ کرتے ہیں، یہ محفوظ کرنا، لکھنا اور ریکارڈ وغیرہ کرنا سب عربی میں کتب کرنا کہلاتا ہے۔ اب کمپیوٹر میں تو کوئی ایسی کتاب موجود نہیں ہوتی جو ہمارے سامنے کاغذ وغیرہ کے اوراق کی شکل میں ہوتی ہے۔ بلکہ کمپیوٹر کے اندر ایک حصہ ہوتا ہے جسے ہم ہارڈ ڈسک کہتے ہیں اس ہارڈ ڈسک میں ایک خاص قوت ہوتی ہے جو اپنے اندر آواز، تصاویر، ویڈیوز وغیرہ کا لکھ کر محفوظ کرنے کی صلاحیت رکھتی۔ ہارڈ ڈسک کو عربی میں کمپیوٹر کی کتاب کہا جائے گا اور اس میں کوئی بھی شئے محفوظ کرنا لکھنا یعنی کتب کہلائے گا۔

مبین کہتے ہیں جو شئے ہر طرف کھلم کھلی موجود ہو۔

اب اگر ہم کمپیوٹر کی ہارڈ ڈسک میں غور کریں تو ہمیں دو باتیں نظر آئیں گی۔ ایک یہ کہ جو کچھ اس کی ہارڈ ڈسک میں محفوظ ہو گا

وہ ایسی کتاب کہلائے گی جو مبین نہیں ہوگی۔ جو پوشیدہ ہوگی اسے ہر کسی میں پڑھنے، دیکھنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہوگی۔ اور دوسری بات یہ کہ جو کچھ اس میں محفوظ کیا ہوا ہے یعنی اگر کوئی ویڈیو بنائی ہوئی ہے تو جس شئے کی ویڈیو بنائی گئی وہ تو کھلم کھلی موجود تھی اور اپنی جگہ پر موجود ہے۔ وہ بھی کتاب کہلائے گی لیکن وہ کتاب مبین ہوگی یعنی کھلی ہوئی کتاب۔

بلکل اسی طرح ایک کتاب مبین ہے اور دوسری کتاب جسے اللہ سبحان وتعالیٰ نے حم کہا۔ فرق یہ ہے کہ حم پہلے ہے یعنی وہ ایک تھیوری ہے اور کتاب مبین اس تھیوری کا پریکٹیکل ہے یعنی عملی مظہر ہے جو ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ حم جو کہ اصل کتاب ہے اس کو جب کھولا گیا تو اس کا کھولنا ہی مبین کہلائے گا۔ کتاب ایک ہی ہے لیکن اس کی صورتیں دو ہیں۔ دو صورتوں میں موجود ہے۔ ایک نقشے یعنی تھیوری کی شکل میں اور دوسری پریکٹیکل یعنی عملی طور پر بلکل واضع موجود ہے۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے اس سب کو کتاب مبین کہا ہے۔ یعنی تمام کے تمام عالمین اللہ سبحان وتعالیٰ کی کتاب مبین ہیں۔ اور جس تھیوری کو پریکٹیکل یعنی عمل میں لایا گیا جس سے یہ کتاب مبین سامنے آئی وہ تھیوری حم ہے۔

وہ نقشہ ہے، ایک بلیو پرنٹ ہے جس کے مطابق یہ پریکٹیکل ہو رہا ہے۔

اب ایک بات جو ذہن میں ہونا لازمی ہے وہ یہ ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے کسی بھی شکل میں کوئی اس کائنات کی تھیوری کی کوئی کتاب مرتب کی ہوئی ہے بلکہ ایسے الفاظ کا استعمال اس لیے کیا گیا تا کہ کسی بھی انسان کو بات سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے ورنہ اگر اللہ سبحان وتعالیٰ ایسے الفاظ استعمال کرتے جو بلکل اصل کی وضاحت کرتے تو مخلوق میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو ان کو سمجھ سکتا۔ اس لیے اللہ سبحان وتعالیٰ کا ہر کام مخلوق کی استطاعت کے مطابق ہوتا ہے۔ یعنی ہر کسی پر اتنا ہی بوجھ لادا جاتا ہے جس کا وہ مکلّف ہے نہ کہ اس سے زائد۔

حقیقت یہ ہے کہ مثال کے طور پر آپ کوئی کام کرنا چاہتے ہیں جس کے لیے پہلے آپ اپنے دماغ میں ایک فارمولا بنا لیتے ہیں کہ آپ اسی کے مطابق کام کریں گے۔ بلکل اسی طرح اللہ سبحان وتعالیٰ نے خلق سے پہلے علم وحکمہ کی بنیاد پر ایک قانون ایک نقشہ وضع کیا۔ جسے ہم تھیوری کہہ سکتے ہیں اس تھیوری کو مجموعی طور پر قرآن میں ''الف لام میم، الم'' کہا گیا۔ پھر اس تھیوری کے مختلف حصے ہیں جیسے کسی کارخانے میں مختلف شعبے ہوتے ہیں اسی طرح ''الم'' جو کہ اللہ کی تمام کی تمام خلق کی مکمل تھیوری ہے اس کو مختلف بنیادی شعبوں یا حصوں میں تقسیم کریں تو جتنے حصے بنیں گے ان کا الگ الگ نام رکھا جائے گا۔ یعنی ان کی پہچان کے لیے الگ الگ نام سے پکارا جائے گا بلکل اسی طرح اس تھیوری کے مختلف حصے ہیں جن میں سے ایک ''حم''

ہے
الحمدللہ میں نے کوشش کی کہ بات کو آسان سے آسان الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کی جائے تا کہ سب کی سمجھ میں با آسانی آ جائے۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے پہلی آیت میں ایک نقشے یعنی ایک تھیوری کا ذکر کیا اور دوسری آیت میں اس تھیوری کے پریکٹیکل یعنی عمل کا ذکر کیا۔ جو کہ اللہ کی کائنات ہے کتاب مبین۔

اب آگے آنے والی آیات میں یہ واضع کیا جائے گا کہ تھیوری جسے ہم کتاب ہی کہیں گے کو کیسے وضع کیا گیا اس میں کیا قانون رکھا ہے اس میں قانون کی کیا کیا شقیں ہیں وغیرہ وغیرہ۔ جس پر عمل سے کائنات یعنی کتاب مبین قائم ہے۔ آگے دونوں کی صراحت کیساتھ وضاحت آئے گی۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِيۡنَ. الدخان ۳

اس میں کچھ شک نہیں ہم نے اتارا اسے برکات والی رات میں اس میں کچھ شک نہیں ہم تھے منذرین۔

لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ. دونوں الفاظ کے نیچے دو دو زیریں ہیں۔ کسی بھی لفظ کے نیچے دو زیروں کے آ جانے سے پھیلاؤ، وسعت آ جاتی ہے اور اس کے برعکس دو زبروں کے آنے سے سکڑ پن آ جاتا ہے۔

لَيۡلَةٍ. یہ ایک ہی رات ہے لیکن اس سے مراد ہماری رات نہیں بلکہ پوری کائنات یعنی ساتوں آسمانوں اور زمینوں پر جو رات ہوگی وہ رات۔ جب اس رات میں داخل ہوں گے تو وہ آگے مزید چھوٹی چھوٹی راتوں میں تقسیم ہو کر کئی راتوں پر مشتمل ہو جائے گی۔ پھر ان میں سے ہر رات میں داخل ہوا جائے گا تو وہ ہر رات تقسیم ہو کر کئی راتوں میں تقسیم ہو جائے گی یہی سلسلہ چلتا رہے گا یہاں تک کہ کائنات کے چھوٹے سے چھوٹے ذرے پر جو رات کہلاتی ہے وہاں نہ پہنچ جائیں۔

مزید آسان مثال سے سمجھ لیتے ہیں۔ جیسے کے آپ کا ایک کارخانہ ہو اور آپ کے پاس ایک کام کی تھیوری ہو وہ تھیوری آپ

اس کو دیں جسے آپ نے کارخانہ چلانے کے لیے دیا ہوا ہے کہ وہ اس پر عمل کرے یعنی اس نقشے کے مطابق وہ شئے بنائے۔

آپ نے تو ایک ہی بار پورے کام کا نقشہ تھما دیا۔ اب آپ ایسا کریں گے کہ اس نقشے کو مختلف حصوں میں تقسیم کریں گے۔ اور

ہر شعبے کے سربراہ کو اس کا حصہ تھمادیں گے۔ اب ہر شعبے کا سربراہ اپنے اپنے حصے کو لیکر متعلقہ کام کرنے والوں کو لمحہ بہ لمحہ ہدایات دیتا رہے جب تک کہ کام مکمل نہ ہو جائے۔ بلکہ اسی طرح سب سے پیچھے اللہ سبحان وتعالیٰ کا ایک ہی امر ہے۔ جو کہ بہت مفصل امر ہے جسے اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن کے شروع میں سورت البقرۃ کی پہلی ہی آیت میں ''الم'' کہا۔ کائنات کی مکمل تھیوری اللہ سبحان وتعالیٰ نے ان قوتوں کو تھمادی جو کائنات کو چلا رہی ہیں یعنی ملائکہ۔ اس مقام پر وہ لیل کہلائے گی لیکن جب اس سے آگے یعنی کائنات میں مزید اندر داخل ہو جائے گا تو وہ تھیوری مزید تقسیم ہو کر مزید نیچے والے ماتحت قوتوں کے پاس جائے گی۔ وہاں ان سب کو جب امر کیا گیا تو وہاں جو پیچھے ایک ہی لیل ہے وہ ایک سے زائد میں تقسیم ہوگئی۔ اسی طرح بتدریج نیچے اندر آتے چلے جائیں تو لیل مزید تقسیم ہوتے ہوتے بہت چھوٹی سطح پر جو ہمارے نزدیک لیل ہے وہ اس اس سے بھی نچلی سطرح پر جو لیل ہے اس سطح پر آجائے گی۔

جیسے ایک مشین کی مختلف گراریاں ہوتی ہیں۔ جو ایک دوسرے سے جڑی ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک بڑی ہو، دوسری اس سے چھوڑی، تیسری اس سے چھوٹی اسی طرح بتدریج سو تک چلے جائیں۔ اگر سب سے سے اوپر بڑی گراری کا ایک چکر مکمل کیا جائے گا تو ضروری نہیں ہے کہ باقی تمام گراریوں پر بھی ایک ایک چکر ہی آئے گا یا آیا ہو۔ بلکہ ہر ایک پر چکروں کی تعداد مختلف ہوگی۔ ہر بڑی گراری کے مقابلے میں چھوٹی گراری پر زیادہ چکر آئیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ ان میں سے ایک بڑی گراری کا ایک چکر اس سے چھوٹی کے لیے سو چکر بن جائیں۔ بلکل اسی طرح قرآن میں اصل حقیقت کے اعتبار سے اس لیل کا ذکر ہے لیکن کائنات میں جس سطح پر ہم موجود ہے ہم پر وہ لیل کس لحاظ سے ہوگی وہ الگ بات ہے یعنی ہمارے لیے وہ ایک لیل ہماری ہر وہ لیل ہوگی جو ہماری زندگی میں آتی ہے اور آئے گی اور جو پیچھے گزر چکیں۔

جیسے ہم نے لیل کو سمجھا بلکل وہی مثال اس لفظ ''مُّبٰرَكَةٍ'' کی بھی ہے۔

مُنذِرِينَ. نذر سے ہیں انگلش میں وارن کرنے کو کہتے ہیں۔مثال کے طور پر جیسے کسی خطرناک شئے کی خطرنا کی سے بچانے کے لیے کسی کو پہلے ہی آگاہ کردیا جائے۔تاکہ اگر اسے خطرے سے آگاہ نہ کیا جاتا تو ممکنہ طور پر وہ ایسا فعل انجام دیتا جس سے وہ اس خطرے کا شکار ہو جاتا اور تباہی و ہلاکت یعنی تکلیف میں پڑ جاتا۔اسے عربی میں نذر کہتے ہیں۔جیسے انبیاء کے لیے لفظ نذیر استعمال کیا گیا۔

۴ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ

اس میں الگ الگ ہو جاتے ہیں تمام کے تمام امر حکیم۔

پیچھے لفظ لیلۃ کی تفصیل میں یہ بات بھی سمجھنے کے لیے گزر چکی کہ کیسے اس میں تمام امر تقسیم ہوتے ہیں۔اس کے باوجود مختصراً پھر سے سمجھ لیتے ہیں۔ درج ذیل تصویر کے ذریعے۔

یہاں ایسی وضاحت کرنے والی تصویر بھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

پوری کائنات کے لیے ایک امر۔

کائنات میں سات آسمان ہیں۔وہ ایک امر سات میں تقسیم ہو کر الگ الگ ساتوں آسمانوں کی طرف چلا گیا۔

پھر ہر آسمان میں لاتعداد کہکشا ئیں۔ایک آسمان میں جتنی بھی کہکشا ئیں ہیں وہ امر تقسیم ہو کر الگ الگ ہر کہکشاں کی طرف چلا جائے گا۔

پھر ہر کہکشاں میں جتنے بھی نظام شمسی ہیں۔وہ امر تقسیم ہو کر الگ الگ ہر نظام شمسی کی طرف چلا جائے گا۔

پھر ہر نظام شمسی کا امر تقسیم ہو کر الگ الگ اس میں موجود ہر ستارے اور سیارے کی طرف چلا جائے گا۔

پھر ہر ستارے اور سیارے میں جتنی بھی مخلوقات ہیں وہ امر تقسیم ہو کر الگ الگ ہر مخلوق کی طرف چلا جائے گا۔

پھر اسی طرح یہ عمل جاری رہے گا یہاں تک کہ چھوٹے سے چھوٹے ذرے تک پہنچ جائے۔

لیل اور نہار بھی اللہ کی خلق ہے لیکن لیل پہلے اور نہار بعد میں اس لیے پہلے امر لیل کی طرف جاتا ہے اور اس میں سے نہار کی طرف۔ اس لیے اللہ سبحان وتعالیٰ نے لیل کا ذکر کیا۔ لیل نقطہ آغاز ہوتا ہے۔

یہ آیات اپنے اندر بہت وسعت رکھے ہوئے ہیں اس لیے کوشش یہ ہے کہ مختصر سے مختصر کرتے ہوئے بات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

ہماری دنیا یعنی زمین پر جو امر آتا ہے وہ دن اور رات سے باہر نکالا جائے تو لیل ایک سال کی مدت کہلائے گی۔ اس لیل کے اندر داخل ہوں گے تو وہ لیل تین سو پینسٹھ لیال میں تقسیم ہو جائے گی۔ اور یہ جو لیل تین سو پینسٹھ میں تقسیم ہوئی اگر اس سے پیچھے جو لیل ہے اس کو جانا جائے تو وہ مزید اس سے بھی بڑی ہوگی یعنی اس میں ہمارے سال کی مدت کی لاتعداد لیال ہوں گی۔ اس لیے ہمیں زیادہ پیچھے جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہمارا مقصد موضوع کا پھیلاؤ نہیں بلکہ سمجھنا مقصود ہے۔ اس لیے ہم اپنے سامنے یہ رکھیں گے کہ زمین پر ایک سال کا امر آتا ہے اور وہ امر تین سو پینسٹھ امور میں تقسیم ہو کر زمین پر ہر لیل کی طرف الگ الگ جاتا ہے۔ یعنی ہر رات میں ایک پہر ایسا ہوتا ہے جس میں آئندہ چوبیس گھنٹے میں کیا کیا کیسے کیسے ہونا ہے وہ حکم آتا ہے۔ اسی کو رسول اللہ ﷺ نے یوں بیان کیا انتہائی سادہ اور آسان الفاظ میں کہ اللہ ہر رات کے پچھلے پہر آسمان دنیا پر نزول کرتا ہے۔ اللہ کا آسمان دنیا پر وہ نزول یہ امر والی بات تھی جو رسول اللہ ﷺ نے بہت ہی سادہ اور آسان ترین الفاظ میں بیان کر دی۔

حکیم۔ حکمہ سے ہے جس کو ایک مثال سے سمجھ لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ کو چاولوں کا پلاؤ بنانا ہے۔ اس کے لیے کیا کیا کتنی کتنی مقدار میں درکار ہوگا اور کہاں کہاں سے ملے گا یہ سب علم کہلائے گا۔ اور اس علم کا احسن استعمال حکمت کہلاتا ہے یعنی کہ کب آگ جلانی ہے کتنی جلانی، کب برتن رکھنا ہے، کب گھی ڈالنا ہے، اسی طرح کب کب کون کون سی شیئے ڈالنی اور کتنا کتنا پکانی ہے جس سے زبردست پلاؤ بن جائے گا یہ حکمت کہلاتی ہے۔ اگر علم ہو اور حکمت نہ ہو تو ایسا علم فائدے کے بجائے نہ صرف نقصان بلکہ پھانسی کا پھندہ بن جاتا ہے۔ نہ صرف انسان خود گمراہ ہوتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔

پھر اللہ سبحان وتعالیٰ نے امور کیساتھ لفظ حکیم کا بھی ذکر کیا۔ یعنی کہ یہ امر حکمت سے بھرپور ہوتے ہیں۔ غیر تصور حد تک بھی ان میں کوئی خامی یا نقص نہیں ہوتا۔ ایسا نہیں کہ بس امر کر دیا بلکہ پوری حکمت کیساتھ۔ اللہ سبحان وتعالیٰ خالق ہیں تمام عالمین کے اس لیے انہیں علم ہے تمام عالمین کا، کائنات کی تمام کی تمام پیچیدگیوں کا جس کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا، انسان کیا اللہ کے

علاوہ کوئی بھی ایسا نہیں کوئی بھی جو تصور کر سکے۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے جب امر کے تقسیم ہونے کی وضاحت کی تو ساتھ اگلی آیت میں اس کچھ مزید وضاحت بھی کر دی۔ کیونکہ اس سے کوئی یہ مراد بھی لے سکتا ہے کہ جی اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ نے ایک ہی امر کیا جو کائنات کی ابتداء میں تھا اور آج جو امر ہم تک تقسیم در تقسیم ہوتے ہوئے پہنچ رہا ہے وہ براہ راست تو ہم تک نہیں پہنچ رہا بلکہ درمیان میں کوئی ذریعہ ہے اور وہ ملائکہ ہیں۔ اور اگر کوئی ملائکہ پر قدرت پا لے انہیں اپنے لیے مسخر کر لے تو امر بھی اس کے اختیار میں آ جائے گا اور وہ جیسے جی چاہے رد بدل کر سکتا ہے۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے کیوں کہ انسان وقت کی قید میں ہے اس لیے اسے ماضی اور مستقبل کے نام پر وقت کو بہت گہرا احساس ہوتا ہے تو وہ اسی قید کے اندر رہ کر اپنی سوچیں پروان چڑھاتا ہے۔ اور اسی کے مطابق عمل کرتا ہے۔ حالانکہ اگر انسان اللہ سبحان وتعالیٰ کیساتھ اپنا تعلق قائم کرے تو وہ جسمانی طور پر تو دنیا میں موجود ہوگا وقت کی قید میں ہوگا لیکن روحانی طور پر وقت کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے یعنی اس کی حقیقت وقت کی قید سے آزاد ہوتی ہے اس کے لیے ماضی و مستقبل کا کوئی وجود نہیں رہتا۔ ایسے انسان کی بصیرت خالص اللہ سبحان وتعالیٰ کی طرف سے اور انتہائی غیر معمولی ہوتی ہے۔

پھر دوسری بات یہ کہ جب امر اس طرح تقسیم ہو رہے ہیں تو پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کائنات میں کوئی خرابی ظاہر ہو جائے۔ مثلاً ایسا کہ کائنات میں ہر مخلوق کا کسی نہ کسی دوسری مخلوق کیساتھ گہرا تعلق ہے۔ اگر کائنات میں کوئی ایک مخلوق اپنی ذمہ داری میں لاپرواہی کرتی ہے خالق کے امر کے مطابق عمل نہیں کرتی تو بلاشبہ اس سے خامی پیدا ہوگی اور پھر اس خامی کا اثر جس مخلوق پر ظاہر ہو اس کے لیے وہ مخلوق جس نے لاپرواہی کی مستقبل کا وجود رکھتی ہو۔ یعنی کہ جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ سورج اور زمین کی مخلوقات کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ سورج اگر کوئی لاپرواہی کرے گا تو اس سے متعلقہ مخلوقات جن کا اس سے نقصان ہو سکتا ہے ان کو آگاہ کیا جائے گا کہ اس نقصان سے بچنے کے لیے اسی کے مطابق عمل کریں۔ اور ہم آج جانتے ہیں کہ سورج اور زمین کے درمیان فاصلے کی وجہ سے ہم سورج کا ماضی دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ یعنی اس لمحے اگر سورج کوئی کام کرے تم ہم تک اس کی آگاہی اگلے آٹھ منٹ اور چند سیکنڈ کے بعد پہنچے گی۔

جب ہم تک آگاہی ہی اس وقت پہنچے گی تو ہم اپنا بچاؤ کیسے کر پائیں گے۔ یہ تو سورج کی بات ہے ہم جو رات کو ستارے دیکھتے ہیں ہم ان کا کھرب ہا سال پیچھے ماضی دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی انسان ہی ایسا عمل کرے جو اچانک ہو تو اس سے کیسے بچاؤ ہو سکے گا جب کہ عمل آج کیا گیا لیکن کائنات کو چلانے کا قانون ماضی کی بات ہے۔ جب انسان غور کرے تو ایسے لاتعداد سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ کہ جب امر تقسیم در تقسیم ہو کر کائنات میں ملائکہ کے ذریعے مخلوقات تک پہنچتا

ہے تو ممکن ہے کوئی نہ کوئی خرابی ہو جائے۔ یہ عام انسانوں کے لیے نہ صرف بہت پیچیدہ ترین سوالات ہیں بلکہ اگر کوئی انسان مومن نہیں ہے اور وہ علم میں کافی مہارت حاصل کر لے تو وہ انہیں سوالات کو لیکر یہ سمجھ بیٹھے گا کہ وہ کائنات میں ان قوتوں جو کہ نظام چلا رہی ہیں پر قابض ہو کر براہ راست کائنات پر قابض ہوا جا سکتا ہے۔

اُس کے لیے یہ ہو گا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر کوئی خالق ہے تو وہ کائنات میں موجود یہی قوتیں ہیں جنہیں قرآن میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے ملائکہ کہا ہے۔ اور اگر کوئی ان کے علاوہ بھی کوئی اور قوت ہو تو ان پر قابض ہونے کے بعد اس تک بھی پہنچا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ آج موجودہ سائنسدان یاجوج اور ماجوج کر رہے ہیں۔

ان تمام سوالات کے جوابات اللہ سبحان وتعالیٰ نے اگلی آیات میں دے دیئے۔

اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ اِنَّا کُنَّا مُرۡسِلِیۡنَ

رَحۡمَۃً مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ اِنَّہٗ ہُوَا السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ.

امر ہمارے پاس سے ہے اس میں کچھ شک نہیں ہم ہی بھیجے والے ہیں۔ رحمت تمہارے ربّ سے، اس میں کچھ شک نہیں وہ السمیع العلیم ہے۔

یعنی کہ ایسا ہرگز نہیں کہ کائنات میں ان قوتوں جنہیں کائنات کا نظام چلانے پر معمور کیا ہے کو صرف اتنا ہی امر کر دیا کہ کائنات کو چلاؤ بلکہ کائنات کو چلانے کے لیے مجموعی امر جس میں وہ تمام امور جو تقسیم در تقسیم ہو کر ایک ایک خلق تک جاتے ہیں وہ ہمارے ہاں سے ہی ہیں۔ یہ درمیان میں تو صرف ایک ذریعہ ہیں۔

اگر کوئی اللہ کے امر کے خلاف عمل کرے گا تو پھر ایسا نہیں کہ وہ آزاد ہے اور اس سے باقی مخلوقات کو نقصان پہنچے گا بلکہ اللہ کا امر رحمت ہے تیرے رب سے۔ رب کے معنی کو سامنے رکھ کر ہی آیت کو سمجھا جا سکتا ہے۔ رحمت کہتے ہیں حفاظت کو۔ اللہ سبحان وتعالیٰ تمام عالمین کا ربّ کا۔ جب رب وہ ہے تو صرف اور صرف اسے ہی علم ہے کہ اس نے کیسے خلق کیا۔ اسے ہی علم ہے کہ کون کیا کرے گا تو اس کا ردعمل کیا نکلے گا۔ یعنی اگر کائنات میں کوئی بھی عمل اللہ کی مرضی کے خلاف ہوتا ہے تو اس کا رد عمل کیا ہو گا یہ بھی اللہ کے علم میں ہے۔ اس لیے کہ اس نے ہی وہ تھیوری وضع کی جس کا عملی مظہر یہ کتاب مبین یعنی کائنات ہے۔ اور پھر اگر کوئی اللہ کے امر کے خلاف کام کرے گا تو ایسی نوبت کس وجہ سے آئے گی۔ ہر عمل کا کوئی نہ کوئی ردعمل اللہ سبحان وتعالیٰ نے رکھ دیا۔ عمل کیسے ہو گا اس کا علم بھی اللہ کو اور اس کا ردعمل کب کہاں کیسے اور کتنا ظاہر ہو گا یہ علم بھی اللہ کو تو جب ہر شئے کا پہلے سے ہی علم ہے تو پھر پہلے سے ہی ردعمل سے نپٹنے کا قانون بنانا کون سا ناممکن ہے یا مشکل ہے۔ ان اللہ علی کل

شئی قدیر۔

ان آیات کے اصل مخاطب عام سادہ لوح انسان نہیں ہیں جو پہلے ہی فطرت پر زندگی گزار رہے ہوں بلکہ یہ آیات ان کے لیے ہیں جو اللہ کی آیات کا کفر کرنا چاہتے ہیں جو اللہ کے ساتھ شریک بننا چاہتے ہیں کہ کائنات میں جو انہیں ذمہ داری دی گئی اس سے تجاوز کریں۔ اللہ کے کاموں میں شریک بنیں جیسا کہ آج ہو رہا ہے۔ یہ آیات ان مفسدوں کے لیے ہیں تاکہ وہ کسی غلط فہمی میں نہ رہیں۔ لیکن اس کے باوجود چونکہ قرآن ہر دور میں راہنمائی کرتا ہے تو اس حوالے سے ہر دور کے مفسدوں سے یہ خطاب ہے۔ کہ ایسا ہرگز نہیں کہ تم قدرت کے قوانین جان کر فطرت کو اپنے لیے مسخر کر کے اللہ کی کائنات میں فساد کرتے رہو مخلوقات کے لیے تباہی کا سبب بنتے رہو اور کوئی ایسی دوسری طاقت نہیں ہے جو ان مخلوقات کی تم سے حفاظت نہ کر سکے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ تم تو سمجھتے ہو کہ اگر فطرت کو تحقیقات و تجربات سے مسخر کر لیا جائے تو وہی کام تم خود کرنے کے قابل ہو جاؤ گے اور کائنات کا کنٹرول اپنے ہاتھوں لے لو گے کہ بس یہ فطرت ہی ہے جو سب کچھ ہے، فطرت ہی خالق ہے تو یہ صرف اور صرف تمہارا جہل اور کم عقلی ہوگی۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ

ربّ ہے یعنی ایک ایسی ذات ہے جب آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا وجود نہیں تھا تو ان سب کو وجود دینے والا، تمام کی تمام مخلوقات کی ضروریات خلق کرنے والا، ایک پیچیدہ ترین نظام کے ذریعے ان کی ضروریات خلق کرنے کے بعد ان تک پہنچانے والا۔ سب کو ان کے مقام پر رکھنے والا، ان کی لائن وضع کرنے والا یعنی ہر ایک پر یہ واضع کرنے والا کہ اسے کس مقصد کے لیے خلق کیا ہے اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے راہنمائی کرنے والا، اطاعت کا بدلہ حسن اور نافرمانی و بغاوت کا بدلہ دینے والا۔ یعنی مختصراً یہ کہ تم ہرگز یہ مت سمجھ بیٹھو کہ فطرت ہی وہ قوت ہے جو اس کائنات کی حقیقت ہے اگر تم فطرت کو مسخر کر لو گے جیسا کہ آج کسی حد تک کر چکے ہو تو تمہیں کوئی زوال نہیں آئے گا۔ تم کائنات کے مالک بن بیٹھو گے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ اس سب کے پیچھے ایک ذات ہے۔ اگر تم اس دھوکے کا شکار ہو کر کائنات میں اس کے ساتھ شریک بنو گے تو انجام بہت برا نکلے گا۔ کائنات میں تباہی آ جائے گی اس لیے کہ تمہیں باقی کائنات کا کچھ علم نہیں کہ وہ کیسے چل رہی ہے۔ کتنی پیچیدہ ہے۔ تم یہ گمان کرتے ہو کہ یہ کائنات ایک خودکار نظام کے ذریعے چل رہی ہے۔ وہ خودکار نظام فطرت ہے۔ اگر اس میں کوئی تبدیلی کی جائے گی تو پورے خودکار نظام میں اس کے مطابق تبدیلی ہو کر کائنات میں کوئی خرابی نہیں ہوگی۔

یعنی جیسے اگر گاڑی کی رفتار بڑھائیں تو گاڑی کے تمام پرزے خودکار طریقے سے اسی طرح متحرک ہو جاتے ہیں۔ کہ آپ کسی ایک جگہ پر کوئی تبدیلی کریں تو باقی پوری گاڑی میں اس کے مطابق تبدیلی کرنے کی ضرورت نہ پڑے بلکہ خود بخود ہی سب کچھ اسی کے مطابق تبدیل ہو جائے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

یہ سب کسی خودکار نظام کے تحت نہیں چل رہا جو کہ تم نے سمجھ لیا ہے کہ یہ فطرت ہی ہے جو ایک خودکار نظام ہے اگر اس میں کوئی چھیڑ چھاڑ کی جائے تو کوئی خرابی نہیں ہوگی بلکہ خود بخود باقی سب اسی کے مطابق اپنی اپنی جگہ پر چلا جائے گا۔ ایسا نہیں بلکہ اس کو چلایا جا رہا ہے۔

اگر تمہیں مخلوقات میں چھیڑ پھاڑ کر کے ایسا گمان ہوتا ہے تو یہ تمہاری نہ صرف کم عقلی ہے بلکہ تم بہت بڑے جاہل بے وقوف ہو۔ اگر تم ہو یقین کرنے والے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ

نہیں ہے کوئی بھی ایسی ذات جس کی بات مانی جائے جس کی غلامی کی جائے مگر وہی ہے۔ چھوٹے چھوٹے ذرات کو اکٹھا کر کے ایک ظاہری شئے بناتا ہے اور ظاہر شئے کو چھوٹے چھوٹے ذرات میں تبدیل کرتا ہے۔ تمہارا ربّ اور تمہارے آباء جو تم سے پہلے تھے ان کا ربّ۔

تمہارا ربّ بھی وہی ذات ہے اور تمہارے آباء جو تم سے پہلے تھے ان کا ربّ بھی یعنی جو تم سے پہلے تھے انہوں نے کیا کیا اور ان کا انجام کیا ہوا تمہارے سامنے ہے اگر تم بھی وہی کچھ کرو گے جیسے انہوں نے فساد کیا اس ذات کی غلامی کرنے کی بجائے اوروں کی غلامی کی کائنات میں فساد کیا تو پھر تمہارا انجام بھی وہی ہوگا۔

اگر ہم اللہ کی غلامی کریں گے تو ہمارے آباء انبیاء، شہداء، صلحاوصدیقین ہوں گے اور اگر ہم نے اللہ کی غلامی کے بجائے اللہ کے ساتھ شرک کیا اور کی بات مانی تو پھر ہمارے آباء، فرعون، نمرود، ہامان، قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود وغیرہ اور انہی کی طرح ہمارا بھی انجام ہوگا۔

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ

بلکہ یہ شک میں پڑے لعب کر رہے ہیں۔

پیچھے اللہ سبحان وتعالیٰ نے کائنات کے بہت سے عاجز کر دینے والے حقائق کو بیان کیا اس کے باوجود قرآن میں اللہ سبحان

وتعالیٰ انسان کے بارے میں یہ انکشاف کر رہے ہیں ۔کہ سب کچھ واضع ہو جانے کے باوجود بھی وہ وہی سب کر رہے ہیں جس سے منع کیا گیا ہر لحاظ سے کھول کھول کر حق واضع کر کے ان کو بتا دیا کہ اگر کائنات میں اللہ کے علاوہ کسی اور کی بات مانی تو ایسے عمل کا ردعمل کائنات میں خرابیوں کا باعث بنے گا۔ یہ تو اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی ایک بھی بات ماننے کا نتیجہ ہے اور اگر کوئی انسان پورے کا پورا اللہ کا باغی اور شیطان کا غلام بن جائے تو کائنات کا انجام کیا ہو گا اس کا اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں بلکہ آج یہ سب ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

یلعبون . لعب سے ہے جس کے معنی بہت وسیع ہیں لیکن موضوع کے اعتبار کے ہم یہاں ان میں سے چند معنی بیان کریں گے۔

کسی شئے کا غلط استعمال کرنا۔

کسی ایسے کام میں وقت ضائع کر دینا جس سے کچھ حاصل نہ ہو۔

ایسے رستے پر چلنا جس کی منزل کا واضع علم نہ ہو کہ جدھر رستہ نظر آیا ادھر ہی رخ کر لیا۔

بے مقصد کام کے پیچھے پڑنا۔

حساس اور نازک اشیاء و معاملات میں چھیڑ چھاڑ کرنا۔

فطرت میں چھیڑ چھاڑ کر کے اسے ردعمل پر مجبور کرنا۔

غیر سنجیدہ ہونا۔

کھیل کود۔

فضول کاموں میں وقت کا ضیاء۔

کسی شئے میں غیر سنجیدگی سے چھیڑ چھاڑ کرنا جس سے وہ خراب ہو جائے وغیرہ۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ

پس انتظار کرو اس یوم کا آ جائے آسمان کھلم کھلے ہر طرف سے دھویں کے ساتھ۔

یوم کہتے ہیں پیریڈ کو، ایک مدت کو

السَّمَآء . اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہر شئے کا جوڑا بنایا۔ اسی طرح آسمان کا بھی جوڑا ارض بنائی۔ ارض کہتے ہیں مادی اجسام

کواور السماء کہتے ہیں خلا کو جسے انگلش میں سپیس کہا جاتا ہے۔

یہاں یہ ذہن میں رہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے صیغہ واحد استعمال کیا ہے نہ کہ جمع اس لیے یہاں ایک آسمان مراد ہے۔

دخان. مختلف ایسے عناصر جو کسی بھی شئے کے استعمال سے فضلے کی صورت میں خارج ہوتے ہیں وکاربن ذرات وغیرہ ملی گیسوں کو دخان کہتے ہیں جسے دھواں بھی کہتے ہیں۔ دھند بھی کہتے ہیں۔

مبین. جو شئے ہر طرف موجود ہے جدھر بھی نگاہ دوڑائی جائے ادھر ہی اس کی موجودگی پائی جائے

دخان ہی ہمارا موضوع تھا جس کے لیے ہم نے اس سورت پر اس سے پچھلی آیات پر تفصیل سے بات کی تاکہ ہمارے لیے حق کو سمجھنا بلکل آسان ہوجائے۔ تاکہ ہم اس بہت ہی اہم موضوع کو دیو مالائی کہانی نہ بنادیں جس سے ہم نہ صرف قرآن کی اس پوری سورت کو ہی نہ سمجھ پائیں بلکہ ہمیں وقت کی نزاکت کا اندازہ ہی نہ ہو کہ ہم کس نازک ترین وقت میں موجود ہیں اور دنیا و آخرت میں خسارے والوں میں سے ہوجائیں۔

یہ دخان کیوں آئے گا اللہ سبحان وتعالیٰ نے اس کا سارا پس منظر پیچھے واضع کردیا کسی قسم کا کوئی ابہام پیچھے نہیں رہتا نہ ہی کوئی مشکل پیش آتی ہے اس معاملے کو سمجھنے میں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے بلکل کھلم کھلا صراحت کیساتھ حکم دے دیا کہ کائنات میں تم نے صرف اور صرف اللہ کی غلامی کرنی ہے۔ تمہیں جو ذمہ داری دی گئی اس ذمہ داری سے تم نے رائی برابر بھی تجاوز نہیں کرنا۔ اللہ کے کاموں میں شریک نہیں بننا، کائنات میں چھیڑ چھاڑ نہیں کرنی۔ اور اگر تم ایسا کروگے تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اور پھر تم اگر کروگے تو کیا کروگے؟

صرف اور صرف یہی مقصد تمہارا ہوگا کہ دنیا کو جنت بنالیں۔ اپنے لیے آسائشیں خلق کروگے۔ جس کے لیے تم کائنات میں چھیڑ چھار کروگے۔ اللہ کی آیات کی تکذیب کروگے۔ تمہارا رب اللہ ہے لیکن تم اللہ کو ربّ تسلیم نہیں کروگے۔ اللہ نے تمہارے لیے تمہاری ضروریات خلق کیں اگر تم اللہ کی خلق کردہ ضروریات پر اکتفاء کروگے تو تمہارا رب اللہ ہوگا لیکن تم اللہ کو اپنا ربّ نہیں بناوگے تم اللہ کے مقابلے پر آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے میں مداخلت کرکے اپنے لیے اپنی مرضی کے مطابق ضروریات خلق کروگے جب تم ایسا کروگے تو کیا ہوگا؟ اس کا نتیجہ دخان کی صورت میں نکلے گا۔

آسمان وزمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے یہ مجموعی طور پر اور پر ایک الگ الگ اپنی جگہ پر ایک کارخانہ ہے۔ اس کارخانے یا ان کارخانوں میں جو بھی عمل ہوتا ہے اس سے فضلہ بھی خارج ہوتا ہے یعنی کائنات کا مکینزم ہی اللہ سبحان وتعالیٰ نے ایسا بنا

دیا کہ اس کائنات میں جو کام بھی ہوتا ہے اس کے لیے ایک توانرجی درکار ہوتی ہے اور دوسرا عمل کے دوران اس سے فضلہ خارج ہوتا ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے اس کائنات میں ایسا نظام بنادیا کہ کسی کا فضلہ کسی دوسری مخلوق کی خوراک ہے اور یوں ایک توازن قائم کردیا۔ کچھ کم یا زیادہ نہیں ہوتا سب کچھ ٹھیک رہتا ہے۔ لیکن اگر اللہ کے علاوہ کوئی اور کائنات میں کوئی دخل اندازہ کرے گا اللہ کا شریک بنے گا یعنی خلق کرے گا تو اس کے ان عوامل سے خارج ہونے والا فضلہ جو کہ مختلف گیسوں کی صورت میں خارج ہوتا ہے اسے ٹھکانے لگانے کا اس کے پاس کوئی بندوبست نہیں ہوگا اور یوں وہ گیسیں بڑھتے بڑھتے ہر طرف بھر جائیں گے۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے تمہارے لیے جو ضروریات خلق کیں ان سے خارج ہونے والے فضلے کو ٹھکانے لگانے کے لیے اللہ نے بہت سی ایسی مخلوقات خلق کیں جن کی خوراک ان کا فضلہ ہے یوں کائنات میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں ہوتی کائنات میں میزان قائم رہتا ہے لیکن جب تم اپنی مرضی سے اپنی ضروریات خلق کروگے تو یہ اللہ کے ساتھ شرک اکبر ہوگا۔ پھر تمہارے خلق کے مراحل کے دوران جو فضلہ دھویں کی شکل میں خارج ہوگا وہ کائنات میں کسی کی خوراک نہیں ہوگا۔ جیسے جیسے تم یہ کام کرتے رہو گے آسمان یعنی خلا میں دھواں بھرتا رہے گا۔ بالآخر وہ وقت آئے گا جب خلا اس دھواں سے بھر جائے گی۔ اور پھر اس دھویں سے ہوگا کیا اللہ سبحان وتعالیٰ نے آگے اس کا بھی جواب دے دیا۔ تا کہ جب ایسا وقت آئے تو یہ اپنی عقلوں کے مطابق طرح طرح کی تاویلات کرکے راہ فرار بھی اختیار کریں گے اس لیے ان پر واضع ہوجائے اور ان کے لیے کوئی راہ فرار نہ رہے اور یہ بھی نہ ہو کہ کل کو یہ کہیں کہ اگر ہمیں اس انجام کے بارے میں آگاہ کردیا جاتا کہ ایسا ہوگا تو ہم ایسا نہ کرتے ممکن تھا کہ ہم باز آجاتے۔ اتمام حجت کے لیے اور راہ فرار کو بند کرنے کے لیے اللہ سبحان وتعالیٰ نے اس کی بھی وضاحت کردی۔

يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ

جو انسانوں کو ڈھانپ لے گا، یہ سزائے الیم ہے۔

غشی۔ ہر طرف سے ڈھانپ لینا، ہر طرف سے چھا جانا، ہر طرف سے کسی کے ادرگرد ایسے آموجود ہونا جیسے کوئی شئے پانی کے اندموجود ہوتی ہے تو پانی اس کے ہر طرف موجود ہوتا ہے۔ اور جسم کے ساتھ ٹکرا رہا ہوتا ہے۔

جیسے اللہ سبحان وتعالیٰ نے کہا۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى. الیل ۱

اور رات جب ہر طرف سے چھا جاتی ہے۔

رات کو جس طرح ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا ہے اللہ سبحان وتعالیٰ کہہ رہے ہیں کہ بلکل اسی طرح خلا یعنی فضاء ان نقصان دہ کیمیائی اجزاء کے مرکب دھویں سے بھر جائے گی جو تمہارے اپنے ہی ہاتھ سے کیے ہوئے کرتوتوں کی وجہ سے ہوگا۔ یہ عذاب الیم ہوگا۔

عذاب کہتے ہیں سزا کو۔ اور سزا کسی ایسے عمل کی دی جاتی ہے جو نافرمانی میں کیا ہوا۔ جو مرضی کے خلاف کیا ہوا۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن میں جگہ جگہ بتا دیا کہ جو بھی عذاب آتا ہے وہ انسان ے اپنے ہی کرتوتوں کی وجہ سے آتا ہے۔ اسے کے اپنے ہی کیے کا نتیجہ ہوتا ہے۔

یہاں وہ آیات کہ اللہ ظلم نہیں کرتا انسان خود ہی ظلم کرتے ہیں اور ظہر الفساد سمیت باقی ایسی آیات بھی جن میں انسان کے کسب کا ذکر ہے۔---

ایسا ہرگز نہیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ الگ سے کوئی عذاب خلق کرتے ہیں بلکہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے کائنات کا نظام ہی ایسا بنا دیا کہ اگر کائنات میں کوئی انسان ایسا عمل کرے گا جو اللہ کی مرضی کے مطابق ہو تو اس کا ردعمل انسان کے حق میں ظاہر ہوگا جس سے نہ صرف انسان بلکہ باقی مخلوقات کو بھی فائدہ ہی فائدہ ہوگا۔ یہ اللہ کی طرف سے انسان کے صالح اعمال کا دنیا میں ہی بدلہ ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی انسان مومن ہو تو اس سے اللہ سبحان وتعالیٰ نے نہ صرف دنیا بلکہ آخرت میں بھی احسن بدلے گا وعدہ کیا ہے۔

اور اگر یہی انسان کو ایسا کام کرے جو اللہ کی بغاوت پر مبنی ہو جو اللہ کے واضع کیے ہوئے احکامات کے خلاف تو تو کائنات میں ایسے عمل کا جو ردعمل ظاہر ہوگا وہ انسان کے لیے تکلیف دہ، نقصان دہ، پریشان کن، ہوگا۔ جس نوعیت کا عمل ہوگا اسی کے اعتبار سے جو اللہ کے قانون مین ہے ردعمل بھی ظاہر ہوگا۔ اور ایسے انسان کے لیے اللہ سبحان وتعالیٰ نے آخرت میں بھی دردناک سزا کا وعدہ کر رکھا ہے۔

کوئی بھی انسان اگر کوئی ایسا عمل یا فعل کرے جو انفرادی نوعیت کا ہو تو اس کے اثرات محدود نوعیت کے ہوتے ہیں۔ اور اگر ایک سے زیادہ انسان معاشرتی سطح پر کوئی عمل انجام دیں تو اس کے نقصانات بھی اسی سطح پر ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر دنیا کے کسی ایک کونے میں دھویں پیدا کیا جائے گا تو اس کا ایک فوری ردعمل ہوگا اور دوسرا ردعمل بعید۔ فوری ردعمل اس مقام تک

محدود ہوگا جس مقام پر دھواں موجود ہوگا اور بعید ردعمل کا ہوسکتا ہے انسان کو دنیا کی زندگی میں سامنا نہ کرنا پڑے۔لیکن اس کے برعکس اگر وہی کام پوری دنیا میں کیا جانے لگے تو فوری ردعمل تو ظاہر ہوگا ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ بعید ردعمل بعید کی بجائے دن بدن قریب ہوتا چلا جائے گا یہاں تک کہ انسان کو اس کا ذائقہ بھی چکھنا پڑے گا۔

بلکل یہی آج انسانوں نے کیا۔جو پیچھے تفصیل گزر چکی۔جن خطرات سے اللہ سبحان وتعالیٰ نے آگاہ کر دیا کہ ایسا نہ کرنا ورنہ تباہ ہو جاؤ گے آج انسان نے وہی سب کیا۔آج انسان نے آسمان کو دھویں سے بھر دیا اور یہی دھواں اس کے لیے دنیا میں عذاب الیم بن گیا۔یعنی اس کے اپنی ہی کرتوت اس کے لیے عذاب بن کر سامنے آگئے۔اس دھویں سے آج ہر سال لاکھوں اموات ہورہی ہیں۔کروڑوں نہیں بلکہ اربوں انسان لاتعداد قسم کی طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہو چکے ہیں۔بچے مفلوج پیدا ہورہے ہیں۔معذور ہورہے ہیں۔ایسی ایسی بیماریاں ہیں کہ جن کا آج سے پہلے انسان تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔

یہاں پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ وہ کون سا آسمان ہے جو دھویں سے بھر جائے گا۔اسے درج ذیل تصویر کی مدد سے سمجھیں۔

یہاں زمین کے گرد سات آسمان والی تصویر اور ان میں آسمان دنیا کو ظاہر کرتی تصویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اسی طرح ان سات آسمانوں میں سے کوئی ایک وہ ہے جس کے پھٹنے کا اللہ سبحان وتعالیٰ نے ذکر کیا جو کتاب میں آگے آئے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یہاں ائیر پولوشن والی تصاویر اور اس کے نقصانات کے حوالے سے میڈیا رپورٹوں کا مختصر جائزہ۔۔

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ

ہمارے ربّ ہٹا دے ہم سے عذاب کو اس میں کچھ شک نہیں ہم ایمان لاتے ہیں اور تیری ہی غلامی کریں گے۔

یہاں ربنا کا لفظ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ پہلے انسان اپنی پوری کوشش کریں گے کہ وہ اس سے نمٹ لیں اس دھویں کا کوئی نہ کوئی حل نکالیں لیکن حتی الامکان کوششوں کے باوجود عاجز آ جائیں گے اور علی الاعلان تو نہیں لیکن اندر ہی اندر سے اس وقت تقریباً تمام انسانوں اور بالخصوص جو اس دھویں کے متاثرین ہوں گے ان کی یہی خواہش ہوگی کہ اگر یہ عذاب ہم سے دور ہو جائے تو ہم دوبارہ ایسی کوئی حرکت نہیں کریں گے کہ جس سے دوبارہ ہم اپنے ہی کیے کا شکار ہو جائیں۔ یہ ان کے ضمیر کی آواز ہوگی لیکن ان کی چاہت یا خواہش یہ نہیں ہوگی اسی لیے اس آیت میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے ایسے الفاظ استعمال کیے جو عام طور پر ہم کسی کے بارے میں گمان کرتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی انسان کسی مصیبت کا شکار ہو تو ہم گمان کرتے ہیں کہ اگر آج اس کی مدد کر کے اسے اس مصیبت سے نکال دیا جائے تو یہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔ اس مصیبت کے وقت اس شخص کے چہرے کے تاثرات یہی بتا رہے ہوتے ہیں اور اس کے ضمیر کی بھی یہی آواز ہوتی ہے لیکن جیسے ہی وہ اس مصیبت سے نجات پاتا ہے وہ سب کچھ بھلا کر نئے سرے سے پہلے سے بڑھ کر وہی حرکت یہ کہتے ہوئے دہراتا ہے کہ پہلے مجھ سے فلاں جگہ غلطی ہوئی جس کی وجہ سے معاملہ خراب ہوا لیکن اب میں وہ غلطی ہونے ہی نہیں دوں گا یعنی ایسی کوئی نوبت ہی نہیں آنے دوں گا اور ہم اپنی زندگی میں بہت بار ایسے مشاہدات کر چکے ہیں کہ دوسری بار انسان پہلے سے بھی بڑی مصیبت کا شکار ہوتا ہے لیکن تب وقت ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے تو بلکل یہی بات اللہ سبحان وتعالیٰ ان کے بارے میں بیان کر رہے ہیں۔

آیت قطعاً یہ نہیں بیان کر رہی کہ یہ ان کے دلوں کی آواز ہوگی بلکہ اس مجبوری کی حالت میں جو ان کے تاثرات ہوں گے وہ بیان کیے جا رہے ہیں کہ جب وہ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود ناکام ہو جائیں اور ان پر واضع ہو جائے کہ اب وہ اس کی وجہ سے مجموعی طور پر کسی بھی وقت مارے جائیں گے تو ایسے وقت میں اگر انہیں اس کی پیشکش کی جائے کہ اگر یہ مصیبت آپ سے دور کر دی جائے تو آئندہ ایسی حرکت تو نہیں کریں گے تو جواب میں با آواز بلند یہی کہیں گے کہ ہمارے باپ دادا کی بھی توبہ لیکن حقیقت ایسی نہیں ہے۔ بہر حال اس کی آگے ضرور وضاحت آ جائے گی۔

اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ

کہاں ہے ان کے لیے یاد دہانی اور تحقیق آ گیا ان کے پاس رسول مبین۔

ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ

پھر پلٹ گئے یعنی پھر گئے واپس اسی روش پر چلے گئے اور رسول کی دعوت کا جواب یوں دیا کہ سیکھایا گیا مجنون ہے۔

یعنی اس کی باتوں میں مت آنا یہ تو کوئی پاگل انسان ہے۔اس کو کسی نے برین واش کر دیا اس لیے یہ اس طرح کی باتیں کرتا رہتا ہے۔

اِنَّا کَاشِفُوا الۡعَذَابِ قَلِیۡلًا اِنَّکُمۡ عَآئِدُوۡنَ

اس میں کچھ شک نہیں ہٹایا ہم نے عذاب تھوڑا اس میں کچھ شک نہیں تم پھر وہی کرنا شروع ہو گئے دوبارہ اسی رواش کو اختیار کر لیا۔

اس آیت میں اللہ سبحان وتعالیٰ ایک عظیم خبر دے رہے ہیں اور وہ خبر یہ ہے کہ جب دخان عذاب الیم کی شکل اختیار کرے گا اور انسان جب اس سے عاجز آ جائیں گے تو بہت تھوڑی مدت تک کے لیے ان سے دخان کو ہٹا دیا جائے گا۔جیسے ہی ہٹا دیا جائے گا اس کے بعد جیسے ہی انہیں موقع ملے گا وہ دوبارہ اسی روش پر قائم ہو جائیں گے۔اور جب ایسا کریں گے تب ان کا انجام کیا ہو گا اس کا بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے آگے ایک عظیم خبر کی صورت میں اعلان کر دیا۔

یَوۡمَ نَبۡطِشُ الۡبَطۡشَۃَ الۡکُبۡرٰی ۚ اِنَّا مُنۡتَقِمُوۡنَ

ہم پکڑیں گے اس یوم بہت بڑی پکڑ اس میں کچھ شک نہیں ہم انتقام لیں گے

یہاں ایک بات جو ضروری ہے وہ بیان کرتے چلیں۔پورے قرآن میں انداز بیان ایسا ہے کہ جیسے ماضی میں کچھ ہوا تو اس کی خبریں دی جا رہی ہیں۔یہاں اس آیت میں الفاظ کے اصل معنی تو یہ بنتے ہیں کہ پکڑا ہم نے اس یوم بہت بڑی پکڑ اس میں کچھ شک نہیں ہم انتقام لینے والے تھے۔یعنی ایسا نہیں ہے کہ یہ کہا جا رہا ہو کہ ہم ایسا کریں گے بلکہ یہ ہے کہ ہم نے ایسا کیا تھا۔قرآن سارے کا انداز بیان یہی ہے۔اور بہر حال حقیقت بھی یہی ہے کہ جنتی جنت میں ہیں اور دوزخی دوزخ میں۔ دونوں طرف سے یہ سوال ہوا کہ اے اللہ ہم نے جب کچھ کیا ہی نہیں تو ہم جہنم میں کیوں اور یہ جنت میں کیوں۔تو یہ دنیا کی زندگی اس سوال کا جواب دیا جا رہا ہے۔کہ ایسا ہرگز نہیں کہ بغیر کچھ کیے تمہارا فیصلہ کر دیا گیا بلکہ تم نے یہ سب کیا تھا جس کی وجہ سے تم جہنم میں اور یہ جنت میں ہے۔انسان کو اس کا ماضی دیکھایا جا رہا ہے۔جو وہ بھول چکا تھا۔

اس پر ہم مزید بات اس لیے نہیں کریں گے کیوں کہ ہمارا یہ موضوع نہیں ہے۔اس پر موضع کے اعتبار سے مفصل بات ہو گی

اس لیے ہم اپنے موضوع کی طرف واپس پلٹتے ہیں۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے اس سورت کی ان آیات میں جو عظیم خبریں رکھیں وہ یہ ہیں کہ انسان کے اپنے ہی کرتوتوں کے نتیجے میں جب فضا دھویں سے بھر جائے گی کہ عذاب الیم بن جائے اور انسان اس سے بچنے کے لیے ہر ممکن کوشش کے باوجود عاجز آ چکا ہوگا۔ اسے اپنے انجام کی خبر مل چکی ہوگی تو اس کی اس وقت خواہش یہ ہوگی کہ اس عذاب کو ہٹا دیا جائے۔ اور اگر ان پر ایمان لانے اور آئندہ فساد نہ کرنے کی شرط پیش کی جائے عذاب دور کرنے کے بدلے تو وہ اس شرط کو تسلیم کرنے کا قول دے دیں گے۔ پھر ان سے عذاب ہٹایا جائے گا۔
یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عذاب کس طرح ہٹایا جائے گا؟
اس کا جواب قرآن بہت ہی صراحت کیساتھ دیتا ہے۔ قرآن ایسی خبروں سے بھرا پڑا ہے ہم یہاں تفصیل کی بجائے مختصراً بات کرتے ہوئے آگے بڑھیں گے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ کا مجموعی طور پر قوموں پر سے اس طرح کے عذاب ہٹانے کا قانون یہ ہے کہ اگر عوام مجموعی طور پر توبہ کر لے ایمان لے آئے یعنی کہ وہ سابقہ تمام اعمال کو ترک کر کے اللہ کی غلام بن جائے فساد کر ترک کر دے تو خود بخود زمین کی اصلاح ہو جائے گی یوں وہ عذاب دور ہو جائے گا۔
دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ عوام ایسا کرنے کا دعویٰ کرتی ہے اور ساتھ میں یہ بھی کہتی ہے کہ ہم مجبور ہیں۔ ہم کمزور ہیں۔ نظام سے کٹ کر، ہٹ کر ہم زندہ نہیں رہ سکیں گے یا جان و مال محفوظ نہیں رہے گا۔ مفسد قوتیں کئی گناہ زیادہ طاقتور ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ کے قانون میں کفر ثابت ہو چکا ہوتا ہے لیکن اللہ سبحان وتعالیٰ غنی ہیں۔ التواب بھی ہیں اس لیے اپنی ان صفات کے ناطے اللہ سبحان وتعالیٰ پھر ایک دوسرے ذریعے سے اس عذاب کو ہٹاتے ہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ کو تو حقیقت کا علم ہے لیکن انسانوں کے لیے اتمام حجت کی غرض سے اللہ سبحان وتعالیٰ پھر ایک جماعت جو کہ مومن ہوتی ہے کے ذریعے عذاب دور کرتے ہیں۔ یعنی مومنوں کی ایک جماعت کو مفسدین مشرکین پر چڑھا کر دنیا کو فساد سے پاک کرتے ہیں۔ یہ دو ذریعے اللہ سبحان وتعالیٰ کا ایسے حالات میں قانون وضع ہوتا ہے۔ اگر حالات اس کے برعکس ہوں تو صورت مختلف ہو جاتی ہے۔ لیکن اس وقت اور حالات کا تقاضہ یہی ہے کہ مومنوں کی ایک جماعت کے ذریعے پوری دنیا کو فساد سے پاک کر دیا جائے۔ لیکن جیسے ہی اللہ سبحان وتعالیٰ ان کی آزمائش کی خاطر حکومت انہیں منتقل کریں گے تو یہ پھر وہی سب کچھ کرنا شروع کر دیں گے جس وجہ سے دخان عذاب الیم بن کر آیا۔ پھر زیادہ عرصہ نہیں گزرے گا چند سال کے بعد بہت بڑی پکڑ پکڑے جائیں گے۔ دوبارہ بڑی پکڑ انہیں کو ہی پکڑا جائے گا جنہیں دخان کے عذاب سے نکالا گیا۔ یعنی بڑی پکڑ میں ایسے انسان

لازم ہوں گے جو دخان والے عذاب میں مبتلا ہونے کے بعد بچائے گئے ہوں گے۔
یعنی اگر غور کیا جائے تو ابھی جو خلافت قائم ہو چکی ہے یہی وہ جماعت ہے جس کے ذریعے پوری دنیا کو بہت تھوڑے عرصے تک ٹیکنالوجی سے مکمل طور پر پاک کر دیا جائے گا۔ جب ٹیکنالوجی سے زمین پاک ہوگی تو دنوں اور ہفتوں کے اندر بادلوں، آب وہوا اور زمین وغیرہ کے نظام میں اصلاح ہو جائے گی۔ لیکن یہ ایک چھوٹا سا عرصہ ہوگا۔ قرآن میں غور وفکر کرنے سے بلکل واضع ہوتا ہے کہ یہ عرصہ نہ زیادہ اور نہ کم صرف سات سال کا ہوگا۔ یعنی جس دن پوری زمین پر دین اسلام قائم ہو جائے اور دنیا ٹیکنالوجی پاک اور فطرت پر آ جائے اس دن سے لیکر ٹھیک سات سال تک دنیا ایسے رہے گی لیکن اس کے بعد دوبارہ ٹیکنالوجی کا دور شروع ہوگا جو قرآن سے حاصل ہونے والی راہنمائی کی روشنی میں ٹھیک چالیس سال تک ہوگا پھر وہ بڑی پکڑ آئے گی جو کہ ایک عظیم زلزلہ ہوگا۔

دنیا کو ٹیکنالوجی سے پاک کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسا حادثہ انجام پائے جس کی زد میں آ کر ٹیکنالوجی کا وجود مٹ جائے۔ اور اس حوالے سے بھی قرآن بڑی صراحت کیساتھ خبر دیتا ہے وہ القارعہ ہوگی۔ اور دوسری بات یہ کہ جیسے آگ جب ختم ہونے کو آتی ہے تو آخری بار پوری شدت سے ایک بار بھڑکتی ہے اس کے ساتھ ہی ٹھنڈی ہو جاتی ہے بلکہ اسی طرح القارعہ یعنی دنیا کی تاریخ کی پانچویں اور آخری عالمی ایٹمی جنگ کے نتیجے میں استعمال ہونے والے بموں کے دھویں سے بھی فضا مزید دھویں سے بھر جائے گی۔ لیکن اس کے بعد دھواں مختصر مدت تک کے لیے ختم ہو جائے گا۔
اس کی تفصیل القارعہ میں دیکھیں۔

یہ تھی قرآن کی روشنی میں دخان کی صراحت کیساتھ وضاحت۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دخان کے حوالے سے کیا الفاظ بیان کیے۔ اور ایسا ممکن نہیں کہ رسول اللہ ﷺ قرآن سے ہٹ کر کوئی بات کریں۔

بہت سی روایات جن میں قیامت کی علامات کبریٰ کا ذکر موجود ہے ان میں سے ایک دخان ہے۔ دخان، دابۃ الارض کے بعد ظاہر ہونے والی قیامت کی بڑی شرط ہے۔ ترتیب کے لحاظ سے جن وجوہات کی بنا پر قیامت آئے گی ان میں سب سے سب سے پہلی وجہ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، دوسری یاجوج اور ماجوج، تیسری آگ ہوگی جو بحر حضرموت، الحجاز، یثرب کے مشرق، ایران سے نکلے گی اور وہ قیمتی ترین شئے کا پہاڑ یعنی اتنی بڑی مقدار میں اتنی قیمتی شئے جس کے سامنے باقی سب کی

قدر و قیمت ماند پڑ جائے فرات سے نکلے گی، چوتھی دجّال اور دابۃ الارض، پانچویں دخان، چھٹی کالے جھنڈے و مہدی، ساتویں عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام، آٹھویں القارعہ ہے۔ القارعہ کے بعد زمین مکمل طور پر سات سال تک فطرت پر رہے گی لیکن سات سال پورے ہونے پر جیسے ہی ابن مریم کی وفات ہوگی اس کے فوراً بعد زمین میں دوبارہ ٹیکنالوجی کا راج ہو جائے گا، ٹیکنالوجی جو کہ دجّال تھا تب دجّال نہیں رہے گی بلکہ سب پر ٹیکنالوجی کی حقیقت کھل چکی ہوگی یہی دجّال کا قتل ہوگا۔ سب کو علم ہوگا کہ ٹیکنالوجی کی وجہ سے فساد ہوتا ہے اس کے باوجود اس کا بھرپور استعمال کیا جائے گا۔ یوں چالیس سال تک دنیا پر ٹیکنالوجی اپنے عروج پر پہنچ جائے گی اور ٹھیک چالیس سال پورے ہونے پر جمعہ کے روز عصر کے اختتام پر مغرب ہوتے ہی اچانک زمین ایک شدید ترین زلزلے سے لرز جائے گی اور زمین پر سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔

دخان کے بارے میں احادیث میں جو تفصیلات ملتی ہیں ان میں دو باتیں رسول اللہ ﷺ نے بہت ہی چونکا دینے والی بتائیں۔ ان میں پہلی یہ کہ دخان کی وجہ دابہ من الارض بنے گا اور دوسری بات کہ دجّال کی جنت دخان والی ہوگی۔ جیسا کہ درج ذیل روایات میں دیکھا جاسکتا ہے۔

تخرج الدابة فتسم الناس على خراطيمهم. ٣٨٨٨٠

ومعه مثل الجنة ومثل النار، وجنتة غبراء ذات دخان. ٣٨٧٨٨

جیسے رسول اللہ ﷺ نے دجّال کے بارے میں کہا کہ وہ چالیس یوم رہے گا بلکل وہی الفاظ رسول اللہ ﷺ نے دخان کے لیے بھی استعمال کیے کہ دخان چالیس یوم تک رہے۔

یہاں دخان کے چالیس یوم والی احادیث-------------------

رسول اللہ ﷺ نے جب یہ کہا کہ دخان چالیس یوم تک رہے گا تو اس سے مراد ہم زمین پر ہمارے چالیس دن مراد لے لیتے ہیں اور یہی وہ بنیادی وجہ بنتی ہے ان معاملات کے نہ سمجھ آنے کی۔ یوم عربی میں دن کو نہیں کہتے بلکہ یوم عربی میں ایک طے شدہ مدت کو کہتے ہیں یعنی جسے انگلش میں پیریڈ کہتے ہیں۔ جیسے کوئی شئے ایک نقطے سے سفر شروع کرے جب تک کہ وہ واپس اسی نقطے پر نہ پہنچ جائے اس کو یوم کہا جائے گا۔ لیکن یہ یوم اس شئے کا یوم کہلائے گا نہ کہ ان اشیاء کا جو اس کے علاوہ

ہوں۔مختصراً یہ کہ یوم کے معنی ہمارا چوبیس گھنٹے کا دن نہیں بلکہ وہ جس شئے کا یوم ہوگا اس شئے کو جان کر ہی اس کے یوم کا تعین کیا جا سکتا ہے کہ اس شئے کا ایک یوم ہماری کتنی مدت کا ہوگا۔اس لیے ہمیں سب سے پہلے عربی کے ان اصولوں کو سامنے رکھنا لازم ہوگا اس کے بعد ہی ہم کسی معاملے کو آسانی سے سمجھ پائیں گے۔

دجّال کی مدت بھی چالیس یوم اور دخان کی مدت بھی چالیس یوم۔دجّال اور دخان میں چالیس یوم مشترک ہے جس سے یہ بات واضع ہوتی ہے کہ ممکنا طور پر دجّال اور دخال کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔اور جب ہم غور و فکر کریں تو جو بات کھل کر سامنے آتی ہے وہ یہ کہ یہ رسول اللہ ﷺ نے دجّال کی جنت کو بھی دخان والی کہا۔

ومعه مثل الجنة ومثل النار، وجنتة غبراء ذات دخان. ٣٨٧٨٨

ترجمہ.

اس سے صاف طور پر واضع ہو جاتا ہے کہ دجّال کی مدت چالیس سال۔اس کیساتھ جنت اور آگ ہوگی۔تو پھر اس کی جنت اور آگ کی مدت بھی چالیس یوم ہی ہوگی۔جب جنت کی مدت چالیس یوم ہے اور جنت اس کی دخان والی ہوگی تو پھر یہ وہی دخان ہے جو دجال کی جنت میں ہوگا جس کی مدت رسول اللہ ﷺ نے چالیس یوم بتائی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ دخان آئے گا کہاں سے؟

جب ہم اس سوال کے جواب کے لیے غور و فکر کریں تو جو جواب ملتا ہے وہ دجّال کو مزید کھول کر واضع کر دیتا ہے۔اس سلسلے میں رسول اللہ کے یہ الفاظ کھول کر راہنمائی کرتے ہیں۔

دخان کافروں کے منہ پر نشان لگا دے گا

تخرج الدابة فتسم الناس على خراطيمهم. ٣٨٨٧٩

یہاں یہ مکمل روایت................

اس روایت کی تفصیل پیچھے صراحت کیساتھ گزر چکی۔جس کا ماخذ یہ ہے کہ یہ دخان یعنی دھواں وہ دھواں ہے جس سے آج زمین کا پہلا آسمان بھر چکا ہے۔ جو دھواں دابہ خارج کر رہا ہے۔ جو دھواں مختلف فیکٹریوں وغیرہ سے پیدا کیا جا رہا ہے۔ یہ وہ دخان ہے جو آج انسانوں کے لیے عذاب الیم کی صورت اختیار کر چکا ہے۔

درج ذیل تصاویر میں دیکھئے۔

فیکٹریوں اور گاڑیوں وغیرہ کا دھواں چھوڑتی تصاویر اور اس دھواں سے ہونے والے نقصانات کا مختصر جائزہ۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وقت کا سکڑنا

قیامت کی نشانیاں یعنی اشراط الساعۃ۔سب کی سب تفاصیل کیساتھ

۔۔

باب آسمانی آواز

تخلیق آدم علیہ السلام سے قیامت تک کا وقت سات ہزار سال۔

امت محمد ﷺ کی عمر پندرہ سو سال۔

ابوبکر البغدادی حفظہ اللہ ہی مہدی آخر الزماں علیہ السلام ہیں۔

عیسیٰ ابن علیہ السلام کا نزول ۱۴۴۲ ہجری سے پہلے ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے بعد تیسری اور مجموعی طور پر پانچویں عالمی نیوکلیئر تباہ کن جنگ ۱۴۴۰ سے ۱۴۴۳ ہجری میں ہو گی۔

قیامت ۱۴۸۹ ہجری میں آئے گی۔

دنیا کی زندگی سات ہزار سال والی آیات .....

وَلَقَدْ اٰتَینٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ. الحجر ۸۷

اور تحقیق کہ دیا ہم نے تجھے سات المثانی سے اور قرآن العظیم۔

اور تحقیق کہ دیا ہم نے تجھے سات، سات کا ساتواں یا سات سے ساتواں مثانی سے اور قرآن عظیم۔

اوپر آیت کے بیان کیے گئے دونوں تراجم لفظی تراجم ہیں جو کہ پوری کوشش کے باوجود بھی ٹھیک نہیں ہو سکتے اس لیے کہ ترجمہ قرآن کو لامحدود سے محدود کر دیتا ہے کیونکہ قرآن کا ترجمہ کیا جا سکتا ہی نہیں۔ قرآن کے الفاظ بہت وسعتوں والے ہیں بہر حال جو ہمارا موضوع ہے ہم اس کو سامنے رکھتے ہوئے اس آیت پر کچھ بات کریں گے تا کہ ہمارے لیے آگے آنے والے معاملات کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہو جائے۔

یہاں اس آیت سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سا سات، سات کا ساتواں یا سات سے ساتواں ہے جو اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہمیں دیا مثانی سے؟ اس سوال کا جواب اپنے مقام پر آگے آئے گا لیکن اس سے پہلے ہم پر یہ فرض ہے کہ ہم مثانی کو سمجھیں جب تک ہم مثانی کو نہیں سمجھیں گے تب تک ہم پر کچھ بھی نہیں کھلے گا۔

الْمَثَانِیُ۔ مثانی کہتے ہیں ایک کے بعد آنے والے دوسرے کو یعنی کسی کا اس کے بعد آنے والا دوسرا اس کا مثانی کہلاتا ہے۔ مثلاً اگر دس تک گنتی لکھی ہو تو دو ایک کے بعد آتا ہے اس لیے دو ایک کا مثانی ہے اسی طرح تین دو کا، چار پانچ کا، پانچ چھ کا، چھ سات کا اور اسی طرح دس تک یا اس سے آگے جہاں تک بھی۔ بنیادی طور پر مثانی دو اشیاء کے درمیان قائم ربط کو بھی کہتے ہیں جیسے دو کا ایک سے ربط قائم ہے کہ ان کے درمیان کو تیسرا موجود نہیں۔

الْمَثَانِیُ کو مزید کھول کر سمجھنے کے لیے ہم قرآن میں دیکھتے ہیں کہ یہ لفظ کہاں کہاں پر آیا ہے۔ تاکہ مثانی کی حقیقت مزید کھل کر ہم پر واضح ہو جائے۔ قرآن میں سورۃ الحجر کی آیت کے علاوہ ایک اور مقام پر اس لفظ کا استعمال ہوا ہے وہ مقام درج ذیل ہے۔

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِہًا مَّثَانِیَ .الزمر ۲۳

اللہ ہی ہے اتاری جس نے احسن الحدیث، **کِتٰبًا مُّتَشَابِہًا مَّثَانِیَ**.

کِتٰبًا۔ کتاب کسے کہتے ہیں اسے ہم پیچھے کتاب میں جان چکے ہیں۔ اس آیت میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے جسے کتاب کہا ہے وہ ایک تو یہ کتاب مبین یعنی جو کھلم کھلی کتاب اللہ کی کائنات ہے اس میں تمام کی تمام مخلوات اللہ کی آیات ہیں اور دوسری جو کہ پہلی ہے جسے اللہ سبحان وتعالیٰ نے الف لام میم یا جنہیں حروف مقطعات کہا جاتا ہے یہ کتاب ہے جسے ہم اس کائنات کا نقشہ یا تھیوری کہہ سکتے ہیں جس کا پریکٹیکل یعنی عملی مظہر یہ کائنات اللہ کی کتاب ہے۔

یہ کتاب یعنی اللہ کی کائنات **مُّتَشَابِہًا** ہے اور **مَّثَانِیَ** بھی۔

متشابہہ کہتے ہیں جو شئے انسان پر واضع ہو لیکن اس کے بارے میں راسخ علم نہ ہو۔ یعنی اللہ کی اس کتاب کائنات میں لاتعداد ایسی آیات یعنی مخلوقات ہیں جو انسان پر واضع ہیں یا اگر پہلے واضع نہیں تھیں تو اب اس کی پہنچ میں ہیں انہیں دیکھ، سن یا محسوس تو کرسکتا ہے لیکن ان کی موجودگی کا مقصد کیا ہے اس کا علم انسان کو نہیں دیا گیا۔ یعنی

متشابہہ اس کو کہتے ہیں جو کسی نہ کسی لحاظ سے انسان پر واضع ہو لیکن اس کے بارے میں علم نہ دیا گیا ہو کہ اس شئے کی موجودگی کا اصل مقصد کیا ہے۔ یا بہت ہی مختصر یہ کہ متشابہہ کہتے ہیں جس کے بارے میں فیصلہ کن علم نہ دیا گیا ہو۔ تو اللہ کی کتاب یعنی کائنات میں جتنی بھی آیات یعنی مخلوقات ایسی ہیں وہ سب کی سب متشابہہ ہیں جن کے بارے میں انسان کو راسخ علم نہیں ہے یعنی جن کے بارے اللہ سبحان وتعالیٰ نے بلکل واضع فیصلہ کن علم نہیں دیا۔ اور پھر اللہ کی کتاب مَّثَانِيَ بھی ہے یعنی اللہ کی کتاب یعنی کائنات کی تمام کی تمام مخلوقات کا آپس میں ایسا ربط قائم ہے جیسے ایک سے دس تک یا سو تک گنتی میں ربط قائم ہوتا ہے۔ یا جیسے ہم کسی مشین یا گاڑی کے انجن کی مثال لے لیں۔ کہ اس کے تمام پروزوں کا آپ میں بہت گہرا تعلق اور ربط قائم ہوتا ہے ہر پرزے کا کسی دوسرے سے ربط ہوتا ہے اگر کوئی ایک کام کرنا چھوڑ دے، خراب ہو جائے تو اس کی وجہ سے اس کے ساتھ مربوط دوسرا اور اس سے جڑا تیسرا اور اسی طرح پوری مشین یا تو کام کرنا چھوڑ دیتی ہے یا پھر مشین میں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں وہ ٹھیک سے کام نہیں کرتی یوں بالآخر تباہی ہی اس کا انجام ہوتی ہے۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے اس آیت میں بلکل صراحت کے ساتھ کھول کر واضع کر دیا کہ بلکل اسی طرح اللہ کی کتاب بھی مثانی ہے خواہ وہ کتاب اللہ کی کائنات ہو اس میں تمام کی تمام مخلوقات اللہ کی آیات ہیں جو کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن کے بہت سے مقامات پر کہا اور خواہ وہ الف لام میم یعنی اللہ کی کائنات کا نقشہ ہو جسے اللہ سبحان وتعالیٰ نے لوح محفوظ میں رکھا یعنی اس نقشے یعنی کتاب کو محفوظ کر دیا لاک لگا دیا کہ اس میں کوئی ردوبدل نہیں ہو سکتی۔ اور پھر جو کتاب قرآن کی شکل میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہمیں دے دی جو کہ نہ صرف اس کتاب جو لوح محفوظ میں ہے اسے بلکہ اس کھلم کھلی کتاب اللہ کی کائنات کو بہت قریب سے جاننے میں مدد دیتی ہے۔ یہ کتاب قرآن بھی مثانی ہے یعنی اس کی تمام کی تمام آیات کا ایک دوسرے کے ساتھ اسی طرح ربط قائم ہے۔ ایک آیت دوسری کے ساتھ مشروط ہے دوسری تیسری کیساتھ اور اسی طرح بتدریج پوری کتاب قرآن ہے۔ یعنی جیسے ایک کے بعد تین نہیں دو ہی آتا ہے اور دو کے بعد کوئی اور ہندسہ نہیں تین ہی آتا ہے اگر کہیں یہ ربط ٹوٹ جائے تو اس کا مطلب ہے کہ گنتی غلط ہو گئی بلکل اسی طرح اللہ کی کتاب قرآن کی تمام کی تمام آیات کا بھی معاملہ ہے جب تک آیات کا

آپس میں ربط قائم رہے گا تب تک قرآن اپنے راز انسان پر کھولے گا ورنہ جہاں بھی یہ ربط ٹوٹ گیا کہ پچھلی آیت میں کچھ اور ہے اور اگلی آیت میں کچھ اور کہ دونوں میں کوئی تعلق ہی نہیں تو پھر قرآن اپنے راز نہیں کھولے گا۔

یہ ہیں لفظ مَّثَانِیَ کے معنی۔

اللہ کی وہ کتاب ہو جو لوح محفوظ میں ہے جسے اللہ نے الف لام میم کہا یا اس کا عملی مظہر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے یہ کتاب ہو یا پھر ان دونوں کتابوں جو کہ اصل میں ایک ہی کتاب ہے نقشے اور عمل کی صورت میں دونوں کو سمجھنے کے لیے ان کی گہرائیوں میں جانے کے لیے اللہ کا کلام اللہ کی کتاب قرآن ہو سب کا یہی معاملہ ہے سب مثانی ہیں۔ان میں تمام آیات کا آپس میں اسی طرح ربط اور تعلق قائم ہے جیسے کسی مشین کے تمام پرزوں یا ہمارے جسم کے تمام اعضاء کا آپس میں ربط قائم ہے کہ اگر کوئی عضو بھی اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرے گا یعنی کہیں بھی یہ ربط کمزور ہوگا یا ٹوٹے گا تو پوری مشین یا پورے جسم میں خرابیاں اور موت ہوگی بلکل یہی مثال اللہ کی کائنات کی بھی ہے ایسے ہی تمام مخلوقات کا آپس میں ربط قائم ہے ایسے ہی اللہ کے کلام قرآن جسے اللہ سبحان وتعالیٰ نے اس آیت میں احسن الحدیث کہا ہے میں ربط قائم ہے۔اس کا جاننا بہت ضروری تھا اس لیے اس کو صراحت کیساتھ بیان کرنے کی کوشش کی۔

پھر اسی آیت کے شروع میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ اللہ ہی ہے اتاری احسن الحدیث۔

احسن کہتے ہیں جس سے بہتر اور کوئی نہ ہو، ہر لحاظ سے بہترین اور حدیث کا مادہ حدث ہے جس کے معنی ایسے واقعے کے ہیں جو ماضی میں ہو چکا ہو۔اسی سے حدیث بنا ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے یہاں قرآن کو احسن الحدیث کہا ہے یعنی جس کائنات میں ہم موجود ہیں حقیقت میں ہم ماضی میں موجود ہیں یہ سب کچھ پہلے ہو چکا ہے جس کی خبریں اللہ سبحان وتعالیٰ ہمیں دے رہے ہیں۔ہماری حقیقت کہیں اور موجود ہے جہاں پر ہمیں ہمارا ماضی دیکھایا جا رہا ہے جیسے ہم رات کو خواب دیکھتے ہیں۔ یہ کیوں دیکھایا جا رہا ہے اس کا جواب اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن کے بہت سے مقامات پر دے دیا۔یہ ہمارا موضوع نہیں اس لیے اس پر یہاں مزید بات نہیں ہوگی۔بہر

حال اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن کو احسن الحدیث کہا ہے تو یوں یہ تاریخ کی سب سے احسن کتاب ہے ایسی تاریخ کی کتاب جس میں کائنات کے اول تا آخر تک کی خبریں موجود ہیں جن میں رائی برابر بھی کوئی شک کی گنجائش نہیں۔

اب ہم آتے ہیں واپس اپنے موضوع کی طرف کیونکہ مثانی کو جاننا ہمارے لیے ضروری تھا جو کہ ہم تفصیل سے جان چکے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ. الحجر ٨٧

اور تحقیق دیا ہم نے تجھے سات المثانی سے اور قرآن العظیم۔

اور تحقیق کہ دیا ہم نے تجھے سات کا ساتواں مثانی سے اور قرآن عظیم۔

اب ہمیں اس سوال کا جواب جاننا ہے کہ وہ کون سا سات یا سات کا ساتواں یا سات سے ساتواں ہے جو اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہمیں دیا ہے۔ اور یہ اس وقت تک ہم پر واضع نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس آیت کا اس سے پہلے گزرنے والی آیات کے ساتھ ربط قائم نہ ہو یعنی تب تک نہیں جب تک کہ آیات مثانی نہ ہو جائیں جو کہ مثانی تو ہیں لیکن ہماری سمجھ میں مثانی جب تک نہ ہوں تب تک ہم پر یہ واضع نہیں ہوسکتا کہ یہاں کس سات کا ذکر کیا جارہا ہے۔ اس لیے اس آیت سے پہلے جو آیات ہیں ہم ان کو سامنے رکھ کر ان کو سمجھیں گے تاکہ اس آیت میں اللہ کے چھپائے ہوئے رازوں سے پردہ اٹھے جو ہمارے لیے راہنمائی یا اتمام حجت کا کردار ادا کریں۔

اب ہم اس آیت سے پچھلی آیات میں غور وفکر کریں گے تاکہ حق بلکل کھل کر واضع ہو جائے۔ اس کے لیے ہم پہلے سورت الحجر کی آیت ستاسی سے پہلے پچاسی اور چھیاسی آیات کو سمجھیں گے اس کے بعد جن کی وہ مثانی ہیں انہیں سامنے رکھیں گے۔ یعنی کہ اگر آیات کو دیکھا جائے تو تین حصے بنتے ہیں ایک حصہ یہی آیت ستاسی اور دوسرا حصہ اس سے پہلے کی دو آیات اور ان دو کا ان سے پہلے کی آیات کیساتھ گہرا تعلق اور ربط قائم ہے جو آخر تا شروع تیسر اور شروع تا آخر پہلا حصہ بنتا ہے یوں ہم واپسی کی طرف سمجھتے ہوئے چلیں گے۔

پہلے حصے میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے پہلی تباہ شدہ اقوام کا ذکر کیا اور دوسرے میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہم پر واضع کیا جوان پر واضع کیا گیا تھا کہ جس وجہ سے تباہی آئے گی یا پہلوں پر آئی اور تیسرے حصے میں جو راز رکھ دیا سب کی وضاحت اپنے اپنے مقام پر آگے آئے گی۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ. الحجر ۸۵

اورنہیں خلق کیا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے مگر حق کیساتھ، اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ساعت آئے گی یا لائی جائے گی فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ۔

حق کیساتھ خلق کرنے کے معنی کیا ہیں اس کا ذکر کتاب میں پیچھے بہت صراحت کیساتھ اور تفصیل سے گزر چکا ہے یہاں مختصر بات کرتے ہوئے آگے بڑھیں گے۔حق کیساتھ خلق کیا یعنی خلق کرنے کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے اور جس مقصد کے لیے خلق کیا اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے مخلوق کو اس کے مقام پر رکھ دیا۔ جب تک تمام مخلوقات اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے مقصد کو پورا کرتی رہیں گی تب تک آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے میں کسی قسم کا کوئی عیب، نقص یا خرابی وغیرہ نہیں ہوگی۔ اور اگر کوئی مخلوق اپنے مقام سے ہٹ گئی تو وہ مقصد پورا نہیں ہوگا جس کے لیے اسے خلق کیا گیا جس سے پھر آسمانوں اور زمینوں میں ضرور خرابیاں ہوں گی اور اس کے نتیجے میں تباہیاں آئیں گی۔ اسی کا آگے ذکر ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں وہ ساعت آئے گی۔ کون سی ساعت کا ذکر ہے اس کی وضاحت بلکل صراحت کیساتھ ہو جاتی ہے جب ہم آیت کے اگلے الفاظ پر غور کریں اور پیچھے گزرنے والی آیات پر نگاہ ڈالیں تو۔

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ. ان الفاظ کے معنوں کو ہم مثال سے سمجھ لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ کے سامنے کوئی ایسا کام کر رہا ہے کہ جس سے نا قابل برداشت نقصان ہوگا آپ کو اس کا علم ہے اور آپ اسے سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کریں لیکن وہ سمجھنے کی بجائے اس کام کے کرنے پر بضدر ہے اور آپ اپنے آپ کو بے بس محسوس کرنا شرع کر دیں تو

تصور کریں اس وقت آپ کی حالت کیا ہوگی؟ آپ کی اس انسان کے بارے میں کیا کیفیت ہوگی؟
یقیناً ایک تو خود کو بہت زیادہ تکلیف ہوگی کہ یہ انسان بات کیوں نہیں سمجھ رہا اور دوسرا دل چاہے گا کہ اس کو زندہ زمین میں گاڑ دیا جائے۔ اس طرح کی کیفیت ہوگی۔ اور آپ کو اپنی زندگی کے کئی مواقع پر اس کا تجربہ بھی ہو چکا ہوگا۔
ایسے موقع پر اس کیفیت پر قابو پانے یعنی اس غضے، جذبات سمیت جو بھی کیفیت ہو جس سے اس انسان کو زندہ زمین میں گاڑنے کا دل چاہے اس کو برداشت کرتے ہوئے اسے اس کے حال پر چھوڑتے ہوئے درگزر کرنے کو الصَّفحَ الْجَمِیْل کہتے ہیں۔
آیت کے شروع میں اللہ سبحان وتعالیٰ کا یہ کہنا کہ اور نہیں خلق کیا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جوان کے درمیان ہے مگر حق کیساتھ اور اسکے بعد ساعت کے آنے کا ذکر کرنا اور آخر میں فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِیْل. تو اس سے آیت بہت کچھ کھول کر بیان کر دیتی ہے۔ اس کے علاوہ جب اس آیت سے پیچھے گزرنے والی آیات کو سامنے رکھیں تو ان آیات میں اللہ سبحان وتعالیٰ پچھلی قوموں کا ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے فساد کیا۔ انہوں نے اللہ کی مخلوقات کو ان کے مقام سے ہٹا دیا جسے فساد کہا جاتا ہے۔ جس سے زمین میں خرابیاں ہوئیں ان کی طرف اللہ نے اپنے رسولوں کو بھیجا ان رسولوں نے انہیں سمجھایا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کیساتھ خلق کیا ہے کہ جیسے تم اللہ کی مخلوقات میں چھیڑ چھاڑ کر رہے ہو اس کا نتیجہ بالآخر بڑی تباہی کی صورت میں نکلے گا۔ اللہ کے رسولوں کے پاس علم ہوتا تھا جس کی بنیاد پر وہ جانتے تھے کہ جیسے یہ لوگ اللہ کی آیات کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر رہے ہیں۔ ان میں تبدیلیاں کر رہے ہیں انہیں اپنی مرضی کیمطابق استعمال کر رہے ہیں تو اس کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی تباہیاں جیسے گاڑی کی دیکھ بھال نہ کی جائے تو چھوٹی موٹی خرابی پیدا ہو جاتی ہے اور اگر اس خرابی سے ہونے والے نقصان جو کہ چھوٹا ہی ہوتا ہے سے سبق سیکھ کر خرابی دور کرنے کی بجائے دور نہ کی جائے تو پھر گاڑی میں دوسری خرابی پھر تیسری اور اسی طرح پھر آخر کار وہ وقت آجاتا ہے جب پوری کی پوری گاڑی ہی تباہ ہو جاتی ہے بے کار ہو جاتی ہے۔ بلکل اسی طرح اللہ کے رسول انہیں سمجھاتے تھے کہ کہ اللہ کی مخلوقات میں فساد کرنے سے دنیا میں اپنی مرضی سے زندگی گزارنے سے اللہ کی لاتعداد مخلوقات اپنے مقام سے ہٹ جائیں گی جس سے چھوٹی موٹی تباہیوں کے بعد بالآخر ایک بڑی تباہی آئے گی جو تمھیں اپنی لپیٹ میں لے لے گی لیکن وہ نہیں مانتے تھے۔ وہ بھی بلکل آج کی طرح ترقی کے نام پر فساد کرتے رہے اور اس فساد کے نتیجے میں آخر کار وہ تباہی آتی جو انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیتی اور ان کی ٹیکنالوجی وغیرہ ان کے

کچھ کام نہ آتی۔
اس نتیجے کو سامنے رکھ کر اللہ کے رسول جب انہیں اللہ کی طرف دعوت دیتے تھے کہ یہ فساد چھوڑ کر فطرت پر قائم ہو جاؤ اور وہ اپنی روش پر قائم رہتے تھے تو ذرا تصور کریں اللہ کے رسولوں کی اس وقت کیا حالت ہوتی ہوگی؟ تو انہیں بھی اس وقت اللہ کا یہی حکم ہوتا۔ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ.

اس طرح جب قرآن میں غور کریں تو پیچھے جن قوموں کو اس طرح آگاہ کیا گیا اور وہ اپنی روش پر قائم رہے جس کے نتیجے میں وہ مکمل طور پر صفحہ ہستی سے مٹا دیئے گئے۔ وہ چھ قومیں تھیں یعنی کہ آدم علیہ السلام سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک چھ بار دنیا کی ان قوموں کو متنبہ کیا گیا جنہوں نے اللہ کی آیات پر ایمان لانے کی بجائے کفر کرتے ہوئے آسمانوں اور زمینوں میں چھیڑ چھاڑ کی مخلوقات کو ان کے مقام سے ہٹا دیا جس کے نتیجے میں انہیں مکمل طور پر صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ کیوں مٹا دیا گیا کیوں کہ اللہ کے آسمانوں اور زمینوں کی مثال بلکل ایک گاڑی کی سی ہے اگر گاڑی میں چھیڑ چھاڑ کی جائے گی اس کے پرزے نکال لیے جائیں گے۔ گاڑی کو بے احتیاطی سے استعمال کیا جائے گا۔ گاڑی میں پیدا ہونے والی خرابیوں کی اصلاح کرنے کی بجائے مزید خرابیاں کی جائیں گی تو ایک دن ضرور آئے گا جب گاڑی مکمل بے کار ہو جائے گی۔
انسان اگر اپنی ہی مثال لے لے۔ تو انسان کے جسم میں کئی اعضاء ہیں ہر عضو میں لاتعداد مخلوقات ہیں کچھ چھپی ہوئی اور کچھ سامنے واضع۔ جب تک سب مخلوقات اپنے اپنے مقام پر رہیں گی تب تک تمام اعضاء ٹھیک سے کام کریں گے اور تب تک انسان بلکل ٹھیک رہے گا۔ اور جب بھی کوئی مخلوق اپنی ذمہ داری ترک کرے گی یا لاپرواہی کرے گی تو اس سے متعلقہ عضو متاثر ہوگا جس سے جسم میں قائم توازن بگڑ جائے گا جسے ہم بیماری کہتے ہیں اور بیماری کا اگر علاج نہ کیا جائے تو پھر وہ بڑھتے بڑھتے انسان کو موت کی دہلیز تک لے جاتی ہے۔
انسان کا پورا جسم تب تک ٹھیک رہتا ہے جب تک اس کے تمام اعضاء ٹھیک کام کریں اور اعضاء تب تک ٹھیک رہتے ہیں جب تک جسم میں تمام لاتعداد مخلوقات اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داری بلکل ٹھیک سے ادا کریں اور وہ تب تک اپنے اپنے مقام پر رہ کر اپنی اپنی ذمہ داری ادا کر سکیں گی جب تک انہیں ان کی ضروریات مہیاء ہوتی رہیں اور ان کی ضروریات کیا ہیں ان کا معیار کیا ہے اس کا علم صرف اور صرف اسے ہو سکتا ہے جو ان کا خالق ہے یا خالق جس کو علم دے۔
تو آیت میں صرف انسان کا ذکر نہیں آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ بھی ان میں ہے سب کے سب کی یہی مثال ہے۔ اگر سب کی سب مخلوقات اپنے اپنے مقام پر رہیں گی تو کوئی نقص نہیں ہوگا کوئی خرابی نہیں ہوگی اور تمام مخلوقات اپنے اپنے مقام پر

کیسے رہیں گی اس کا جواب قرآن اگلی آیت میں دیتا ہے۔

۸۵ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ. الحجر ۸۶

اس میں کچھ شک نہیں تیرا رب وہی ہے خلاق یعنی جو کچھ بھی آسمانوں اور زمینوں اور جوان کے درمیان ہے سب کو اسی نے خلق کیا العلیم ہے۔

اگر سب کی سب مخلوقات اپنے اپنے مقام پر رہیں گی تو کوئی نقص نہیں ہوگا کوئی خرابی نہیں ہوگی اور تمام مخلوقات اپنے اپنے مقام پر کیسے رہیں گی اس کا جواب قرآن یوں دے رہا ہے۔ اِنَّ رَبَّکَ. اس میں کچھ شک نہیں تیرا رب یعنی جب تیرا وجود نہیں تھا تو جس نے تجھے خلق کیا اور کسی نہ کسی مقصد کے لیے خلق کیا اور جس مقصد کے لیے خلق کیا تو خلق ہو جانے کے وقت اس قابل نہیں تھا کہ اس مقصد کو پورا کر سکے پھر وہی ذات جس نے تجھے تیری تمام ضروریات مہیا کر کے پروان چڑھا کر اس مقام تک لایا جس مقام پر پہنچ کر تو اس مقصد کو پورا کر سکے اور وہی ذات تجھے موت دے گی اور اسی کی طرف لوٹایا جائے گا اور اسے حساب دینا ہوگا کہ آیا وہ مقصد پورا کیا جس کے لیے تجھے خلق کیا تھا۔ هُوَ الْخَلّٰقُ. وہی ہے جس نے تمام مخلوقات کو خلق کیا یعنی ان کا رب بھی وہی ہے۔ جب سب کا سب خلق اسی نے کیا تو پھر وہی الْعَلِیْم ہے یعنی اسی کو علم ہے کہ انہیں کس کس مقصد کے لیے خلق کیا اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے کس کس کا کون کون سا مقام ہے اور کیسے سب کی سب مخلوقات اپنے اپنے مقام پر رہیں گی۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ. الحجر ۸۷

اور تحقیق دیا ہم نے تجھے سات المثانی سے اور قرآن العظیم۔

یہ بہت ہی چونکا دینے والی آیت ہے۔ رونگٹے کھڑے کر دینے والی آیت ہے۔

اللہ سبحان وتعالیٰ اس آیت میں کہہ رہے ہیں ہم نے تجھے سات دیا مثانی سے۔ مثانی کہتے ہیں ایک کے بعد دوسرا آنے والا۔ ہمیں سات دیا تو یہ کس کا مثانی ہے یہ بلکل واضع ہے۔ یہ چھ کے بعد آنے والا ہے۔ ہم نے دیا تجھے سات مثانی سے تو سات کے پیچھے چھ رہ جاتا ہے۔

سَبۡعًا پر دوزبریں آنے سے اس کا معنی یوں بنتا ہے مثلاً اگر کچھ نمبرز ہیں جو سات یا سات سے زائد ہیں تو ان میں سے

ساتواں کہا جا رہا ہے۔ **سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِی** ایک کے بعد دوسری آنے والی میں سے تجھے سات دیا۔

اب غور یہ کرنا ہے کہ ایک کے بعد دوسری آنے ولی میں سے ہمیں سات دیا گیا تو سات سے پہلے چھ کسی کو دیا جا چکا، چھ سے پہلے پانچ، پانچ سے پہلے چار، چار سے پہلے تین، تین سے پہلے دو اور دو سے پہلے ایک کن کو دیئے جا چکے۔ کن کن کو دیئے جا چکے اور یہ کیا ہیں اس کی وضاحت بہت صراحت سے ہو جاتی ہے۔ یہ آیات جس ضمن میں یہاں بیان کی گئیں اس کی صراحت کیساتھ وضاحت ہو چکی ہے۔ اور ان آیات سے پہلے پچھلی آیات میں ان قوموں کا ذکر ہے جو ہم محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل تباہ ہو چکیں۔ پچھلی آیات کو ہم یہاں موضوع لمبا ہونے کے ڈر سے بیان نہیں کریں گے کیوں کہ اصل مقصد تو یہ جاننا ہے کہ پچھلی آیات میں کیا ہے اور ان میں پچھلی تباہ شدہ اقوام کا ذکر ہے۔ اور پیچھے چھ قومیں گزر چکیں ہمیں ان میں سات دیا گیا یعنی ہم ساتویں قوم ہیں جن سے اللہ سبحان وتعالیٰ اسی طرح مخاطب ہیں اسی طرح تنبیہ کر رہے ہیں جس طرح ہم سے پہلے چھ قوموں کو کی جا چکی ہے اور ان کا انجام بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہمارے سامنے رکھ دیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمارے بعد بھی کوئی امت ہوگی۔ تو اس کا جواب بھی اسی آیت میں ہے۔ اگر **سَبۡعًا** سے زبریں ہٹا دی جائیں تو پتہ چلتا ہے کہ مجموعی تعداد بھی سات ہی ہے۔ اب اگر آیت میں مزید غور کریں تو اس کے معنی یہ بنیں گے۔ **سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِی.** ہم نے دیا تجھے ایک کے بعد دوسرا آنے والا سات میں سے ساتواں۔ یعنی ہم ساتویں اور آخری امت ہیں۔

اب اگر ہم اس آیت کو پچھلی آیات کے ساتھ ملائیں اور ان کے معنی پر غور کریں تو اس کے معنی مزید وسیع ہو جائیں گے۔

وَمَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِیۡمُ.

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنٰکَ سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ وَالۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِیۡمَ.

اور نہیں ہم نے خلق کیا آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ اور اس میں کچھ شک نہیں وہ

ساعت آئے گی یا لائی جائے گی۔ اس میں کچھ شک نہیں تیرا رب وہی ہے سب کو خلق کرنے والا العلیم ہے اور تحقیق ہم نے دیا تجھے ایک کے بعد دوسرا آنے والا سات میں سے ساتواں یا سات۔

یعنی کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان میں مجموعی طور پر سات بار خرابیوں اور ان کے نتیجے میں تباہی کی گنجائش رکھی ہے۔ جیسے کوئی شئے ہو اس میں خرابی ہونے کے بعد اس کو ٹھیک کروالیا جائے تو پھر قابل استعمال ہو جاتی ہے پھر خراب ہو جائے تو ٹھیک کروانے کے بعد پھر قابل استعمال لیکن بہر حال ایک وقت آتا ہے جب شئے میں دوبارہ ٹھیک ہونے اور قابل استعمال رہنے کی گنجائش نہیں رہتی آخری خرابی کے بعد مکمل طور پر بے کار ہو جاتی ہے بلکل اسی طرح اللہ سبحان وتعالیٰ نے اس کائنات میں سات بار خرابیوں کی گنجائش رکھی ہے ساتویں کے بعد یہ نا قابل استعمال ہو جائے گی۔ ہم سے پہلے چھ بار فساد کیا جا چکا چھ بار تباہی آچکی اور اب ساتویں بار فساد اپنے عروج پر پہنچ چکا ہے۔ تو جیسے پیچھے چھ بار ساعت آئی یعنی فساد کے نتیجے میں آنے والی تباہی ویسے ہی اب آئے گی اور اب یہ آخری تباہی ہوگی۔ اس ساعت کا ذکر کیا گیا ہے۔

وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ. اور قرآن عظیم

قرآن کے معنی کو بھی سامنے رکھ لیجئے ویسے تو لفظ قرآن کے معنی بہت وسیع ہیں جن پر کسی اور موقع پر بات ہوگی لیکن یہاں ہم قرآن کے صرف دو معنوں کو بیان کریں گے کیوں کے یہ دو معنی ہمارے موضوع کا احاطہ کریں گے۔ ان شاء اللہ

ایک تو قرآن اللہ سبحان وتعالیٰ نے اس ہدایت نامے کو بھی کہا ہے جو ہمارے لیے اللہ کی جبل ہے یعنی اس رسی کا سرا جسے ہم مضبوطی سے تھام کر منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔ اس میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے وہ تمام ہدایات دے دیں جن پر عمل کرنے سے آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے فساد سے بچا رہے گا ہم بھی انہیں میں آتے ہیں۔

اور دوسرے معنی۔ قرآن قرن سے ہے قرن عربی میں زمانے یا صدی کو کہتے ہیں۔ جیسے عربی کا ایک لفظ خلق ہے اس سے مراد ایک خلق ہوتی ہے لیکن اگر خل اور ق کے درمیان الف آجائے جس سے خلاق یا خلٰق بن جائے گا جس کے معنی تمام مخلوقات کے ہوں گے۔ بلکل اسی طرح قرن ایک زمانہ یا ایک صدی اور قران یعنی قر اور ن کے درمیان الف کے استعمال سے جتنی بھی صدیاں یا زمانے ہیں وہ سب شمار ہو جاتے ہیں۔ قران مطلب رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے لیکر قیامت تک کی تمام صدیاں ایک ہی زمانے کے طور پر دے دی گئیں۔ آیت کے پیچھے اللہ سبحان وتعالیٰ نے سات ایک کے بعد دوسرے آنے والے میں سے ساتواں یا سات دیا یعنی ہمیں سات زمانوں جو ایک کے بعد دوسرے آنے والے ہیں ساتواں زمانہ دیا گیا۔

ساتواں دیا گیا تو ظاہر ہے چھ کے بعد سات آتا ہے تو اس سے پہلے چھ زمانے گزر چکے۔

اور ہمیں جو زمانہ دیا گیا یہ العظیم ہے۔ اس کا مادہ ''ع ظ م، عظم'' ہے جس کے معنی ہڈی کے ہیں۔ ہڈی میں ایک تو مضبوطی اور سختی پائی جاتی ہے دوسرا اس میں شدت یعنی وہ مڑتی نہیں اور تیسرا ہڈی جسم میں پائی جاتی ہے اگر جسم سے ہڈی نکال دی جائے تو جسم بے وقعت ہو جاتا ہے اس کی پیچھے کوئی حثیت نہیں رہتی۔

ہمیں جو ساتواں زمانہ دیا گیا یہ عظیم ہے یعنی ایک تو اس میں سختیاں، آزمائشیں، تباہیاں، فساد وغیرہ اور آخری تباہی پچھلے زمانوں کے سامنے ایسی ہی حثیت رکھتی ہے جیسے جسم میں ہڈی کی حثیت و اہمیت ہوتی ہے۔ کہ اگر اس زمانے کو نکال دیا جائے تو پچھلے زمانوں کی کوئی حثیت و اہمیت نہیں رہتی۔ اس طرح جس سطح پر اور جس لحاظ سے بھی آپ غور کریں گے اس زمانے کی اہمیت و حثیت باقیوں کے سامنے ہڈی کی سی حثیت ہوگی جیسے کہ پچھلوں پر ان کے کرتوتوں کے سبب جو بڑی تباہی مسلط ہوتی تھی اس کی اس آنے والی تباہی کے سامنے کوئی حثیت و اہمیت نہیں یہ بہت بڑی تباہی ہوگی۔ اور پچھلی تباہیوں میں آپ قوم نوح پر آنے والی تباہی کو دیکھیں تو وہ بھی رونگٹے کھڑے کر دینے والی ہے لیکن اس کی حثیت اس آنے والی تباہی کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ اس طرح بلکل واضع ہو جاتا ہے کہ آنے والی آخری تباہی جو پوری روئے زمین کو حیات کا خاتمہ کرے گی یعنی ساعت وہ بھی عظیم ہوگی۔

قرآن زمانے اور ایک زمانے کو قرن کہتے ہیں۔ زمانہ کہلاتا اپنے شروع سے آخر یعنی خاتمے تک کا وقت۔ تو شروع سے آخر تک جو بھی اس میں آتا ہے۔ قرآن عظیم یعنی ان زمانوں میں سے عظیم زمانہ ہے تو اس میں جو کچھ بھی ہے وہ بھی عظیم ہے جیسے کہ اس کے آخر میں جو ساعت آئے گی جو اس زمانے کا اختتام کرے گی وہ بھی عظیم ہوگی۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَىْءٌ عَظِيْمٌ. الحج ۱

اے انسانوں بچو اپنے ربّ سے، اس میں کچھ شک نہیں ساعت کا زلزلہ عظیم شئے ہوگا۔

ہم نے پیچھے کہا تھا کہ یہ آخری آنے والی ساتویں ساعت بھی عظیم ہوگی۔ عظیم کے معنی الحمدللہ ہم پیچھے جان چکے ان معنوں کا ذہن میں ہونا چاہیے کیونکہ ہم دوبارہ ان معنوں کا استعمال نہیں کریں گے مگر ضرورت کے مطابق باقی جب بھی لفظ عظیم کا ذکر آئے تو فوراً اس کے معنوں کو ذہن میں یاد رکھنا ہے۔

عظیم ساعت کا ذکر اللہ سبحان وتعالیٰ سورت الحج کی پہلی ہی آیت میں کیا ہے جس سے یہ بلکل واضع ہو جاتا ہے کہ اس ساعت

کی وضاحت اس سورت میں بیان کی جائے گی۔ کیونکہ قرآن کا اسلوب ہی یہی ہے جو لفظ بیان ہوتا ہے آگے اس کی وضاحت کرتا ہے۔ گزرنے والی آیت کی آگے آنے والی آیات وضاحت کرتی ہیں یوں ہر لفظ، ہر آیت کا آپس میں ربط قائم ہے۔ قرآن میں غور وفکر کرتے ہوئے جب تک یہ ربط قائم رہے گا تک تک قرآن کے راز کھلتے رہیں گے ورنہ اگر ربط قائم نہ رہا جو کہ تراجم میں بلکل بھی نہیں ہے تو پھر قرآن کے راز نہیں کھلیں گے۔

پہلی ہی آیت میں ساعت عظیم کا ذکر ہے تو فوراً یہ واضع ہو جانا چاہیے کہ اس ساعت کے بارے میں جاننے کے لیے یہ سورت بھی عظیم ہے۔ یہی صورت اس ساعت کا وہ علم بیان کرے گی جو اللہ نے قرآن میں رکھ دیا۔ اس سورت کی آیات قرآن میں جہاں جہاں لے کر جائیں گی وہاں وہاں ہمیں ساعت کے بارے میں ہی علم ملے گا۔ یہ باتیں بھی ذہن میں ہونا لازمی ہیں۔ ہم آیت کو صرف اپنے موضوع کے لحاظ سے بیان کریں گے آیت کے باقی جتنے بھی رخ ہیں ان پر یہاں بات نہیں کی جائے گی۔ تو آیت میں سب سے پہلا راز جو اللہ سبحان وتعالیٰ نے اس ساعت کا بیان کیا وہ یہ کہ وہ ایک زلزلہ عظیم ہوگا۔ ایسا زلزلہ کہ اس کے علاوہ جتنے بھی زلزلے ہیں ان کے اس کی سامنے کوئی حثیت نہیں۔

اس کے بعد اللہ سبحان وتعالیٰ اس ساعت کی سختیوں کو بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہی بات جو پیچھے گزر چکی اسی کا آگے تسلسل ہے کہ آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ سجدے میں ہیں یعنی سب کی سب مخلوقات رائی برابر بھی عمل اپنی مرضی سے نہیں کرتیں اور ایسا اس لیے ہے کیونکہ اگر کسی نے رائی برابر بھی اپنی مرضی کی تو فساد ہوگا اور اللہ مفسدوں سے حب نہیں کرتا ان کا ٹھکانہ انتہائی برا ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی بیان کیا اللہ سبحان وتعالیٰ نے سب کا اس ساعت عظیم سے گہرا تعلق ہے۔ پوری سورت میں غور وفکر کیجئے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۔ الحج ۴۱

ایسے لوگ کہ ہم اختیار دیتے ہیں جنہیں ارض میں قائم کرتے ہیں صلاۃ اور زکاۃ دیتے ہیں اور امر کرتے ہیں معروف کیساتھ اور روکتے ہیں جس سے منع کیا گیا اور اللہ کے لیے ہے تمام امور کی عاقبت۔

صلاۃ کا مادہ صل ہے جس کے معنی خالق کی ہدایات کے مطابق ہر انسان کو اس کے مقام پر رکھنے کے ہیں جس وجہ سے باقی

تمام مخلوقات خود بخود اپنے اپنے مقام پر قائم ہو جائیں گی۔ اگر ہر شئے اپنے مقام پر ہے تو ان کی حفاظت کرنا یعنی اللہ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا لوگوں کو اس کا حکم دیتے ہیں ڈنڈے کے زور پر اور روکیں گے اس سے جس سے اللہ نے منع کر دیا ۔ جب اس طرح ہوگا تو صلاۃ قائم ہوگی یعنی اللہ کی تمام مخلوقات اپنے اپنے مقام پر رہیں گی جس سے وہ اس مقصد کو پورا کر پائیں گی جس کے لیے اللہ نے انہیں خلق کر کے ان کے مقام پر رکھ دیا انہیں ان کی لائن پر لگا دیا۔ یہ ہے صلاۃ جو کہ صل سے ہے اور اس کی ضد ہے فسد جس کے معنی ہیں شئے کو اس کے مقام سے ہٹا دینا یا اس کے مقام یا اس میں کوئی بھی تبدیلی کر دینا خوہ وہ کمی یا زیادتی کی صورت میں کی جائے جا کسی بھی لحاظ سے کسی بھی سطح پر اس کے مقام میں تبدیلی کر دینا۔ یعنی اللہ نے تمام مخلوقات کو جس جس مقام پر رکھا ہے ان میں چھیڑ چھاڑ نہیں کی جائے گی ورنہ انجام کیا ہوگا وہ پیچھے گزر چکا ہے اللہ نے قرآن میں بار بار بیان کر دیا کہ اس نے سب کچھ حق کیساتھ خلق کیا ہے۔ اگر کسی مخلوق کے مقام میں تبدیلی کی جائے گی جسے فساد کہتے ہیں تو اس کا نتیجہ تباہی کی صورت میں نکلے گا۔ جو اللہ کی طرف سے سزا ہوگی جسے عربی میں عذاب کہتے ہیں۔ اسی کا اللہ سبحان وتعالیٰ نے آگے ذکر کر دیا کہ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ اور اللہ کے لیے ہے تمام امور کا انجام۔ یعنی عمل کا اختیار اللہ نے انسان کو دے دیا لیکن اس کے ردعمل کا اختیار اللہ سبحان وتعالیٰ نے انسان کے اختیار میں نہیں دیا۔ ردعمل وہی نکلے گا جس کا تعین اللہ سبحان وتعالیٰ نے قدر میں کر دیا۔ اور اس سے اللہ سبحان وتعالیٰ نے آگاہ کر دیا۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ. الحج ۴۲

اور اگر کذب کرو گے پس تحقیق کذب کیا تھا ان سے قبل قوم نوح اور عاد اور ثمود نے۔

اور اگر کذب کرو گے کذب کرنا کیا ہے اس کی وضاحت پچھلی آیت میں ہی گزر چکی ہے کہ اللہ جنہیں زمین میں اختیار دیں ان پر فرض ہے کہ وہ صلاۃ قائم کریں۔ یعنی اللہ کی مخلوقات کو اللہ نے خلق کر کے جس جس مقام پر رکھا اسی پر رہنے دیں اور لوگوں کو ان کاموں کا حکم دیں جن کا اللہ نے حکم دیا اور روکیں ان سے جن سے اللہ نے منع کیا۔ اس لیے تا کہ جب اس طرح لوگ زندگی گزاریں گے تو اللہ کی کسی بھی مخلوق کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا سب اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئی اپنی اپنی ذمہ داری پوری کریں گی اور جنہوں نے ایسا نہ کیا تو پھر کیا ہوگا؟ پھر صلاۃ کی ضد فساد ہوگا۔

جیسے گلاس میں پانی ڈالیں گے تو ہوا نکل جائے گی اور اگر پانی نہیں ڈالیں گے تو ہوا ہوگی۔ بلکل اسی طرح جن کو اللہ زمین پر اختیار دیں اگر وہ اللہ کی مخلوقات کو ان کے مقام پر نہیں رہنے دیں گے تو فساد ہوگا۔ یہ تو انسان کے اعمال ہوں گے جو انسان کے اختیار میں ہیں لیکن ان کا ردعمل کیا نکلے گا یہ اللہ نے انسان کے اختیار میں نہیں دیا۔ اس کا اللہ نے یہاں واضح کر دیا کہ

اگر تم صلاۃ قائم نہیں کرو گے اور فساد کرو گے تو تم سے جو پہلے تھے انہوں نے بھی یہی کیا تھا اور ان کا انجام تمہارے سامنے ہے۔ اور یہاں اللہ سبحان وتعالیٰ نے ان قوموں کا ذکر بھی کر دیا۔ جن کی تعداد چھ بنتی ہے۔ ان چھ تباہ شدہ اقوام کا اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن میں طرح طرح سے ذکر کیا ان کو ان کی مختلف صفات سے بھی پکارا۔

چھ کی چھ قوموں کا ذکر سورۃ الاعراف میں تسلسل کیساتھ ہے ایک ہی جگہ۔

جن میں سب سے پہلی قوم نوح تھی اس کے بعد قوم عاد پھر قوم ثمود پھر قوم لوط پھر آل فرعون پھر قوم شعیب اور آ کری اور ساتویں قوم جو کہ فساد کرنے والوں میں سے ہے جو پہلوں کی طرح ساعت کے آنے کا سبب بنے گی آج موجودہ انسان ہیں۔ پچھلی قوموں کے زمین پر اتنے آثار ہونے کے باوجود کہ انسان ان سے سبق سیکھتا لیکن آج پھر وہی کر رہا ہے۔ جس پر اللہ سبحان وتعالیٰ متنبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

۴۴ اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَتَکُوۡنَ لَہُمۡ قُلُوۡبٌ یَّعۡقِلُوۡنَ بِہَاۤ اَوۡ اٰذَانٌ یَّسۡمَعُوۡنَ بِہَا ۚ فَاِنَّہَا لَا تَعۡمَی الۡاَبۡصَارُ وَ لٰکِنۡ تَعۡمَی الۡقُلُوۡبُ الَّتِیۡ فِی الصُّدُوۡرِ ۔ الحج ۴۶

کیا پس نہیں پھرے ارض میں پس ہوتے ان کے لیے دل عقل لانے والے اس کے ساتھ یا کان سنتے ان کے ساتھ پس اس میں کچھ شک نہیں نہیں اندھا ہوتا دیکھنے سے اور لیکن اندھے ہوتے ہیں دل جو سینوں میں ہوتے ہیں۔

پیچھے کتاب میں پچھلی قوموں کے آثار اور ان کی ترقی کی دہلا دینے والی تفاصیل بیان کی گئی ہیں پچھلی ان قوموں کے آثار دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے ترقی کے نام پر کتنا فساد کیا تھا اور وہ کس قدر آج کے انسانوں سے آگے تھیں۔ لیکن انجام کیا ہوا؟ اسی طرف اللہ سبحان وتعالیٰ توجہ دلا رہے ہیں۔ کہ انہوں نے بھی یہی کیا تھا جو آج تم کر رہے ہو۔ لیکن ان کا انجام کیا ہوا یہ دیکھ کر تمہیں عقل نہیں آتی اور عقل آئے بھی کیسے جب کہ ہیں ہی اندھے اور اندھا انسان دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہونے سے نہیں ہوتا بلکہ اللہ انسان جو دیکھتا اور سنتا ہے اس کی تعبیر دل میں پیدا ہوتی ہے بشرطیکہ دل مردہ نہ ہو۔ اور دل مردہ کیسے ہوتے ہیں جس سے انسان صرف دیکھنے اور سننے کی صلاحیت تو رکھتا ہے لیکن کچھ سمجھنے سے قاصر رہتا ہے اسے جاننے کے لیے ہماری کتاب ''حلال طیب اور فتنہ دجال'' کا ضرور مطالعہ کریں۔

وَمَا اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا وَّلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ

. سبا ٢٨

اورنہیں بھیجا ہم نے تجھے مگر تمام کے تمام انسانوں کے لیے بشارت دینے والا اور ممکنہ خطرات سے متنبہ کرنے والا آگاہ کرنے والا اور لیکن انسانوں کی اکثریت نہیں علم رکھتی۔

وَیَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ. سبا ٢٩

اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم ہو سچے

اَلَآ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰکِنَّ اَکۡثَرَهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ. یونس ٥٥

جان لو اس میں کچھ شک نہیں اللہ کا وعدہ حق ہے اور لیکن ان کی اکثریت نہیں علم رکھتی۔

اِنَّ مَا تُوۡعَدُوۡنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ. الانعام ١٣٤

اس میں کچھ شک نہیں جو وعدہ تم سے کیا گیا ہے آئے گا ہی آئے گا اور نہیں تم اس سے عاجز کر سکتے۔

قُلۡ لَّکُمۡ مِّیۡعَادُ یَوۡمٍ لَّا تَسۡتَاۡخِرُوۡنَ عَنۡهُ سَاعَةً وَّلَا تَسۡتَقۡدِمُوۡنَ. سبا ٣٠

کہو تمہارے لیے میعاد ہے ایک یوم کی نہیں اس سے موخر کیا جائے گا ایک لمحہ بھی اور نہ ہی اس سے ایک لمحہ پہلے۔

وَیَسۡتَعۡجِلُوۡنَکَ بِالۡعَذَابِ وَلَنۡ یُّخۡلِفَ اللّٰهُ وَعۡدَهٗ ؕ وَاِنَّ یَوۡمًا عِنۡدَ ٤٦

رَبِّکَ کَاَلۡفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ. الحج ٤٧

اور عجلت کر رہے ہیں تجھ سے عذاب سے اور ہرگز نہیں خلاف کرے گا اللہ جو اس کا وعدہ ہے، اور اس میں کچھ شک نہیں یوم تیرے رب کے ہاں ایک ہزار سال جو تمہاری گنتی ہے۔

کیسے عذاب کی عجلت کر رہے ہیں اس کی پیچھے بار بار وضاحت گزر چکی۔ جیسے پہلی قوموں نے عذاب کے لیے عجلت کی یعنی

فساد کیا آسمانوں اور زمینوں کی مخلوقات میں چھیڑ چھاڑ کی جس کے نتیجے میں نظام درہم برہم ہو گیا اور بڑی تباہی انہیں آ گھیرتی۔ بلکل اسی طرح آج یہ بھی اپنے اعمال کے ذریعے ویسے ہی جلدی میں ہیں۔ یعنی اگر یہ آسمانوں اور زمینوں میں خرابیاں کریں گے فساد کریں گے تو اللہ نے قدر میں جیسے کیا ہوا ہے اسی کے مطابق وہ خرابیاں نقصان کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور جس بڑے پیمانے پر یہ فساد کر رہے ہیں اس طرح جو اللہ کا وعدہ ہے یہ جو اس نے قدر میں کیا ہوا ہے اس کے مطابق اس کے ہاں ایک یوم جسے تمہاری گنتی کے مطابق ہزار سال ہے۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے یہاں بلکل واضع کر دیا کہ اس کا وعدہ عذاب اس حساب سے آئے گا کہ ایک یوم انسانوں کے ایک ہزار سال۔ تو اللہ نے کتنے یوم خلق کیے؟

اللہ سبحان وتعالیٰ نے سات یوم خلق کیے۔ کوئی آٹھواں یوم نہیں۔ جب ایک یوم ایک ہزار سال تو سات یوم سات ہزار سال بنتے ہیں۔

یعنی بلکل وہی جو اللہ نے اس آیت میں بیان کیا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ

اور تحقیق ہم نے دیا تجھے ایک دوسرے کے بعد آنے والے سات میں سے ساتواں۔

اب جب ہم دنوں میں غور وفکر کریں تو دن بھی سات ہیں اور ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں۔ ہمیں اللہ سبحان وتعالیٰ نے جمعہ دیا یہ ساتوں میں سے ساتواں اور آخری ہے۔ پچھلوں کو ایک ایک یوم ملا اور ہمیں بھی ایک یوم۔ اب جو بھی صلاۃ قائم کرے گا تو اسے یوم میں اتنا وقت مزید ملے گا۔ اسے ہم یوں سمجھ سکتے ہیں۔

مثلاً ایک گاڑی جب اس میں پہلی خرابی ہوتی ہے تو وہ نشانی ہوتی ہے کہ گاڑی کا اپنے خاتمے کی طرف یہ پہلا قدم ہے۔ اور اس پہلی خرابی کے دس سال بعد گاڑی مکمل بے کار ہو جائے گی۔ تو اگر گاڑی میں آج پہلی خرابی ہوئی تو یہ بات طے ہو چکی کہ دس سال بعد بے کار ہو جائے گی۔ اور خرابی تب پیدا ہوتی ہے جب خالق کی ہدایات کے برعکس عمل کیا جائے۔ اور تصور کریں اگر ایک سال تک خالق کی ہدایات پر عمل کیا جائے اور ایک سال بعد لاپرواہی کرنے سے پہلی خرابی پیدا ہو تو گاڑی دس کی بجائے گیارہ سال بعد تباہ ہو گی۔ اس طرح کچھ قوموں نے صلاۃ قائم کی جس سے فساد نہ ہوا تو انہیں زمین پر ایک یوم سے زیادہ وقت مل گیا حالانکہ ویسے تو سات قوموں کے لیے ایک ایک یوم تھا جو مجموعی لحاظ سے سات ہزار سال بنتے ہیں۔ لیکن

کسی نے خالق کی ہدایات پر زیادہ دیر عمل کیا تو زیادہ مدت پائی اور کسی نے کم تو تو جلدی فساد ہونے کی صورت میں جلدی تباہی آئی۔

یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الۡاَرۡضِ ثُمَّ یَعۡرُجُ اِلَیۡهِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُهٗۤ اَلۡفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ. السجدہ ۵

تدبیر کرتا ہے امر کی آسمان سے زمین کی طرف پھر پلٹتا ہے اس کی طرف ایک یوم میں، تھا وہ قدر میں کر دیا ایک ہزار سال سے جو تم گنتے ہوں۔

یُدَبِّر. دبر سے ہے جس کے معنی پیچھے کے ہیں۔ اور یُدَبِّر کے معنی پیچھے جو ہوا اس کو سامنے رکھ کر اس سے آئندہ کے لیے لائحہ عمل طے کرنا۔

یُدَبِّرُ الۡاَمۡر. یعنی ایک کام پیچھے ہوا اس کو سامنے رکھتے ہوئے لائحہ عمل طے کرنا اور اس کام کو سرانجام دینا جو پچھلے کام جو کہ عمل تھا اس کا ردِ عمل کہلائے گا۔ یُدَبِّرُ الۡاَمۡر. یعنی انسان جو بھی عمل کرتا ہے اللہ سبحان وتعالیٰ اس کے عمل کیمطابق اس کا ردِ عمل ظاہر کرتے ہیں۔ یوں یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور ہزار سال میں اللہ کا امر اس کی طرف رجوع کرتا ہے یعنی جب ہزار سال ہوتے ہیں تو پورے ہزار سال کا نتیجہ نکال دیا جاتا ہے۔ ہزار سال کے درمیان انسان کے بہت سے اعمال کا ردِ عمل بظاہر اس کے حق میں اور اس کے لیے نفع مند نظر آتا ہے لیکن حقیقت اس کے بلکل برعکس ہوتی ہے۔ ایسے ردِ عمل جن سے انسان کا بظاہر فائدہ ہوتا ہے وہ انسان کی تباہی کے لیے ہی راہ ہموار کرتے ہیں۔ جیسے اگر آپ کا ایک باغ ہو اس کے پھل پکے ہوئے ہوں اور باغ میں کچھ چور گھس آئیں اور وہ پھل توڑنے میں مصروف ہو جائیں آپ کو اس کا علم ہو اس کے باوجود آپ بلکل بے فکر ہوں تو ظاہر ہے آپ اسی لیے بے فکر ہوں گے کہ آپ نے کوئی نہ کوئی انتظام کر رکھا ہوگا۔ کہ ابھی تو وہ بہت مزے سے پھل توڑ رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ وہ کامیاب ہو گئے اور انہیں نفع ہو رہا ہے لیکن جیسے ہی فارغ ہوں تو اپنے آپ کو باغ میں قید پائیں اور جکڑ دیئے جائیں۔ بلکل اسی طرح اللہ سبحان وتعالیٰ نے قدر میں ہی ایسا کر دیا ایسا جال بچھا دیا۔ کہ جب انسان ایسے عمل کرتا ہے جو اللہ کے قانون کے خلاف ہیں تو بظاہر وہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ وہ بڑے معرکے سر کر رہا ہے بہت ترقی

کر رہا ہے اسے بہت نفع ہو رہا ہے لیکن جیسے ہی اللہ کا امر غالب آتا ہے جسے زمانے کا بدلنا بھی کہتے ہیں تو انسان بے بس و لاچار ہو جاتا ہے اچانک نہ بچنے والی بڑی تباہی اسے ایسے آگھیرتی ہے کہ اس کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہوتی۔

تو اس آیت میں اسی کا اللہ سبحان وتعالیٰ ذکر کر رہے ہیں کہ اللہ تدبیر کرتا ہے امر کی یعنی اللہ کی مرضی و حکم کے علاوہ کسی نے اس کی کائنات میں عمل کیا تو اس کے عمل کا جواب دینے کے لیے اللہ کا امر آتا ہے اور وہ ایک یوم میں اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے ایسا یوم کہ جس کو اللہ قدر میں ہمارے ایک ہزار سال کر دیئے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِىْ

اور تحقیق کہ ہم نے دیا تجھے ایک دوسرے کے بعد آنے والے سات میں سے ساتواں۔

اللہ کے سات امر ہیں اور ہمیں ان سات میں سے ایک کے بعد دوسرے آنے والوں میں ساتواں دیا۔ یعنی اس سے پہلے اللہ کے چھ امر اللہ کی طرف رجوع کر چکے یا چھٹا امر جاری تھا اور پانچ رجوع کر چکے۔ اب ساتواں امر ہم جو ہمیں دیا گیا۔ تو ایک امر ایک یوم کا، ایک یوم ہمارے ہزار سال کا، سات امر سات ہزار سال۔

اب سات زمانے جن میں سات قومیں، ہر قوم پر اللہ کا ایک امر، ایک امر ایک یوم، ایک یوم ہمارے ایک ہزار سال، سات امور سات ہزار سال۔

سات زمانے جن میں سات قومیں ہر قوم کا ایک ایک یوم اور ایک یوم ہزار سال، مجموعی طور پر سات ہزار سال۔

اسی طرح سات یوم ہیں ایک یوم ایک ہزار سال کا اور سات یوم سات ہزار سال کے۔

جیسے اللہ کا ایک امر ایک یوم کا جس یوم کی مقدار ہمارے ہزار سال کے برابر ہے۔

''اللہ کے ہاں ایک یوم جیسے ہماری گنتی کے ہزار سال ہوتے ہیں اس سے مراد یہ نہیں کہ اسی مقدار کے چھ یوم یعنی چھ ہزار سال میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو خلق کیا۔ اس کا پس منظر بلکل مختلف ہے قرآن میں اس کا بھی صراحت کے ساتھ ذکر ہے اس یوم کی ہمارے شمار کے مطابق مقدار کیا ہے اس کا حساب لگانا بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن میں رکھ دیا ہے اور وہ بلکل بھی مشکل نہیں۔ یہاں اس پر بات کرنا ہمارے موضوع کا حصہ نہیں لیکن ہم اسے سمجھنے کے لیے یہاں چھوٹی سی وضاحت کرتے چلتے ہیں۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ

سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ. السجدہ ۵

تدبیر کرتا ہے امر کی آسمان سے زمین کی طرف پھر پلٹتا ہے اس کی طرف ایک یوم میں، تھا وہ قدر میں کر دیا ایک ہزار سال سے جو تم گنتے ہوں۔

اس آیت میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے کہا کہ وہ تدبیر کرتا ہے امر کی آسمان سے زمین کی طرف۔ یہاں یہ نہیں ہے کہ وہ عرش سے تدبیر کرتا ہے۔ یہ بات انتہائی قابل غور ہے۔ یعنی اگر یہاں یہ ہوتا کہ وہ عرش سے تدبیر کرتا ہے امر کی زمین کی طرف پھر وہ ایک یوم میں پلٹتا ہے جو قدر میں کر دیا تھا تمہارے شمار کے ہزار سال، تو اس کا مطلب تھا کہ اللہ کا ایک یوم ہمارے ہزار سال کا ہوتا ہے اور ہزار ہزار سال کے چھ یوم میں آسمانوں اور زمینوں کو خلق کیا۔ لیکن یہاں عرش کی بجائے لفظ مِنَ السَّمَآءِ ہے۔ جس کے معنی بلندی کے ہیں۔ اسے یوں سمجھ لیجئے کہ اللہ کے سات امر ہیں جن میں سے چھ اس کی طرف رجوع کر چکے اب آخری بھی رجوع کے قریب تر ہے۔ یہ ساتوں امر زمین والے آسمان سے باہر نکلیں تو یہ چھ نہیں رہیں گے بلکہ ایک امر ہو جائے گا جس کی مقدار ہمارے شمار کے مطابق سات ہزار سال بن جائے گی۔ زمین والے آسمان یعنی جو زمین کے گرد سا گیس کی تہیں ہیں جب ان سے باہر نکلیں تو پھر صرف زمین ہی نہیں ہوگی پھر اور ستارے اور سیارے وغیرہ بھی سامنے آجائیں گے۔ تو ان پر جو نظام چل رہا ہے ظاہر ہے وہ بھی اللہ کے امر سے ہے تو ایسے ہی پیچھے چلے جائیں جہاں سے ہمارے نظام شمسی کی آخری حد ہو تو وہاں جو اللہ کا امر ہوگا اس میں وہ تمام امور ہوں گے جن سے پورے نظام شمسی کے لیے امور درکار ہیں۔ تو نظام شمسی کی حد پر جو امر ہوگا اس کی مقدار اسی حساب سے ہوگی۔ جب وہ امر داخل ہوگا نظام شمسی میں تو وہ ایک نہیں رہے گا بلکہ وہ سورج اور نظام شمسی میں موجود تمام چاند اور سیاروں کے امور میں تقسیم ہو کر کئی امور بن جائیں گے۔ بلکل اسی طرح پیچھے جائیں ایک کہکشاں کی حدود تک اس سے پیچھے پورے آسمان دنیا کی حد پر۔ آسمان دنیا کی حد پر جب ہم پہنچے گے تو وہاں والے امر کی مقدار وہ بنے گی جو وہ ایک یوم ہوگا جس طرح کے چھ یوم میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے سات آسمانوں کو خلق کیا۔

یہ بلکل ایک درخت کی سی مثال ہے۔ درخت کا ایک تنا ہوتا ہے وہ آگے جا کر چند بڑی شاخوں میں تقسیم ہو جاتا ہے اور ہر شاخ بتدریج مزید لاتعداد شاخوں میں تقسیم ہوتی چلی جاتی ہے اس کے بعد پتے اور آخر میں پھل۔ بلکل ایسے ہی اللہ کا ایک امر جو ایک آسمان کے لیے ہے اس میں تمام کہکشاؤں کے امور ہوتے ہیں۔ پھر ہر کہکشاں میں تمام ستاروں وسیاروں کے امور ہوتے ہیں اسی طرح اللہ کا امر تقسیم در تقسیم ہوتا ہوا ایک ذرے تک جاتا ہے۔ اللہ کا وہ امر جس کا تعلق انسانوں کے ساتھ ہے اس کی مقدار ایک ہزار سال ہے اور اگر اللہ کا ایک امر جو ایک ذرے کے لیے ہوگا تو وہ مزید تقسیم ہوتا ہوا ذرے کی حد تک آکر اس کی

مدت بہت کم ہو جائے گی۔ اور اس کی مدت کا شمار کتنا ہے وہ راز بھی اللہ نے قرآن میں رکھ دیا۔ انسان والے اللہ کے امر کی مقدار کیوں ہزار سال ہے یہ راز بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے بہت صراحت سے بیان کر دیا۔ ہمارا موضوع نہیں اس لیے اس پر بات نہیں کریں گے۔

ایک چھوٹی سی مثال اور لے لیتے ہیں تا کہ سمجھنے میں اگر کوئی کسر رہ گئی ہو تو وہ بھی دور ہو جائے۔ مثال کے طور پر آپ کی تعمیراتی کمپنی ہے اور آپ نے ایک گھر تعمیر کرنا ہے جس کے لیے آپ اپنی کمپنی میں جو آپ کا ماتحت ہو گا اسے حکم دیں گے کہ دس سال کی مدت میں یہ گھر تعمیر کرو۔ آپ نے اسے صرف ایک حکم دیا یعنی اس کے لیے صرف یہ ایک ہی امر ہو گا جس کی مدت دس سال ہو گی۔ لیکن جب وہ آگے حکم دے گا تو وہ گھر سے متعلقہ تمام شعبوں کو حکم دے گا جس جس شعبے کا جو جو کام ہو گا۔ اگر دس شعبے ہیں تو ہر شعبے کو ایک ایک امر جاری کیا جائے گا۔ یوں پیچھے مالک کی طرف سے آنے والا ایک امر جس کی مدت دس برس تھی آگے جا کر دس میں تقسیم ہو کر ہر امر کی مدت ایک ایک سال ہو جائے گی۔ پہلا شعبہ ایک سال میں گھر کی بنیاد کے لیے زمین وغیرہ ہموار کرے گا۔ دوسرا اس سے آگے ایک سال میں اپنا کام کرے گا۔ تیسرا اس سے اگلے سال میں اپنا کام مکمل کرے گا یہاں تک کہ جب دسواں شعبہ ایک سال میں اپنا کام مکمل کرے گا تو مالک کی طرف سے آیا ہوا ایک امر جس کی مدت دس برس تھی وہ دس امور میں تقسیم ہو کر ہر امر کی مدت ایک ایک سال میں تقسیم ہو کر مالک کا امر مکمل ہو گا۔ پھر اسی طرح اگر ایک شعبے کو جو امر ملا جس کی مدت ایک سال ہو گی تو وہ شعبہ بھی آگے اپنے کام کو جتنے حصوں میں تقسیم کر کے آگے احکامات دے گا تو یوں وہ ایک سال کی مدت کا دس میں سے ایک امر بھی کئی امور میں تقسیم ہو جائے گا اور ساتھ ہی اس کی مدت بھی تقسیم ہو جائے گی یعنی اگر وہ ایک سال کی مدت کا امر بارہ امور میں تقسیم ہو گا تو وہ بارہ امور ایک ایک ماہ کی مدت کے ہو جائیں گے۔

مالک نے جو امر کیا وہ ایک یوم کا کہلائے گا جس کی مدت اس کے ماتحت کے دس سال کی ہو گی۔ ماتحت جن دس شعبوں کو ایک ایک امر جاری کرے گا وہ ان سب کے لیے بھی ایک ایک یوم کہلائے گا جس کی مدت ان کے ایک سال کی ہو گی۔ پھر ہر شعبہ اپنے متعلقہ شعبوں کو جو بارہ امور کرے گا وہ بارہ امور ایک ایک یوم کے کہلائیں گے جن کی مدت ان شعبوں کے نزدیک ایک ایک ماہ کی ہو گی۔

بلکل اسی طرح مالک کے نزدیک ایک ماہ کا یوم، یوم نہیں کہلائے گا بلکہ اس کے یوم کا آخری حصہ ہو گا جو مالک کے نزدیک یوم کا شام کا وقت ہو گا لیکن جنہیں امر کیا گیا ان کے نزدیک اس کی مدت ایک ماہ ہو گی۔ اسی طرح مالک کے نزدیک ایک سال کا یوم، یوم نہیں بلکہ وہ مالک کے یوم درمیانہ حصہ ہو گا جو مالک کے یوم کا دوپہر کا وقت کہلائے گا۔ لیکن جنہیں وہ امر کیا گیا ان کے لیے وہ ایک یوم جس کی مدت ان کے ایک سال کے برابر ہو گی۔

اسے سمجھنا بہت ضروری ہے۔امید ہے بات کسی حدتک واضع ہوئی ہوگی۔الحمد للہ رب العالمین‘‘

اللہ سبحان وتعالیٰ نے چھ یوم میں آسمانوں اور زمینوں کو خلق کیا۔ان میں ہر ایک یوم کی مقدار کیا ہے ابھی اس پر بات نہیں ہو گی۔ان چھ یوم میں آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کے بعد۔اوپر سے نیچے ساتویں آسمان اور ہمارے نزدیک پہلے آسمان کی زمینوں یعنی سیاروں میں سے ایک سیارے یعنی زمین کا انتخاب کیا جو اس آسمان میں بھی سب سے نیچے ہے۔تصویر کی مدد سے سمجھ سکتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ساتوں آسمانوں میں زمین کو واضع کرتی تصویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔

زمین میں انسان کو خلق کرنے سے پہلے انسان کی تمام ضروریات کو خلق کیا۔جس مدت میں انسان کی تمام ضروریات کو زمین میں خلق کیا وہ مدت ایک یوم کہلائے گی۔

یہاں حدیث۔۔ مسلم جلد ۶ صفحہ ۳۵۵ آدم علیہ السلام کو عصر کے بعد خلق کیا گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس مدت کے آخری حصے میں آدم کو خلق کیا۔جو اس ایک یوم کا عصر کا وقت کہلائے گا۔وہ عصر کا وقت زمین پر انسان کی مکمل زندگی یعنی ایک یوم کہلائے گا جس کی مدت سات ہزار سال بنتی ہے۔پھر اس یوم میں اللہ سبحان وتعالیٰ کا ایک امر ہوا اور اس امر سے اس یوم کے پہلے پہر یعنی مغرب سے عشاء تک ایک قوم بسائی۔مغرب سے عشاء کا وقت ایک یوم کہلائے گا جس کی مدت انسان کے دنوں کے شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہوگی جب وہ امر اللہ کی طرف پلٹا تو ایک ہزار سال گزر گیا پھر دوسرا امر ہوا جس کی مقدار ہزار سال تھی جس سے ان کے بعد ایک دوسری قوم بسائی وہ بھی گزر گئی۔اس کے بعد تیسرا امر، تیسری قوم پھر چوتھا امر چوتھی قوم اور پھر اسی طرح جب چھٹا امر ہوا تو عصر تک چھٹی قوم بھی گزر گئی تو عصر تک اللہ کے چھٹے امر کے دوران چھ قومیں گزر گئیں۔ان چھ قوموں میں ہر ایک کو ایک ایک یوم یعنی ایک ایک ہزار سال دیا گیا لیکن وہ چھ قومیں عصر تک گزر گئیں۔

اس کا مطلب ہے کہ وہ چھ قومیں چھ ہزار سال کی بجائے اس سے کچھ عرصہ پہلے ہی گزر گئیں۔کیوں کہ اگر وہ چھ قومیں چھ امور مکمل ہونے پر گزرتیں تو پیچھے اس یوم کا عصر کا وقت نہیں رہنا چاہیے تھا بلکہ عصر کا بھی کچھ حصہ گزر جانا چاہیے تھا۔

کیونکہ دن میں عصر کا وقت اس کا آخری پانچواں حصہ ہوتا ہے۔اور چھ امور پانچ نہیں بلکہ دن کے چھ حصے گزرنے پر مکمل ہوتے ہیں پیچھے صرف ساتواں حصہ رہ جانا چاہیے تھا۔جو کہ عصر کے وقت سے بھی کم بنتا ہے۔یعنی اللہ نے سات ہزار سال

کے یوم کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا۔ مغرب، عشاء، فجر، ظہر اور عصر۔

سات ہزار سال کے یوم کو پانچ پر تقسیم کریں تو پیچھے ۱۴۰۰ سال بنتے ہیں جو عصر کا وقت نکلا۔ لیکن اگر اس یوم کو پانچ کی بجائے سات پر تقسیم کریں کیونکہ ہر قوم کا ایک ایک ہزار سال کا ایک ایک یوم جو چھ ہزار سال بنتے ہیں اور ساتویں کا اخری یوم ایک ہزار سال تو یوں سات قومیں ہیں سات ہزار سال میں ۔ تو سات ہزار سال کے یوم کو سات پر تقسیم کرنے سے ایک ہزار سال بنتا ہے۔ جو عصر کے وقت ۱۴۰۰ سال سے ۴۰۰ سو سال کم بنتا ہے۔ اس کا مطلب کے پیچھے چھ قومیں چھ ہزار سال کی بجائے اس سے پہلے گزر گئیں۔ سات ہزار سال کے یوم کو پانچ وقتوں میں تقسیم کرنے سے ۱۴۰۰ سال میں ایک وقت نکلا۔ دن کے پہلے چار حصوں میں یعنی ۱۴۰۰ کو چار سے ضرب دیں تو ۵۶۰۰ سال بنتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کیے جانے سے پہلے ۵۶۰۰ سال کے اندر اندر چھ قومیں گزر چکیں۔ اب ضروری نہیں کہ وہ ۵۶۰۰ سال ہی بنتے ہیں یعنی کہ وہ بلکل عصر کا ہی وقت تھا بلکہ اس میں بھی کچھ نہ کچھ آگے پیچھے ہوسکتا ہے جس کا ادراک ہمیں اس سے آگے غور و فکر کرنے سے ہوگا۔ کہ آیا چھ قومیں ۵۶۰۰ سال میں گزریں یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ وقت میں۔

اور پھر اب دن کے آخر یعنی عصر کے وقت محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کیا گیا۔

محمد رسول اللہ ﷺ کو عصر کے وقت مبعوث کیے جانے والی روایت-----------------------

اللہ نے چھ یوم میں آسمانوں اور زمینوں کو خلق کیا اور ساتویں دن عصر کے وقت آدم علیہ السلام کو خلق کیا۔---- والی حدیث-------------------------------

ساتویں یوم کا عصر کا وقت زمین پر خلق کے لیے ایک یوم کہلائے گا۔ پھر اس یوم میں جتنی قومیں آئیں گی جتنی جتنی مدت انہیں ملے گی وہ مدت ان کے لیے یوم کہلائے گی۔ اس طرح انسان کو زمین پر ایک یوم دیا گیا جو کہ سات ہزار سال کا بنتا ہے۔ سات ہزار سال کے یوم میں سات قوموں میں تقسیم کیا گیا۔ ۷۰۰۰ کو ۷ پر تقسیم کریں تو ہر ایک قوم کا ایک ایک ہزار سال بنے گا جو ان کے لیے یوم کہلائے گا۔

سات ہزار سال کے یوم میں اللہ نے سات قومیں بھیجیں۔ ایک یوم میں اللہ نے پانچ صلاۃ قائم کرنے کا حکم دیا۔ اسلام میں دن مغرب سے شروع ہوتا ہے مغرب، عشا، فجر، ظہر اور عصر تک چھ قومیں گزر گئیں اور اب سات ہزار سال کا یوم عصر کے دن کے اختتام تک رہ گیا تو اللہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کیا۔ اس امت کا ایک یوم تو اس کا حق تھا لیکن پچھلی قوموں نے اپنے یوم کی مدت پوری ہونے سے پہلے ہی خود کو تباہ کر لیا تو ان کا بچہ ہوا وقت بھی اس آخری امت کو مل گیا۔

ہمیں عصر کی صلاۃ دی گئی۔ یعنی ہم دنیا میں عصر کے وقت بھیجے گئے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کو عصر کے وقت مبعوث کیا گیا۔ اللہ

سبحان وتعالیٰ نے یوم یعنی ایک دن کو پانچ میں تقسیم کیا۔ مغرب، عشاء، فجر، ظہر اور عصر۔
پوری مدت ۷۰۰۰ سال جس کو پانچ صلاۃ سے تقسیم کریں یعنی اس میں عصر کا وقت نکالیں جس میں رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کیا گیا۔
سات ہزار کو پانچ پر تقسیم کریں تو ۱۴۰۰ سال بنتے ہیں۔ یعنی ۷۰۰۰ سے ۱۴۰۰ منفی کریں تو پیچھے ۵۶۰۰ سال بنتے ہیں جو مدت رسول اللہ ﷺ سے پہلے گزر چکی۔ اور باقی ۱۴۰۰ سال ہیں۔
یعنی امت محمد ﷺ کو جو عصر کا وقت ملا وہ ۱۴۰۰ سال کا بنتا ہے۔ لیکن وہی پیچھے دی گئی مثال کے مطابق اگر قیامت ۱۴۰۰ سال بعد آنی ہے تو اگر خالق کی ہدایات پر عمل کیا جائے تو جس قدر عمل کیا جائے گا صلاۃ قائم ہوگی تو پہلی خرابی بھی اتنی ہی دیر میں ظاہر ہوگی۔ اور جیسے خالق کی ہدایات پر عمل کرنے کا حکم ملا یعنی جیسے اللہ کی غلامی کرنے کا حق تھا اس طرح غلامی صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے کی اور رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ میرے صحابہ ۱۰۰ سال تک رہیں گے۔ یعنی کہ زمین کو ۱۰۰ سال کی مزید مدت مل گئی۔

اس حدیث کے لیے کنزل اعمال جلد ۱۴ صفحہ ۲۱۴ ------------------------

اب صحابہ رضی اللہ عنھم اجمعین کے احسان سے ملے ہوئے ۱۰۰ سال کو ۱۴۰۰ میں جمع کریں تو یہ مدت ۱۵۰۰ سال بنتی ہے۔
یعنی اس آخری قوم آخری امت محمد ﷺ کی زندگی ۱۵۰۰ سال ہے۔

قیامت سے پہلے ۴۰ سال تک اللہ کا نام نہ لینے والوں والی
حدیث ---------------------- کنزل اعمال جلد ۱۴ صفحہ ۲۲۵۔ حدیث ۳۸۴۷۸
۱۵۰۰ سے ۴۰ نکال لیں تو پیچھے ۱۴۶۰ سال رہ جاتے ہیں۔

یہاں دجال کے قتل یا عیسیٰ علیہ السلام کے سات سال بعد مومنوں کی روحیں قبض کرنے والی حدیث -------
۱۴۶۰ سے یہ سات سال نکال لیں تو پیچھے ۱۴۵۳ سال بچتے ہیں۔

امام مہدی سات سال تک رہیں گے والی حدیث-------------

۱۴۵۳ سے امام مہدی علیہ السلام کے سات سال نکال لیں تو پیچھے ۱۴۴۶ سال بچتے ہیں

یعنی امت محمد کی عمر جب ۱۴۴۶ سال ہوگی تو امام مہدی کی مدت خلافت شروع ہوگی، امام مہدی عالمی خلافت کے خلیفہ ہوں گے تو عالمی خلافت کے اعلان کا وقت بھی ۱۴۴۶ بنتا ہے۔

امت کی ابتداء رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے ہوئی جو ہجرت سے گیارہ سال قبل ہوئی۔ یوں ۱۴۴۶ سے ۱۱ سال پیچھے چلے جائیں تو یہ ہجری ۱۴۳۵ بنتا ہے۔ یعنی ۱۴۳۵ ہجری میں خلافت کا قیام اور امام مہدی کا ظہور لازم ہے۔ ۱۴۳۵ کے سات سال بعد ۱۴۴۲ ہجری میں امامت یعنی خلافت عیسیٰ علیہ السلام کو منتقل ہو جائے گی اور اس سے پہلے پہلے ان کا نزول اور دجال کا قتل ہوگا عیسیٰ ابن مریم کی مدت حکومت ساتھ سال ہوگی جو مہدی کے سات سال مدت خلافت کے اختتام سے شروع ہوگی جو ۱۴۴۲ ہجری بنتا ہے اور ۱۴۴۹ تک رہے گی۔

۱۴۴۹ میں سب مومنوں کی روح قبض کر لی جائے گی۔ پیچھے جو بچیں گے وہ نام نہاد موجودہ مسلمان کہلانے والوں اور مشرکین مکہ کی طرح کے ہوں گے جو قیامت کی ساعت کے قائم ہونے تک خود کو مسلم سمجھتے اور کہتے رہیں گے لیکن ہوں گے مشرک و کافر۔

آج ہجری ۱۴۳۷ ہجری ہے۔ ہجری ۱۴۳۵ گزر چکا ہے جو کہ قیام خلافت اور ظہور مہدی کا سال بنتا ہے۔ تو کیا ۱۴۳۵ ہجری میں خلافت کا قیام ہوگیا؟

حیران کن طور پر اسی سال خلافت کا قیام ہوا۔

دوسرا سوال یہ بنتا ہے کہ پھر امام مہدی کا ظہور کیوں نہیں ہوا؟

اس سوال کا جواب بلکل واضع ہے قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی بشارتوں سے اخذ کی گئی تاریخ کے مطابق ۱۴۳۵ ہجری ہی ظہور مہدی کا سال ہے تو ان کا ظہور ہونا چاہیے تھا۔ اور الحمدللہ مہدی آخرالزماں کا ظہور ہو چکا۔ جی ظہور ہو چکا، امیر المومنین ابوبکر البغدادی ہی مہدی آخرالزماں ہیں جس کے دلائل ہم آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

ذخیرہ احادیث کی کتب اور بلخصوص الفتن نعیم بن حماد کے مطالعہ سے مہدی کے حوالے سے سالوں کا ذکر ملا وہ کئی مختلف اعداد میں ملا۔ مثلاً کہیں پر یہ ہے کہ مہدی باقی رہے گا ساٹھ سال تک۔ مہدی کے معنی ہیں جس کو ہدایت دی گئی یعنی ہدایت یافتہ۔ ان ساٹھ سالوں کے ذکر سے جو بات واضع ہوتی ہے وہ یہ کہ یہ مہدی آخرالزماں کی عمر ساٹھ سال نہیں بلکہ دنیا میں ساٹھ سال تک مہدی رہیں گے اس کے بعد کوئی مہدی یعنی ہدایت یافتہ نہیں رہے گا کہ ساٹھ سال کے بعد دنیا میں کوئی بھی مہدی نہیں

ہوگا۔ساٹھ سال بعدسب کے سب گمراہ ہی رہ جائیں گے دنیا میں۔امت محمد کا آغاز رسول اللہ ﷺ کے مبعوث کیے جانے ہجری سن سے گیارہ سال پہلے ہوا۔

قیامت قائم ہونے سے پہلے ۴۰ سال تک دنیا میں کوئی بھی مومن نہیں ہوگا،امت محمد کی مجموعی عمر جو کہ ۱۵۰۰ سال ہے سے ۴۰ نکال لیں تو پیچھے پندرویں صدی کا ہندسہ ساٹھ بنتا ہے اور امت محمد کی مجموعی عمر کا ۱۴۶۰ بنتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو بھی مہدی کہا ہے۔ اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام بھی پندرہویں صدی ہجری کے سن ساٹھ تک رہیں گے۔امت محمد کی مجموعی عمر کا ۱۴۶۰ اور ہجری ۱۴۴۹ ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ قال: یعیش فی ذلک سبع سنین. الفتن نعیم بن حماد

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس میں رہیں گے سات سال۔

یعنی مہدی سات سال رہیں گے۔اس سے مراد مہدی بطور خلیفہ سات سال رہیں گے تب عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی مدت خلافت شروع ہوگی اور ابن مریم بھی سات سال ہی رہیں گے۔

النبی ﷺ قال یعیش سبعا او تسعا . الفتن نعیم بن حماد

نبی ﷺ نے کہا رہیں گے سات یا نو۔یعنی مہدی سات یا نو سال رہیں گے۔

النبی ﷺ قال یعیش سبعا ثم یموت . الفتن نعیم بن حماد

نبی ﷺ نے فرمایا سات سال رہیں گے پھر موت ہوگی۔یعنی مہدی کی شناخت ظاہر ہونے کے بعد سات سال بعد ان کی موت ہوگی۔

عن النبی ﷺ سبعا ثمانیا تسعا . الفتن نعیم بن حماد

رسول اللہ ﷺ سے سات آٹھ نو۔یعنی مہدی سات آٹھ نو سال رہیں گے۔

مہدی علیہ السلام کے ہاتھ پر خلیفہ کے طور پر بیعت کے سات سال بعد عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا دور شروع ہوگا لیکن وہ اس سے پہلے موجود ہوں گے اور اس سے پہلے ہی دجّال کا قتل کر چکے ہوں گے جس کی تفاصیل عیسیٰ ابن مریم کے باب میں آئیں گی۔ یعنی ۱۴۳۵ ہجری میں بطور خلیفہ بیعت، ۱۴۴۲ ہجری میں عیسیٰ ابن مریم کا دور شروع ہوگا۔ اور اس کے بعد ۱۴۴۴ ہجری میں ابن مریم سے پہلے مہدی کی وفات ہوگی۔

پچھلی حدیث میں ہے کہ سات سال بعد موت ہوگی تو اگر ۱۴۴۴ ہجری جو کہ وفات کا سال بنتا ہے اس سے سات سال پیچھے جائیں تو ۱۴۳۷ ہجری بنتا ہے یعنی ۱۴۳۷ ہجری میں ان کی شناخت مومنوں پر ظاہر ہو جائے گی۔ جب ان کے ہاتھ پر بطور خلیفہ بیعت کی جائے گی تب کسی کو یہ علم نہیں ہوگا کہ وہی مہدی آخرالزماں ہیں لیکن اس کے دو سال بعد ۱۴۳۷ ہجری میں ان کی شناخت ظاہر ہو جائے گی خواہ چند ہی لوگوں پر ظاہر ہو اور انہیں پر ظاہر ہوگی جو مومن ہوں گے باقیوں کے لیے معاملہ ان کی وفات تک ویسا ہی رہے گا حتیٰ کہ عیسیٰ ابن مریم مہدی کا دور بھی گزر جائے گا اور یہاں تک کہ قیامت بھی آجائے گی۔ لیکن لوگ اپنی دجالی زندگیوں کے مزے لوٹ رہے ہوں گے دجالی میڈیا انہیں یہ سب دہشت گردی کے خلاف جنگ کے طور پر ہی دکھاتا رہے گا۔

اذا رأيتم الرايات السود قد جاء ت من قبل خراسان فأتوها، فان فيها خليفة الله المهدى. ۳۸۶۵۱

جب تم دیکھو کالے جھنڈوں کو آتا ہوا خراسان کی طرف سے پس انہیں پالینا پس اس میں کچھ شک نہیں ان میں اللہ کے خلیفہ مہدی ہوں گے۔

تخرج من خراسان رايات سود فلا يردها شيءٍ حتى تنصب بايلياء.

۳۸۶۵۲

نکلیں گے خراسان سے کالے جھنڈے پس نہیں انہیں کوئی شئے پھیر سکے گی یہاں تک کہ انہیں نصب کر دیں گے ایلیاء کیساتھ۔

عام طور پر جب بھی کسی ایسے واقعہ کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جاتی ہے یا کی گئی تو وہ رائے یہی رہی کہ خراسان سے کالے جھنڈوں کا لشکر بلکل ایسے ہی نکلے گا جیسے پرانے زمانوں میں ہوتا تھا کہ گھوڑوں پر تیروں وتلواروں کیساتھ کوئی بڑا لشکر دشمن کے ساتھ جنگ کے لیے نکلتا تھا۔ بلکل ایسے ہی یہ لشکر بھی نکلے گا اور پوری دنیا اس لشکر کو گزرتا ہوا دیکھے گی۔اور جو اسے دیکھے اس لشکر میں شامل ہو جائے۔

ایسا نظریہ قائم کرنا انتہا درجے کی جہالت پر ہی مبنی ہے۔ بہت ہی افسوس ناک معاملہ ہے کہ ہم اگر بازار سے کوئی کم سے کم قیمت شئے بھی خریدنے جائیں تو خریدنے سے پہلے پوری طرح ٹھوک بجا کر الٹ پلٹ کر تسلی کر لیتے ہیں کہ شئے میں کوئی خامی ونقص وغیرہ تو نہیں۔اور ایسا اس وجہ سے کرتے ہیں کہ کہیں وہ تھوڑی سے قیمت جو ہم ادا کر رہے ہیں کہیں ضائع نہ ہو جائے۔لیکن اس کے برعکس جب دین کا معاملہ آتا ہے تو ہم نے کبھی بھی دین کے معاملے میں ایسا رویہ اختیار نہیں کیا، ایسے اصول وقوانین اپنے لیے یا دوسروں کے لیے مرتب نہیں کیے۔شاید اس لیے کہ ہمارے نزدیک چند پیسوں کی قدر دین سے کئی گناہ بڑھ کر ہے۔ بہر حال یہ بات اپنی جگہ لیکن اصل بات یہ ہے کہ پیچھے بیان کردہ نظریے کہ مطابق ہرگز نہیں ہوگا۔ بلکہ الٹا ایسا نظریہ رکھنے والے ایسے لشکر کے انتظار میں رہیں گے لشکر تو نہیں نکلے گا البتہ قیامت آجائے گی۔

ہم اس وقت جس دور میں رہ رہے ہیں ہمیں ان تمام تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس لشکر کا نقشہ کھینچنا ہوگا۔تب جا کر ہم اس لشکر کی پہچان کر سکیں گے۔ آج ہم جس دور میں رہ رہے ہیں یہ دور ایسا ہے کہ اگر کوئی انسان اس دین کی بات کرے جو محمد رسول اللہ ﷺ لیکر آئے تو پوری دنیا اس کی دشمن ہو جاتی ہے اس پر دنیا تنگ کر دی جاتی ہے۔تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ لشکر پوری دنیا کی آنکھوں کے سامنے جمع ہو رہا ہو اور پھر ایک قافلے کی صورت مین خراسان سے نکلے اور ایلیاء یعنی بیت المقدس کی طرف اپنا رخ کرے۔ ایسا آج کے دور میں ممکن ہی نہیں اور نہ ہی کسی روایت میں ہمیں رسول اللہ ﷺ کے ایسے کوئی الفاظ ملتے ہیں۔ کہ کالے جھنڈوں والے لشکر یعنی قافلے کی صورت میں نکلیں گے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جب دنیا جہالت میں ڈوبی ہوئی ہوگی اسلام کی حالت وہی ہو چکی ہوگی جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے تھی اس وقت کچھ لوگ اٹھیں گے جو پوری دنیا سے کسی ایسے خطے میں جمع ہوں گے جہاں وقت کا تقاضہ انہیں جمع ہونے کی اجازت دیتا ہو۔اور اس وقت دنیا میں ایسی جگہ خراسان کے ہی کسی علاقے میں ہوگی لہذا وہ خراسان میں جمع ہوں گے۔ جمع ہونے کا ذریعہ بھی ضرور کوئی نہ کوئی بنے گا کچھ نہ کچھ ایسی وجوہات ہوں گی جن کی وجہ سے وہ خراسان میں جمع ہوں گے وہاں ان کی بنیاد رکھی جائے گی۔لیکن ان کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ دنیا کے سب سے بڑے مفسدوں یعنی دنیا میں فساد کی جڑ کو کاٹیں جو کہ یہود ہیں۔ یہود اس وقت ایلیاء یعنی بیت المقدس میں جمع ہو چکے ہوں گے اس سے اسرائیل کے قیام کا بھی واضح اشارہ ملتا ہے۔

ان مومنوں کی نشانی ان کے ہاتھ میں کالے جھنڈوں کی صورت میں ہوگی۔اور یقیناً جب ایسا ہوگا تو ضرور ان کے مقابلے پر فتنے کی غرض سے اور بھی گروہ کھڑے کیے جائیں گے جن کے ہاتھ میں بھی کالے جھنڈے ہوں گے۔لیکن ان میں تمیز کرنے کی صرف ایک ہی نشانی ہوگی اور وہ یہ کہ اصل کالے جھنڈے والوں کا مقصد بیت المقدس پہنچنا ہوگا نہ کہ وہ خراسان میں ہی بیٹھ جائیں گے اس لیے وہ اپنی منزل کو سامنے رکھتے ہوئے ہی اپنے اقدامات کریں گے۔ اور دوسرا وہ خراسان سے بیت المقدس بتدریج سفر کریں گے۔ یعنی خراسان میں ان کی بنیاد پڑی تو اس کے بعد وہ اس خطے سے ظاہر ہوں گے جو بیت المقدس کے طرف جانے کے رستے میں ہو جو کہ فارس یعنی ایران اس کے بعد عراق اور اس کے بعد شام کے علاقے ہیں۔

خراسان میں جن کیساتھ ان کا سامنا ہوگا اللہ سبحان وتعالیٰ ان دشمنوں پر انہیں فتح دیں گے۔پھر ان کا دوسرا اٹھکانا خراسان سے آگے بیت المقدس کی طرف ہوگا۔یعنی وہ خراسان سے کسی ایسے دوسرے خطے میں منتقل ہوں گے جو بیت المقدس کی سمت میں ہو۔اس کے لیے اگر ہم دنیا کا نقشہ سامنے رکھیں تو خراسان سے بیت المقدس کے درمیان فارس، عراق اور شام آتے ہیں۔

یعنی خراسان سے آگے ان کی منزل فارس موجودہ ایران، عراق یا شام ہوگی۔سب سے پہلے ایران آتا ہے تو انہیں ایران منتقل ہونا پڑے گا اس کے بعد عراق اس کے بعد شام اور جب وہ شام پہنچ جائیں گے تو پھر منزل بلکل قریب ہو جائے گی وہ وقت سر پر آجائے گا جب ایلیاء میں محمد رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا نصب کیا جائے گا۔

موجودہ وقت کو سامنے رکھتے ہوئے وقت کے تقاضے کے پیش نظر ایسا ممکن ہی نہیں کہ کالے جھنڈے والے کسی قافلے کی صورت میں نکلے یا آگے سفر کریں بلکہ۔وہ خراسان سے ایران منتقل ہوں گے بلکل ایسے ہی جیسے وہ خراسان میں جمع ہوئے۔ ایک ایک، دو دو، چار، چار کر کے۔یعنی آزادانہ کہیں بھی نقل وحرکت کرنا ان کے لیے ممکن نہیں ہوگا۔وہ منتشر حالت میں اپنی شناخت کو ممکن حد تک پوشیدہ رکھتے ہوئے ایران میں جمع ہوں گے۔اس سے آگے عراق میں۔ جہاں جہاں انہیں دشمن کا سامنا کرنا پڑے گا اللہ سبحان وتعالیٰ ان کے ذریعے دشمن کو ذلیل ورسوا کریں گے۔دنیا کی کوئی طاقت ان کے آگے نہ ٹھہر سکے گی۔اسی طرح وہ عراق سے شام منتقل ہوں گے۔اور جب شام منتقل ہوں گے تو شام کے حوالے سے تمام روایات کو بھی سامنے رکھنا ضروری ہے۔شام میں پہنچیں گے تو شام میں ان کے درمیان اختلاف ہوگا اور دو گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے اور پھر اللہ سبحان وتعالیٰ ان دو گروہوں میں سے اہل حق کو ہی حق تھمائیں گے یعنی شام میں یہی کالے جھنڈے والے خلافت کا قیام عمل میں لائیں گے۔

یہ سارا سفر مشکلات، مصائب، تکالیف و پریشانیوں سے بھرپور ہوں گا اور یہ سفر دنوں، ہفتوں یا مہینوں نہیں بلکہ سالوں پر محیط ہوگا۔ اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو کام بھی شروع کیا جاتا ہے جیسے جیسے کام آگے بڑتا ہے ویسے ویسے وقت سکڑتا جاتا ہے۔ تو اسی طرح جو وقت انہیں خراسان میں لگے گا ایران میں اس سے کم وقت لگے گا اسی طرح عراق میں اس سے بھی کم اور پھر شام میں اپنے اہداف حاصل کرنے میں اس سے بھی کم وقت لگے گا۔ جیسے جیسے مومنوں پر ان کی حقیقت کھلے گی ویسے ویسے وہ مزید مضبوط اور منظّم ہوتے جائیں گے۔

یہ مختصر تفصیل ہم نے حالات وواقعات اور وقت کے تقاضے کو مدنظر رکھتے ہوئے بیان کی۔ بیان کرنے کا مقصد صرف اور صرف یہی ہے کہ کہیں ہمارا حال بھی یہود کی طرح نہ ہو کہ جب ان سے مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا وعدہ کیا گیا وہ انتظار کرتے رہے لیکن جب مسیح مبعوث کیے گئے تو خود یہود نے نہ صرف پہچان وتسلیم کرنے سے انکار کر دیا بلکہ الٹا مصلوب کی کوشش کی۔ اور اپنی طرف سے تو وہ انہیں قتل کر چکے اور پھر آج تک وہ مسیح کے انتظار میں ہیں حالانکہ صدیاں گزر چکیں۔

ہمیں یہود کی روش اختیار کرنے کی بجائے حق کو کھلی آنکھوں دیکھنا اور اسے پہچاننا چاہیے۔ دجّال کا شکار ہونے کی بجائے علم و حکمت سے کام لیتے ہوئے حالات وواقعات کا بغور جائزہ لینا چاہیے۔ وقت کے تقاضے کو سامنے رکھتے ہوئے سوچ سمجھ میں کہیں بھی لاپرواہی نہیں برتنی چاہیے۔

یہ تمام کی تمام نشانیاں آج اس گروہ پر صادق آتی ہیں نہ صرف صادق آتی ہیں بلکہ معرج کی رات رسول اللہ ﷺ نے موجودہ وقت اور اسی گروہ کو ہی دیکھ کر اس کی نشانیاں اپنے الفاظ میں بیان کی تھیں۔ یہی وہ لشکر ہے جس نے خلافت کا قیام کیا اور اللہ کے نبی ورسل محمد ﷺ کے الفاظ کی روشنی میں اللہ کا خلیفہ مہدی بھی انہیں میں ہوگا۔

۲۰۰۶ میں عراق میں خلافت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ پہلے خلیفہ جو کہ قریشی تھے ان کے قتل کے بعد اگلے خلیفہ کے انتخاب پر شدید اختلاف سامنے آیا لیکن بہرحال دوسرے خلیفہ کے لیے اتفاق ہوگیا۔ آج وہی دوسرے خلیفہ ہی ہیں جن کے ہاتھ پر عالمی خلافت علی منہاج النبوۃ کے خلیفہ کے طور پر بیعت ہوئی۔

اس خلافت کا قیام عین نبوت کی طرز پر ہوا۔ مزید تفصیلات کے لیے کتاب ''الدولۃ الخلافۃ الاسلامیہ کی مختصر تاریخ'' کا مطالع کیجئے۔

ایک خلیفہ کی موت پر اختلاف ہوگا والی حدیث..................................

۱۴۲۷ ہجری میں عراق کی سطح پر عالمی خلافت کی بنیاد رکھی گئی۔ اس وقت خراسان سے آنے والے اس کالے جھنڈوں کے لشکر نے اپنی وسعت اور وسائل کے مطابق عالمی خلافت کا قیام کیا لیکن طے یہ پایا کہ ابھی صرف اسے عراق کی حد تک رکھا جائے گا جب وقت آئے گا تو عراق سے آگے کا اعلان بھی کریں گے، ان شاء اللہ۔

۱۴۲۷ ہجری میں عراق کی حد تک جب خلافت کا قیام عمل میں آیا تو اس وقت دنیا میں موجود تمام مجاہدین کے گروہوں میں اس پر سوالات اٹھائے حتیٰ کہ اس وقت بھی بہت سے لوگوں نے الدولہ الاسلامیہ عراق کی بیعت کی اور شیخ اسامہ رحمہ اللہ نے عراق کے تمام اہل ایمان پر الدولہ السلامیہ کی بیعت کو فرض قرار دیا لوگوں کو اس پر ابھارتے رہے اور کئی بار اس کا اعلان بھی کیا کہ یہی خلافت عراق سے نکل کر عالمی سطح پر آئے گی۔

اس کے علاوہ امام انور العلوقی یمنی رحمہ اللہ کے اس وقت کے بیانات موجود ہیں جن میں وہ علی اعلان کہتے تھے کہ عراق میں قائم ہونے والی خلافت ہی آگے چل کر عالمی خلافت میں تبدیل ہوگی۔ عراق کی حد تک خلافت کا اعلان بہت سے پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد طے کیا گیا اور بہت جلد جب وقت آئے گا تو عراق سے نکل کر اس کے ساتھ والے خطوں اور اسی طرح پھر عالمی خلافت کا قیام کیا جائے گا۔

یوں عراق میں خلافت کے قیام پر سب سے پہلے خلیفہ ابوعمر البغدادی القریشی کا انتخاب ہوا۔ اور جب ۱۴۳۱ ہجری میں پہلے خلیفہ کو اللہ کے دشمنوں نے قتل کیا تو آئندہ خلیفہ کے انتخاب پر اختلافات سامنے آگئے۔ الدولۃ الاسلامیہ العراق کی شوریٰ ابو بکر البغدادی پر متفق ہو چکی تھی لیکن اس وقت القاعدہ کی قیادت عملی طور پر شیخ اسامہ کے نائب ایمن الظواہری کے ہاتھ میں تھی۔ ایمن الظواہری نے ابوبکر البغدادی کے انتخاب کی کھل کر مخالفت کی۔ اس مخالفت کی وجہ سے خلیفہ کی وفات کے ۲۸ دن بعد ابوبکر البغدادی کے بطور خلیفہ بیعت پر اتفاق ہو گیا۔

ایمن الظواہری نے الدولہ السلامیہ العراق کے بارے میں کھل کر میڈیا پر اپنے ویڈیو بیانات جاری کیے اور ان میں واضع کہا کہ الدولہ الاسلامیہ العراق کا مقصد تمام تنظیموں، گروہوں اور شخصیات وغیرہ سے بالاتر ہے یعنی وہ عین نبوت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عالمی خلافت کی طرف گامزن ہے اس کی منزل عالمی خلافت کا قیام ہے۔

يخرج المهدى وهو ابن اربعين سنة كأنه رجل من بنى اسرائيل. الفتن نعيم بن حماد

نکلے گا مہدی اور وہ ہوگا چالیس سالوں کا جیسے ایک مرد بنی اسرائیل سے۔

اس روایت میں محمد رسول اللہ ﷺ نے عیسیٰ ابن مریم کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ وہ آخری مہدی ہوگا جسے محمد رسول اللہ ﷺ نے ابن مریم کہا ہے جو موجودہ مہدی خلیفہ ابوبکر البغدادی کے بعد ہوگا۔لیکن اس روایت کے الفاظ بہت ہی جامع ہیں یہ موجودہ خلیفہ پر بھی پورے اترتے ہیں۔

یعنی مہدی کی بیعت اس وقت ہوگی جب ان کی عمر چالیس برس ہوگی۔

امیر المومنین ابوبکر البغدادی ۱۳۹۱ ہجری میں پیدا ہوئے اور اس کے ٹھیک چالیسویں سال ان کے ہاتھ پر خلیفہ کے طور پر بیعت کی گئی ۱۴۳۱ ہجری میں۔

حیاة المهدی ثلاثون سنة. الفتن نعیم بن حماد

مہدی کی حیات تیس سال۔

یعنی اللہ کی راہ میں جہاد وقتال سے پہلے تیس سال کی زندگی باقی لوگوں کی طرح گزار چکے ہوں گے۔کہ اس دور میں اصل زندگی وہی گنی جائے گی جو دین کے لیے وقف۔فتنہ دجال سے انسان بچنے اور اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے جدوجہد میں گزارے،دجالی معاشروں سے کٹ کر جنگلوں پہاڑوں میں چلا جائے یا اللہ کی راہ میں قتال۔مہدی ان تین صورتوں کی طرف اس وقت آئیں گے جب زندگی کے تیس سال گزار چکے ہوں گے۔اور مہدی آخر الزماں نے چونکہ امامت کے فرائض انجام دینے ہیں تو ان کے لیے تینوں میں سے قتال کا رستہ ہی سامنے آتا ہے یوں مہدی جب تیس سال کی عمر کے ہوں گے تب وہ میدان جہاد وقتال میں قدم رکھیں گے یہ روایت خلیفہ ابن مریم پر بھی صادق آسکتی ہے اور موجودہ خلیفہ پر بھی صادق آتی ہے۔امیر المومنین ابوبکر البغدادی نے اپنی پیدائش سے تیس سال بعد میدان جہاد میں قدم رکھا۔

یملک المهدی سبع سنین و شهرین و ایام. الفتن نعیم بن حماد

حکومت کریں گے مہدی سات سال اور دو مہینے اور کچھ دن۔

یعنی سات سال دو ماہ اور کچھ دن جو کہ ایک ہفتے سے کم ہو سکتے ہیں دو سے چھ دنوں میں سے۔اس کے بعد عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام منصب امامت پر فائز ہوں گے بطور خلیفہ ان کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی۔عالمی خلافت کے قیام کے بعد مہدی

علیہ السلام کی مدت حکومت سات سال دو ماہ اور کچھ دن ہوگی۔

۱۴۳۵ ہجری میں قیام خلافت کا اعلان اور اس کے سات سال دو ماہ اور کچھ دن بعد یعنی ۱۴۴۲ ہجری میں عیسٰیا بن مریم علیہ السلام منصب امامت پر فائز ہوں گے۔

یعیش المهدی اربع عشرة سنة ثم یموت موتا. الفتن نعیم بن حماد

رہیں گے مہدی چالیس سال پھر اپنی موت مریں گے۔

یہ عیسٰی علیہ السلام کی وفات کا ذکر ہے۔کیونکہ احادیث میں ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا عیسٰی ابن مریم علیہ السلام ہی مہدی ہیں۔روایات سے ملنے والی راہنمائی کے مطابق عیسٰی ابن مریم جب منصب امامت پر فائز ہوں گے تو ان کی عمر ۳۳ سال ہوگی اور سات سال بعد چالیس سال کی عمر میں ۱۴۶۰ نبوی یعنی ۱۴۴۹ ہجری میں وفات ہوگی۔

مہدی کا اسم میرا اسم ہوگا اور اس کے والدین کا اسم میرے والدین کا اسم ہوگا۔ان کی بیعت مقام ابراہیم پر، اسم کے معنی، کیا وہ حسنی ہوں گے یا حسینی؟ سمیت پیدا ہونے والے تمام سوالات کے جوابات۔

ذخیرہ احادیث میں مہدی آخرالزماں کے بارے میں ملتا ہے کہ وہ قریشی ہوں گے۔بیشتر روایات سے ملتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہوں گے۔اس کے علاوہ کچھ روایات میں ہے کہ وہ حسن رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہوں گے اور کچھ میں حسین رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہونے کا ملتا ہے۔لیکن روایات کی کثیر تعداد ان کے حسنی یا حسینی ہونے پر خاموش ہے۔کثرت روایات میں ان کا فاطمہ رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہی ہونا ملتا ہے۔

جب سب روایات کو سامنے رکھیں اور قرآن میں اللہ سبحان وتعالیٰ کے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیے گئے امامت کے وعدے کو سامنے رکھیں تو ان کا حسینی ہونا ثابت ہوتا ہے بے شک کچھ روایات میں حسنی ہونا ہی کیوں نہ ملتا ہو۔میری تحقیق جو کہ بہت وسیع ہے یہاں بیان کرنے سے موضوع بہت لمبا ہو جائے گا اس لیے یہاں اسے بیان نہیں کر رہا اس کے مطابق ان کا حسن رضی اللہ عنہ کی بجائے حسین رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہونا زیادہ قوی ہے۔اور میں جب اپنی تحقیق کے اختتام تک پہنچا تو میرا یہ نظریہ مضبوط بنیاد کا حامل ہو چکا تھا۔اس لیے مہدی علیہ السلام کا حسینی ہونا لازم ہے۔

اس موضوع پر اگر کسی کو مزید دلائل چاہییں تو ان شاء اللہ میں اللہ کے فضل ونصرت سے اس پر اللہ کی کتاب سے مضبوط دلائل

دے سکتا ہوں۔

رسول الله ﷺ قال: المھدی اسمه اسمی و اسم ابیه اسم ابیه. الفتن نعیم بن حماد

رسول اللہ ﷺ نے کہا مہدی کا اسم میرا اسم اور اس کے ابا کا اسم میرے ابا کا اسم ہے۔

یہ وہ روایت ہے جس کے تراجم میں مہدی کو محمد اور ان کے ابا کو عبداللہ قرار دیا گیا جو کہ خیانت سے کم نہیں ہے جس کی وجہ سے آج اکثریت گمراہی کا شکار ہے۔ روایات میں کہیں بھی محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں کہا کہ مہدی کا نام محمد ہوگا اور اس کے والد کا نام عبداللہ ہوگا۔

اسم کا ترجمہ کسی شئے کا نام کیا جاتا ہے جو بلکل غلط ہے۔ عربی میں اسم کو سمجھنے کے لیے لازم ہے کہ ہم پہلے عربی سمجھیں۔ عربی کو جاننے کے لیے الحمدللہ میرا ایک مختصر درس موجود ہے آپ اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ جس کو آپ ''عربی زبان کیا ہے'' کے عنوان سے انٹرنیٹ پر گوگل، یوٹیوب وغیرہ پر تلاش کر کے سن سکتے ہیں۔ جب تک آپ وہ نہیں سنیں گے آپ کے لیے اسم کو سمجھنا شاید مشکل یا پھر ناممکن ہو اس لیے اس مختصر بیان کو ضرور سنیں۔ یا اسی کتاب میں پیچھے عربی پر مختصر بات ہو چکی ہے۔

یہاں ہم اس پر مختصر بیان کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ کسی عزیز، دوست یا قریبی رشتے دار کا نام تصور کریں جسے آپ بہت قریب سے جانتے ہوں۔ جب بھی آپ کے سامنے اس کا نام لیا جائے گا تو وہ صرف ایک لفظ نہیں ہوگا بلکہ فوراً آپ کے دماغ میں اس لفظ کے پیچھے موجود انسان کا پورا حلیہ قائم ہو جائے گا۔ اس کا رنگ، قد، نسل، اس کی خامیاں، خوبیاں وغیرہ سب کچھ ذہن میں آجائے گا۔

اسی طرح ایک لفظ ہے پرندہ۔ جب بھی یہ لفظ کہا یا سنا جائے گا تو یہ محض ایک لفظ نہیں ہوگا بلکہ اس کے پیچھے ایک جاندار مخلوق کا خاکہ ذہن میں آجائے گا۔ کہ ایسی مخلوق جو فضاء میں تیرنے کی صلاحیت رکھی ہے جس کے پر ہوں اسے پرندہ کہا جاتا ہے۔ اور جس کے پر نہ ہوں جو فضاء میں نہ تیر سکے اسے پرندہ نہیں کہا جا سکتا۔ کسی میں اس کی صلاحیتوں، صفات کو عربی میں اسم کہا جاتا

ہے۔

جیسے اللہ سبحان وتعالیٰ کے اسماء ہیں۔

الخالق، یہ صرف ایک لفظ نہیں بلکہ یہ اللہ کی صفت ہے اللہ سبحان وتعالیٰ خلق کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ پھر اسی طرح باقی جتنے بھی اسماء ہیں اللہ کے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے اسم پر آ جائیں تو رسول اللہ ﷺ کا صرف ایک اسم نہیں بلکہ ایک سے زائد اسماء تھے۔ جیسے احمد، حامد، محمود، محمد، یٰس، طٰہٰ سمیت اور بھی۔ یعنی رسول اللہ ﷺ میں یہ صفات، یہ خوبیاں، یہ صلاحیتیں موجود تھیں۔

اردو میں جسے ہم نام کہتے ہیں جو ہم لفظ اسم کا ترجمہ کرتے ہیں عربی لغت میں اسے کنی، کنیہ یعنی کنیت کہتے ہیں۔

کنیت کہتے ہیں جس سے انسان کو پکارا اور بلایا یعنی مخاطب کیا جاتا ہے یا جس سے انسان معروف ہو۔ مثلاً ایک انسان اگر اسے عبداللہ کہہ کر پکارا جاتا ہے وہ عبداللہ مشہور ہے یعنی عبداللہ اس کا نام ہے لیکن حقیقت میں وہ عبدالشیطان ہے تو عبداللہ اس کا اسم نہیں بلکہ کنیت ہوگی اسم اس کا وہ ہوگا جس اس میں صفات پائی جاتی ہے اور صفات اس میں شیطان کے غلاموں والی ہیں تو اس کا اسم عبدالشیطان ہوگا خواہ اسے ساری زندگی عبداللہ نام سے پکارا جائے۔

اسی طرح جب ہم قرآن میں غور و فکر کریں تو اسی ضمن میں عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے الفاظ کو دیکھیں۔

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۔ الصف ٦

اور جب کہا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے اے بنی اسرائیل یعنی اے یعقوب علیہ السلام کی اولاد اس میں کچھ شک نہیں میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں تمہاری طرف تصدیق کرتا ہوں اس کی جو درمیان میرے ہاتھ کے ہے تورات سے اور بشارت دیتا ہوں ساتھ رسول کے جو آئے گا میرے بعد اس کا اسم احمد ہوگا۔ پس جب آ گیا انہیں بینات

کیساتھ کہنے لگے یہ تو کھلم کھلا جادو ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی پیدائش سے لیکر نبوت کے اعلان تک کبھی ایک بار بھی رسول اللہ ﷺ کو احمد کے نام سے نہیں پکارا گیا بلکہ اس کے برعکس انہیں محمد کے نام سے ہی سب جانتے تھے۔لیکن اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن میں واضع کر دیا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو محمد رسول اللہ ﷺ کی بشارت احمد اسم سے دی۔

یعنی عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ آخری نبی ورسول کا نام محمد ہوگا وہ محمد کے نام سے جانے اور پہچانے جائیں گے اگر ایسا ہوتا تو کوئی بھی اپنی نام محمد رکھ کر لوگوں کو دھوکہ دے سکتا تھا بلکہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے حوالے سے قرآن میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے **اسْمُهٗ اَحْمَد** کے الفاظ استعمال کیے۔اس کا اسم احمد ہوگا۔ احمد کہتے ہیں جس کا ہر کام تعریف کے لائق ہو یعنی جس کی ہر سطح پر تعیف ہی کی جائے جو بھی کام کرے وہ خامیوں سے پاک ہو۔اس میں کوئی عیب نظر نہ آئے۔ تو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کو محمد رسول اللہ ﷺ کی بشارت دی تو انہیں یہ نہیں کہا کہ ان کا نام احمد ہوگا بلکہ انہوں نے تو محمد رسول اللہ ﷺ کی صفات سے آگاہ کیا کہ ان میں کیسی صلاحیتیں وصفات پائی جاتی ہوں گی جن کی وجہ سے ان کو پہچان لینا۔ لیکن ہوا کیا آج ہم سب جانتے ہیں۔

اور آج امت محمد کے علماء بھی خو بخو یہود کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور انہوں نے اسم کے معنی نام یعنی کنیت کے کر دیئے۔ کہ مہدی کا نام محمد ہوگا اور اس کے والد کا نام عبداللہ۔ حالانکہ محمد رسول اللہ ﷺ نے ایسا کہیں بھی نہیں کہا۔

اسمه اسمي . اس کا اسم میرا اسم یعنی جو صفات مجھ میں پائی جاتی ہیں ویسی ہی صفات اس میں ہوں گی۔ صادق و امین ہوگا، دین کی سمجھ رکھنے والا ہوگا یعنی اگر ہم محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو دیکھیں تو جس انسان کی سیرت محمد رسول اللہ ﷺ سے مشابہ ہو وہی مہدی ہے۔

و اسم ابيه اسم ابيه . اور اس کے ابا کا اسم میرے ابا کا اسم۔ ابا یعنی اب سے مراد والد لیا جاتا ہے جو کہ بلکل غلط ہے۔ عربی میں والد اسے کہتے ہیں جس نے جنم دیا ہو مگر ''اب یا ابی ابو یا ابا'' اسے کہتے ہیں جس نے پالا ہو یا چچا، تایا، دادا، پردادا اور ان سے بھی پیچھے والے ابا کو بھی اب کہتے ہیں۔ اس لیے مہدی کے ابا کا اسم ان کے والد کا اسم نہیں بلکہ ہمیں

دیکھنا یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ابا کون تھے یا خود محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنا ابا کس کا کہا۔

اگر غور و کیا جائے تو محمد رسول اللہ ﷺ کو ان کے چچا ابو طالب نے پالا یوں وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ابا ہوئے لیکن ہم دیکھیں کہ کیا محمد رسول اللہ ﷺ نے ان کے علاوہ بھی کسی کو اپنا ابا کہا اور کیا قرآن میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے بھی اس حوالے سے کوئی راہنمائی کی تو جب ہم قرآن سے اس سوال کا جواب لیں تو اللہ سبحان و تعالیٰ قرآن میں اس کا جواب یوں بیان کرتے ہیں۔

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ . الحج ۷۸

ملت تمہارے ابا ابراہیم کی۔

اس آیت میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کا ابا کہا ہے جو ابراہیم علیہ السلام کی طرح اللہ کے دین پر یعنی فطرت پر قائم ہوتے ہیں لیکن قرآن میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے اس کے برعکس جو ابراہیم علیہ السلام کی بجائے فرعون و ہامان کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں ان کا ابا فرعون و ہامان کو قرار دیا ہے یا جو بھی اس سے پہلے مفسدین گزر چکے ہیں اللہ سبحان و تعالیٰ ان کا ابا انہیں قرار دیتے ہیں۔ جس سے بلکل واضع ہو جاتا ہے جو لوگ خالص اللہ کے غلام ہوتے ہوتے، جو ملت ابراہیم کی اتباع کرتے ہیں ان کے ابا ابراہیم علیہ السلام اور جو مشرک ہیں یعنی خالص اللہ کی غلامی نہیں کرتے ان کے ابا ابراہیم علیہ السلا نہیں بلکہ وہ مفسدین ہیں جن کا قرآن میں ذکر کیا گیا۔

اس طرح تو محمد رسول اللہ ﷺ کے ابا بھی ابراہیم علیہ السلام ہوئے اور جو مہدی و ابن مریم ہوں گے ان کے ابا بھی ابراہیم علیہ السلام ہی ہوں گے۔

جب ہم روایات میں دیکھیں تو ہمیں اسی سلسلے میں روایات میں جو ملتا ہے اس میں سے کچھ درج ذیل ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ اپنی معراج کا احوال بتاتے ہیں اس سلسلے میں روایت ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کے مختلف انبیاء سے ملاقات ہوتی ہے تو ان انبیاء کو محمد رسول اللہ کا بھائی کہا جاتا ہے لیکن جب بات ابراہیم علیہ السلام کی آتی ہے تو وہاں درج ذیل الفاظ آتے ہیں۔

ثم سرنا فرأينا مصابيح وضوءاً فقلت: ما هذا يا جبريل؟ قال هذه شجرة ابيک ابراهيم. البزار، طبرانی

پھر ہم چلے ہم نے دیکھا چراغوں کو اور روشنی کو میں نے سوال کیا یہ کیا ہے جبرائیل؟ جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا یہ آپ کے ابا ابراہیم علیہ السلام کے درخت ہیں۔

روایت میں درج الفاظ کو ہم بخوبی دیکھ سکتے ہیں ان میں ابراہیم علیہ السلام کو محمد رسول اللہ ﷺ کے ابا کہا گیا ہے۔

ابیک۔ تیرے ابا ہیں۔

رسول اللہ ﷺ قال: ان أتخذ منبراً فقد اتخذه ابی ابراھیم، وان أتخذ العصا فقد اتخذھا ابی ابراھیم. (البزار، طبرانی)

رسول اللہ ﷺ نے کہا اگر میں اخذ کروں ایک منبر پس تحقیق اسے اخذ کیا تھا میرے ابا ابراہیم علیہ السلام نے اور اگر اخذ کروں عصا تو پس تحقیق اخذ کیا تھا اسے میرے ابا ابراہیم علیہ السلام نے۔

ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اس روایت میں بھی رسول اللہ ﷺ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا ابی قرار دیا اور اسی طرح درج ذیل روایت میں دیکھیں تو اللہ سبحان وتعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو محمد رسول اللہ ﷺ کا ابا قرار دیا۔

رسول اللہ ﷺ قال: اذ کان یوم القیامة نودیت من بطنان العرش: یا محمدا! نعم الأب أبوک ابراھیم. کنز العمال

رسول اللہ ﷺ نے کہا جب قیامت کا یوم تھا پکارا گیا یعنی آواز دی گئی ہمیں عرش کے بطنان سے: اے محمد ﷺ کتنے اچھے ابا ہیں آپ کے ابا ابراہیم علیہ السلام۔

ان تفصیلات کی روشنی میں اب ہمیں اس روایت کو دیکھنا پڑے گا۔

رسول اللہ ﷺ قال: المھدی اسمه اسمی واسم ابیه اسم ابیه. الفتن نعیم بن حماد

رسول اللہ ﷺ نے کہا مھدی کا اسم میرا اسم اور اس کے ابا کا اسم میرے ابا کا اسم ہے۔

اس روایت سے بلکل واضع ہو جاتا ہے کہ مہدی ایسی شخصیت کا نام ہے جس میں وہ صفات پائی جاتی ہوں گی جو صفات محمد رسول اللہ ﷺ میں موجود تھی اور اس کے ابا ابراہیم علیہ السلام ہوں گے یعنی وہ ملت ابراہیم کا پیروکار شخص ہوگا۔ اور ہر وہ انسان مہدی ہے جس میں ایسی خصوصیات پائی جاتی ہوں۔ اور فتنوں کے دور میں ایسی ہی شخصیت ہوگی جو امام کے فرائض انجام دے گی اور وہ ایک تو موجودہ مہدی ابوبکر البغدادی ہی ان شرائط پر پورے اترتے ہیں یا ان کے بعد وہ شخصیت جسے محمد رسول اللہ ﷺ نے عیسیٰ ابن مریم کہا ہے۔

عیسیٰ ابن مریم کے حوالے سے مزید تفصیلات آگے باب عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام میں ہی آئیں گی۔

رسول اللہ ﷺ قال المھدی اسمه اسمی و اسم ابیه اسم ابیه. الفتن نعیم بن حماد

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مہدی کا اسم میرا اسم ہوگا اور اس کے ابا کا اسم میرے ابا کا اسم ہے۔

تو رسول اللہ ﷺ کا اسم کیا تھا جب ہم اسے جانیں تو رسول اللہ ﷺ کے تو کئی اسماء تھے ان سب کو اگر ایک اسم کے تحت لائیں تو، احمد یا محمد اسم بنے گا۔ اب ضروری نہیں کہ کسی کا نام احمد ہو تو اس کا اسم بھی احمد ہو یعنی اس میں وہی صفات پائی جاتی ہوں جو احمد میں پائی جاتی ہیں۔ اگر ایک انسان کا نام عمران ہو، اسے عمران کے نام سے جانا اور پکارا جاتا ہو لیکن اس میں صفات احمد کی ہوں تو اس کی کنیت عمران اور اسم احمد ہوگا۔

مہدی کا اسم محمد رسول اللہ ﷺ کا اسم ہوگا یعنی مہدی میں وہی صفات ہوں گی جو محمد رسول اللہ ﷺ میں تھیں۔ امین، جری، بہادر، رحم کرنے والا، عادل، منصف، آزمائشوں میں ڈٹ جانے والا، دین پر کسی قسم کی کوئی سودے بازی کرنے والا نہیں ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے اگر کوئی یہ سمجھ رہا ہو کہ مہدی آخرالزماں محمد بن عبداللہ کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہوں گے تو وہ اپنی اس غلط فہمی کو دور کر لے ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ مہدی ہو کر بھی چلے جائیں گے، لیکن ایسا کوئی مہدی نہیں آئے گا جس کا تصور آج قائم کر کے انتظار کیا جا رہا ہے۔ یہ بلکل یہودی کی روش ہے جو اختیار کی جا چکی ہے اس لیے ایسا ہونا ناممکن ہے ایسا کوئی مہدی نہیں آئے گا جس کا تصور عام کر کے انتظار کیا جا رہا ہے حتیٰ کہ اچانک تباہی آجائے گی اور ایسا عقیدہ و نظریہ رکھ کر انتظار کرنے والا انسان اس ذلت کا شکار ہو جائے گا۔

اسی ضمن میں درج ذیل روایت کو دیکھیں جس سے اگر کوئی شک وشبہ ہوا تو وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ یہ انتہائی حیران کن اور چونکا دینے والی روایت ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

آخری زمانے کی جنگ عالمی جنگ ہوگی۔ ایک تیسری عالمی جنگ ہوگی دو بڑی جنگوں کے بعد جن میں مخلوق کی کثرت ماری جائے گی۔ جو دوسری بڑی جنگ کی چنگاری بھڑکائے گا اس کی کنیت بڑا سردار (Great Leader) ہوگی اور دنیا اسے ہٹلر کے نام سے پکارتی ہوگی۔

ایک ایسے ملک میں جنگ جو دم کی جڑ سے بھی چھوٹا ہے اس جنگ کے لیے دنیا والے اکٹھے ہوں گے۔ اس ملک کے امیر نے اپنا جھنڈا دور دراز کے مغربی ساحلوں سے آنے والی بری قیادت کے سپرد کر دیا۔ آخری زمانہ کا آغاز ہو گیا وہ قیادت اس ملک کے لیے ساری دنیا سے فریاد کر کے لوگوں کو جمع کر لے گی اور بادشاہ کا تخت و تاج لوٹا دے گی۔ آخری زمانہ کی ابتدائی جنگوں میں عراق تباہ کر دیا جائے گا۔ دم کی جڑ سے چھوٹے ملک کا امیر مہدی کے لشکر کے خلاف صف آرا ہوگا۔ اس ملک کی بربادی کا وقت دوبارہ قریب آ جائے گا کیونکہ اس کا امیر فساد پھیرنے والا ہوگا۔ مہدی اس کے قتل کا۔۔۔۔۔ اور دم اپنے جسم کی طرف لوٹ آئے گی۔۔۔۔۔

۱۳۰۰ ہجری کے بعد چند دہائیاں گننا روم کا ایک بادشاہ پوری دنیا کے خلاف جنگ کرنا چاہے گا پس اللہ کا ارادہ یہی ہوگا اس کے لیے کہ جنگ ہو اور نہیں گزرے گا زیادہ زمانہ دہائی اور دہائی پس مسلط ہو جائے گا ایک مرد خطے پر جس کا نام جرمن ہوگا اور اس مرد کا نام الھر ہوگا۔ وہ ارادہ کرے گا دنیا پر حکمرانی کا اور جنگ کرے گا تمام برف اور خیر خطوں میں۔ پس پکڑا جائے گا اللہ کے غضب میں آگ کے چند سال بعد۔ اس کا قتل روس یا روش کا معمہ بن جائے گا۔

اور ۱۳۰۰ ہجری کی دہائیوں کے پانچ یا چھ دہائیاں بعد، مصر پر حکمران ہوگا ایک مرد جس کی کنیت ناصر ہوگی، عرب اسے پکاریں گے شجاع العرب۔ اور اللہ جنگ اور جنگ میں نہیں تھا اس کی نصرت کرنے والا اور اللہ چاہے گا مصر کے لیے اس کی نصرت کرنا اپنے پسندیدہ مہینے میں اور وہ کرے گا اس کی نصرت۔ باپ اس کا تھا انور اس سے، لیکن وہ اصلاح کرنے والا ہوگا بلد خزیں سے مسجد اقصیٰ کے چوروں کے لیے۔

اور شام کے عراق میں ایک مرد ہوگا جابر۔۔۔ اور۔۔۔ سفیانی، اس کی ایک آنکھ میں تھوڑی کا ہلی ہوگی اور اس کا نام ہوگا صدام سے۔ اور وہ اپنے ہر مخالف سے ٹکرائے گا، دنیا اکٹھی ہوگی اس کے لیے ایک چھوٹے کوت میں، داخل ہوگا اس میں اور وہ

دھوکے سے۔اورنہیں خیر سفیانی میں مگر اسلام کیساتھ،اور وہ ہوگا خیر بھی اور شر بھی،اور ویل ہے مہدی امین سے خیانت کرنے والے کے لیے۔

اور ۱۴۰۰ ہجری کی دہائیوں میں دو یا تین دہائیاں۔۔۔نکلیں گے مہدی امین،اور جنگ کریں گے پوری کائنات سے جمع ہوں گے ان کے لیے جو گمراہوئے (صلیبی) اور جن پر غضب کیا گیا (یہود)،اور وہ بھی جو پھر گئے اپنے نفاق پر (منافقین) اسراء والمعراج کی سرزمین میں مجدون نامی پہاڑ کے پاس۔اور نکلے گی ان کے لیے دنیا کی ملکہ اور چالباز زانیہ اس کا نام ہوگا امریکہ،تمام عالم کو پھیرنے والی اس یوم گمراہیوں اور کفر میں۔اور اس یوم میں تمام عالم کے یہود سب سے اوپر ہوں گے اوپر والوں میں،حکومت کر رہے ہوں گے پورے قدس اور مقدس شہر پر اور تمام خطوں پر۔آئیں گے سمندروں اور فضاؤں سے مگر جن خطوں میں خوفناک برف پڑتی ہے اور جن خطوں میں خوفناک گرمی۔اور دیکھیں گے مہدی کہ پوری دنیا ان پر آ گئی ہے انتہائی بڑے بڑے منصوبوں،چالوں کے ساتھ۔اور دیکھیں گے اللہ کا منصوبہ ان سے سخت ہے اور دیکھیں گے کہ پوری کائنات اللہ کی ہے اسی کی طرف پلٹنا ہے اور وہی ہوگا جو اس نے قدر میں کیا ہے۔اور پوری دنیا درخت ہے اس کی جڑیں اور شاخیں ملکیت ہیں اسی کی۔پس اللہ مارے گا انہیں انتہائی کربناک مار اور جلائے گا ان پر زمین اور سمندروں اور آسمان یعنی بلندی کو اور (آگ وتباہی) کی بارش کرے گا بلندی سے انتہائی بری تباہ کن بارش۔اور لعنت کریں گے اہل زمین،زمین کے تمام کافروں پر اور اللہ سارے کے سارے کفر کے زوال کا حکم دے گا۔

(یہ روایت ۳۰۰ ھجری میں ھاتھ سے لکھی گئی کتاب سے لی گئی ھے. جس کے مصنف کا نام قلدة بن زید ابن البرکة مدنی ھے اور یہ کتاب بعنوان اسمی المسالک لایام المہدی الملک لکل الدنیا بامر اللہ المالک "مسمي أو تصنيف ۳۲۶۴ تراث المدينه المنورة" کے تحت ترکی کے شھر استنبول کی قدیم لائبریری میں محفوظ ھے. اس کے علاوہ اس روایت کو استاد محمد عیسیٰ داؤد نے ۱۹۹۷ میں طبع ہونے والی اپنی کتاب المھدی المنتظر علی الابواب میں بیان کیا ھے. ۲۰۰۲ میں یہ روایت میری نظر سے گزری اپنی پوری تحقیق و تصدیق کے بعد جب میں مطمعن ھوا تب اس روایت کو اپنی کتاب میں نقل کیا ھے. میری تحقیق و تصدیق اور علم کی بنیاد پر روایت بلکل ٹھیک ھے باقی اللہ سبحان وتعالیٰ کو بھتر علم ھے)

اس روایت میں بلکل واضع ذکر ہے کہ مہدی ۱۴۰۰ ہجری کی دو اور تین دہائیوں کے بعد نکلیں گے۔ دو اور تین دہائیوں کا جس طرح ذکر کیا گیا ہے اس سے واضع ہوتا ہے کہ ۱۴۰۰ ہجری کی دوسری دہائی میں وہ حالات پیدا ہوں گے جو مہدی کے نکلنے کا

پس منظر ہوں گے اور یوں تیسری دہائی کے بعد مہدی نکلیں گے۔ اور جب نکلیں گے تو ان کے خلاف پوری دنیا امریکہ کی قیادت میں ایک اتحاد کی صورت میں نکلے گی جو بری، بحری اور فضائی رستوں سے حملہ آور ہوں گے بہر حال روایت کی تشریح کرنے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ روایت خود ہی اپنی تشریح کر رہی ہے۔

اس روایت کو جب ہم درج ذیل روایت کی روشنی میں دیکھیں تو حیران کن بات سامنے آتی ہے۔

رسول الله ﷺ قال: يبعث وهو ما بين الثلاثين الى الؤربعين. نعيم بن حماد

رسول اللہ ﷺ نے کہا بعث ہوگا اور وہ جو درمیان تین اور چالیس کے۔

یعنی مہدی تیس اور چالیس کے درمیان مبعوث ہوگا۔ پچھلی روایت میں ۱۴۰۰ ہجری کے تین دہائیاں یعنی ۱۴۳۰ کے بعد کا ذکر ہے اور اس روایت میں ۳۰ اور ۴۰ کے درمیان کا ذکر ہے۔ ۳۰ اور ۴۰ کا درمیان ۳۵ بنتا ہے یعنی ۱۴۳۵ ہجری۔ اور حیران کن طور پر ۱۴۳۵ ہجری میں ہی خلافت کا قیام عمل میں آیا اور ابوبکر البغدادی المہدی کے ہاتھ پر بطور امام یعنی خلیفہ کے بیعت ہوئی۔ اس لیے رائی برابر بھی کوئی شک نہیں رہتا کہ ابوبکر البغدادی ہی المہدی ہیں۔ اور ان کے بعد آخری مہدی ابن مریم ہوں گے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت پر اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ کہ اس میں باقاعدہ صدام، ہٹلر، انور سادات، جمال عبدالناصر وغیرہ کا ان کے ناموں کے ساتھ ذکر ہے جو کہ ناقابل تسلیم ہے۔ تو اس کی تصدیق اس درروایت سے بھی ہو جاتی ہے۔

ترجمہ۔ خذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم مجھے نہیں ادراک میرے ساتھی بھول گئے یا انہوں نے بھلا دیا، اللہ کی قسم نہیں چھوڑا رسول اللہ ﷺ نے فتنوں کے قائدین سے دنیا کے ختم ہونے تک پہنچے گی جن کی تعداد تین سو یا اس سے زیادہ مگر تحقیق بتا دیئے ہمیں ان کے اسماء ان کیا سماء کے ساتھ اور ان کے باپوں کے اسما اور ان کے قبیلوں تک کے اسماء۔ ابو داؤد

اور دوسرا اس روایت میں جتنے واقعات بھی بیان ہیں بلخصوص مہدی کے خلاف حملہ آور ہونے کا وہ آج بلکل اسی طرح پورا ہو رہا ہے جیسے کسی نے پہلے یہ سب اپنی آنکھوں سے دکھ کر بتا دیا ہو۔ اور وہ اللہ کے رسول محمد ﷺ ہی تھے جنھوں نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور اپنے اصحاب کو بتا دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے کہا نکلے گا ایک مرد وراء النھر سے، کہا جائے گا اسے، ''الحارث حراث'' کسان ہو گا کھیتی کاشت کرے گا۔ اگلے قدم پر ایک مرد ہو گا، کہا جائے گا اس کو منصور یعنی نصرت کرنے والا ہو گا وہ دے گا یا زمین پر اختیار دے گا محمد ﷺ کی آل کو جیسے اختیار دیا تھا قریش نے اللہ کے رسول ﷺ کو، واجب ہو گا تمام مومنوں پر اس کی نصرت کرنا یا کہا اس کی بات قبول کرنا۔ ابو داؤد ۴۲۹۰

سبحان اللہ اس حدیث کا ایک ایک لفظ آج کے دور پر صادق آتا ہے۔

حارث حرث سے ہے حرث کہتے ہیں کھیتی کو۔ قرآن میں عورتوں کو بھی کھیتی کہا گیا ہے کیوں کہ وہ بچے پیدا کرتی ہیں۔ تو کھیتی بونے والا بوئے گا کھیتی۔ یہ کھیتی وہ لشکر ہے جو مہدی آخر الزماں کے لیے راہ ہموار کرے گا اس لشکر کی بنیاد رکھنے والی شخصیت آج ہم سب جانتے ہیں وہ شیخ اسامہ رحمہ اللہ تھے۔ جنہوں نے یہ پودا لگا کر اسے پانی دیا اور پروان چڑھایا اور ان کے اگلے قدم پر یعنی جب وہ لشکر تیار ہو جائے جیسے فصل پک کر تیار ہو جاتی ہے تو فصل کو کاٹنے والا محفوظ کرنے والا اس طرح اس لشکر کو لے کر مہدی آل محمد ﷺ کے لیے زمین پر تمکن حاصل کرنیوالا اور وہ ابو مصعب الزرقاوی رحمہ اللہ تھے۔ انہوں نے ہی عراق میں رسول اللہ ﷺ کی آل کو زمین پر اختیار دیا جس کی وجہ سے الدولہ الاسلامیہ العراق کا قیام عمل میں آیا۔ اور ابو عمر البغدادی القریشی پہلے خلیفہ بنے۔